بنجامن فرینکلن کی آپ بیتی

BHIMPURA UNION COMMITTEE NO. 44
LIBRARY
Acc.No. 584
Date 13/10/69
KARACHI

مقدمہ و تعارف
ورنر ڈبلو کرین
(Werner W. Crane)

ترجمہ

سید رئیس احمد جعفری ندوی

بلدیہ ریفرنس لائبریری
لیاقت ہال
انتخال نمبر 7013
تاریخ 2/94
بلدیہ کراچی

ناشر

محمد علی اکیڈمی ، لاہور

بنجامن فرینکلن کی آپ بیتی

مترجم

رئیس احمد جعفری

(ندوی)

بنجامن فرینکلن

کی

آپ بیتی

تعارف

از

ورنر ڈبلیو کرین

WERNER . W. CRANE

یکے از مطبوعات ہارپر اینڈ برادرس پبلشرز

نیویارک

شائع کردہ

محمد علی اکیڈمی، لاہور

استقلال پریس لاہور

مندرجات

(۱) مقدمہ
در ترڈبلو کرین ،

(۲) بنجامن فرینکلن کی آپ بیتی

تعارف

۱۷۷۵ء میں فلیڈلفیا سے بنجامن فرینکلن نے بشپ آف سینٹ آسف جو ناتھن شپلے کو تحریر کیا تھا کہ وہ کانٹی نینٹل کانگریس کی جنگی مہمات میں اس درجہ مصروف رہا تھا کہ کھانے اور سونے تک کا وقت میسّر نہیں آتا تھا۔ ان سرگرمیوں میں جو تقاضائے عمر کے یکسر خلاف تھیں چار سال پہلے کے فرصت کے وہ پندرہ روز اسے بے طرح یاد آتے تھے، جو بشپ کے وطن ہیمشائر میں اس نے گذارے تھے، وہ لکھتا ہے!

"ٹوائی فورڈ کے اسی کنج عافیت میں، کس درجہ مجھے مسرت حاصل تھی، اسے الفاظ میں کس طرح بیان کروں؛ وہاں میری مصروفیت بس اتنی ہی تھی کہ باغیچہ کی اسٹڈی میں قلم کاغذ لے کر کچھ لکھ لیا کروں۔ آپ سے اور آپ کے گھر والوں سے بات چیت کے دوران میں جو مسرّت حاصل ہوتی تھی وہ تو بے حد و حساب تھی،!"

بنجامن فرینکلن نے ۱۷۷۱ کے موسم بہار میں یہ تھوڑا بہت جو قلمبند کیا تھا، اس کے مسودے کا حجم ۸۷ صفحے تھا جو اس کی خود نوشت کا پہلا حصّہ ہے، —— وہ کتاب جسے مکمل نہ کر سکا،

۴۲ سال کی عمر میں نجی کاروبار سے اس نے سبک دوشی حاصل کی۔ اس کے بعد سے برابر اور ہمیشہ وہ بہت سی دلچسپ مشغولیتوں کے لیئے وقت پیدا کرنے کا آرزومند رہا —— ایسے کام جن کے لیے اپنے آپ کو وہ وقف کر دینا چاہتا تھا اس کے عملی تجربوں سے اسے بڑی دلچسپی تھی۔ اور یہ کام وہ کرنا چاہتا تھا جن میں سے متعدد وسط صدی میں انجام پذیر ہوئے۔ ان ایام کو اگر ایام زریں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا وہ اخلاقیات کا بھی ایک مجموعہ لکھنا چاہتا تھا۔ یہ آخری سالوں کی بات ہے۔ وہ اپنی زندگی کے قابل ذکر اور ناقابل فراموش واقعات قلمبند کرنے کا بھی متمنی تھا۔ لیکن باشندگان ملک تھے کہ اسے سانس لینے کی مہلت نہیں دیتے تھے تین مرتبہ اس نے اپنی یادداشتیں قلمبند کرنے کے لیے قلم اور کاغذ سنبھالا۔

پہلی مرتبہ ۱۷۸۴ء میں جب کچھ مدت کے لیے پیرس میں بے تعلق ہو کر وہ اپنے دن گزار رہا تھا، —— کچھ لکھا تو سہی لیکن بہت مختصر،

پھر ۱۷۸۸ء میں جب اس کا قیام فلاڈلفیا میں تھا اور وہ آخری مرتبہ اپنے عوامی منصب سے سبک دوش ہو چکا تھا۔

۱۷۹۰ء میں اپنی وفات سے کچھ پہلے اس نے اپنے مسوّدے میں چند صفحات کا اور اضافہ کیا۔ جن میں مختصر طور پر ۱۷۵۷ء کے اور انگلستان میں اپنے مستعمراتی دور کے واقعات وحقائق کا ذکر کیا تھا، یہ نوشتہ جن واقعات واحوال پر مشتمل تھا وہ امریکہ میں اس کے انجام دیئے ہوئے کارناموں سے کچھ زیادہ نہ تھا، انگلستان میں نوآبادیاتی ایڈوکیٹ (۱۷۵۷، ۶۲ — ۱۷۶۴، ۷۵) اور فرانس میں ری پبلکن سیاست داں (۱۷۷۶ء،۸۵) کی حیثیت سے جو مدت اس نے گزاری تھی، اس موضوع پر منصوبہ بنا چکنے کے باوجود وہ کچھ نہیں لکھ سکا۔

بس یہی ایک کتاب ہے جو فرینکلن نے لکھّی ہے۔ اسکاٹ لینڈ کے قانون داں، اور مصنف لارڈ کیمس Kames سے اس نے ۱۷۶۵ء میں وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنی کتاب آرٹ آف ورچو the art of virtue جلد مکمل کرلے گا۔ جس کا لارڈ موصوف اصرار کے ساتھ تقاضا کر رہے تھے۔ اس نے کہا تھا ،،

”اس مہم کو انجام دینے کا آپ مجھ سے تقاضا کر رہے ہیں، جیسے ہی میں عوامی مصروفیتوں سے فارغ ہوا، بس اسی کام میں لگ جاؤں گا۔ یہ بات تو صرف لارڈ کیمس ہی میں ہے، ادب کی کرشمہ سازی اور پیشے کی مصروفیت کو ایک دوسرے سے الگ رکھ کر ساتھ ساتھ لے چل سکے۔ (آرٹ آف ورچو کا کچھ حصّہ جو پیرس میں لکھا گیا تھا خودنوشت کے دوسرے حصّے میں شامل کر دیا گیا ہے۔)

فرینکلن کی زندگی میں اس کی تحریروں کے دو مجموعے لندن سے اشاعت پذیر ہوئے ، جو دوسرے لوگوں نے ترتیب و تہذیب کے بعد شائع کیے تھے پھر ۱۷۵۱ء میں اس کی کتاب تجربات و مشاہدات برق ، Experiments and observations on Electricity شائع ہوئی۔ ۱۷۷۹ء میں بہ زمانہ جنگ اس کی ایک اور کتاب Political, miscellaneous and Philosophical Pieces منظر عام پر آئی۔ اوّل الذکر کتاب نے بین الاقوامی شہرت کے بام عروج پر پہنچا دیا ، ۱۸۱۷ء میں ، اور بعد ازاں فرینکلن کے مقالات اور مکاتیب کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ۔ لیکن ان میں سے کسی کو بھی مکمل نہیں کہا جا سکتا۔ بہت سے قارئین کے لیے تو وہ ایک ایسی مثال ہے جو اس کی متفرق تحریر کردہ یادداشتوں اور تحریروں کے مخصوص آب و رنگ کے ساتھ ابھرتی ہے۔ اور ہر جگہ کے سیدھے سادے انداز بیان اور چٹکلوں کی جھلک جن میں نظر آتی ہے ، اس کی خود نوشت بعد از مرگ شائع ہوئی۔ اور اس کے ڈھیر سارے ایڈیشن شائع ہوئے۔ امریکی لٹریچر میں اس نے " کلاسیک " مقام حاصل کر لیا۔

نوائی عمر میں فرینکلن کا قلم تیزی سے چلتا رہا ، لیکن اس نے جو کچھ لکھا ، وہ صرف ۱۷۳۰،۶ء تک کے احوال و کوائف پر مشتمل ہے ۔ ذوق سلیم رکھنے والا ہر شخص اس بات کی تائید کرے گا کہ اس کی خود نوشت کا یہ بہترین حصہ ہے ، یہ حصہ بہت سے یادگار واقعات پر مشتمل ہے ۔ خاص طور پر اس کا رآموز کا فلیڈلفیا لک بوسٹن سے فرار کا ماجرا جو دلچسپ بھی ہے اور مضحکہ خیز بھی ، ۱۷۷۱ء کے جو احوال مسودے میں مندرج ہیں وہ مذکورہ بالا مضامین کے حامل تو نہیں ، لیکن پھر بھی ایک ایک سطر لکھنے والے کی

زندہ دلی اور شوخیٔ طبع کی غماز ہے۔

۶۵ سال کی عمر میں فرینکلن اقتدار کے نقطۂ عروج پر پہنچ گیا تھا۔ تقریباً نصف صدی تک اس کا قلم طرارے بھرتا رہا۔ فرینکلن کی ہر کامرانی کا راز خواہ وہ سیاست سے متعلق ہو، یا سماج سے، یا سائنس سے، خود اس کے بیان کے مطابق اس کے زورِ تحریر میں مضمر ہے، بطورِ خاص وہ ادبی آدمی نہیں تھا۔ نہ اپنے تئیں وہ ایسا خیال کرتا تھا اگرچہ ان کامرانیوں سے نو سال پہلے اس کے دوست ڈیوڈ ہیوم نے اسے شاندار خراجِ تحسین بایں الفاظ پیش کیا تھا۔

"امریکہ نے ہمیں بہت سی اچھی چیزیں بھیجیں، سونا، چاندی، شکر، تمباکو اور دوسری متعدد چیزیں۔ لیکن پہلے فلسفی ہیں۔ اور درحقیقت پہلے عظیم ادیب، جس کے لیے ہم امریکہ کے سپاس گزار اور زیرِ بارِ احسان ہیں۔!"

بچپن ہی میں اس کا یہ عزم کہ وہ انگریزی کا ایک انشا پرداز بنے گا، صرف ایک ادبی شوق نہیں تھا، بلکہ ایک مستقبل کے بلند پایہ دستکار کا فیصلہ تھا کہ تجارت اور کاروبار کا فروغ ممکن ہی اس طرح ہے کہ ہاتھ بہترین آلات پر پڑیں۔ یعنی طباعت کے ساتھ ساتھ صفات میں بھی مہارت حاصل ہو سکے۔

فرینکلن نے ہمیں بتایا ہے کہ اس نے لکھنا کیونکر سیکھا؟ اس لیے اپنا راہنما

مشہور اخبار اسپیکٹیٹر کو بنایا۔ اس میں شائع شدہ نثر کو نظم کے قالب میں اور نظم کو نثر کے پیکر میں ڈھالا کرتا اور قبل اس کے کہ اسپیکٹیٹر کی رہنمائی کو اپنا شعار بنائے، اس نے کچھ اور چیزوں پر بھی دسترس حاصل کر لی۔ مثلاً شوخی تحریر اور طنزیات کا ذوق اس نے سویفٹ اور پوپ سے حاصل کیا۔ جس سے چلتے ہوئے رواں دواں مضامین لکھنے کا فن ہاتھ میں آگیا۔ بیانیہ طرز تحریر —— جس کا نمونہ اس کے سیاسی مقالات میں ملتا ہے زیادہ تر مبنی ہے جان بنیان اور ڈینیل ڈیفو کے اسلوب نگارش پر، اس کی خود نوشت میں یہ رنگ بہت واضح اور نکھرا ہوا نظر آتا ہے۔ ایک موقعہ پر وہ لکھتا ہے،

وہ جان میرے علم میں پہلا شخص ہے، جس نے انشائیہ اور مکالمے کے باہمی امتزاج سے ایک ایک اسلوب تحریر وضع کیا۔ جو پڑھنے والے کی دلچسپی کو شروع سے آخر تک قائم رکھتا ہے۔

مزاح کا جو دلکش نمونہ اس کی تحریروں میں خاص کر خود نوشت میں اکثر و بیشتر نظر آتا ہے، کسی کے تتبع کا نتیجہ نہیں ہے۔ یہ فرینکلن تھا فرینکلن اور جو خالص امریکن بن چکا تھا،

فرینکلن نے بہت سے پیشے اختیار کیے، لیکن غالباً اسے ایک امریکی مزاح بننے کا موقعہ . . . . . کبھی نہیں ملا، جہاں تک فکشن کا تعلق ہے، بشرطیکہ ہم اس میں اس کی صحافیانہ ترنگ بھی شامل کر لیں۔ جیسے شاہ پروشیا کا فرمان An Edict by The King of Prussia اس کے پاس ان چیزوں کا نہ وقت تھا، نہ

اُن سے کوئی خاص دلچسپی۔ وہ ہمیشہ ایک صحافی ہی کی طرح لکھتا رہا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اس نے بڑی شاندار اور جاندار تحریریں لکھی ہیں۔ لکھنے والوں کو وہ نصیحت کیا کرتا تھا؛ کہ تحریر، رواں، واضح اور مختصر" ہونی چاہیئے۔ خود اس کا یہ حال تھا کہ سائنس کے موضوع پر جو کچھ اس نے لکھا ہے، معاصرین نے یہاں مغز و مواد کی تعریف کھل کر کی ہے اور انداز نگارش کو بھی خوب سراہا ہے، اس کی تحریروں کے متعلق ایک انگریز تبصرہ نگار نے لکھا ہے کہ ان میں :۔

"ایک خاص قسم کی تابانی ہوتی تھی، !"

۱۷۲۲ء میں فرینکلن نے بوسٹن میں صحافتی زندگی کا آغاز کیا۔ اور ۱۷۹۰ء تک کہ وہ بستر مرگ پر دراز تھا، اخبارات کے لیے کالم لکھتا رہا۔ اور مراسلات بھیجتا رہا۔ انگلستان میں نہایت تعمق اور تفکر کے ساتھ اپنی صحافت کو اُس نے فکر و رائے کی تعبیر کے لیے وقف رکھا۔ اس کے کمال فن کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف چند ہی لوگ ایسے تھے، جو اس کے ہم پایہ کہے جا سکتے تھے، اس کے مراسلات ایسے اخبارات میں شائع ہوتے تھے، جن میں پراسرار "جونیس" کے تند و تیز نزاعی اور اختلافی مقالات و مضامین شائع ہوا کرتے تھے، جو اپنے وقت کا بہت بڑا سیاست دان صحافی تھا۔ سچ پوچھئے، تو صحافت ایک سریع الزوال چیز ہے، آج ایک چیز چھپی اور کل فراموش، لیکن فرینکلن کی صحافت جو امریکی انقلاب کے وقت اپنے حسن استدلال اور زور بیان کے باعث دیرپا بلکہ غیر فنا پذیر چیز ثابت ہوئی۔

۱۷۶۸ء میں مختصر سی مدت کے لیئے فرینکلن سیاست سے کچھ کنارہ کش سا رہا، اس اثنا میں دو نہایت خطرناک آفتیں نازل ہوئیں، اور ٹل گئیں پہلی آفت تو جارج گرینویل کا ناعاقبت اندیشانہ امریکن محاصل (Taxes) سے متعلق اقدام تھا۔ دوسری مصیبت ۱۷۶۷ء کا ٹاؤن شینڈ ایکٹ کا اقدام تھا، ۱۷۷۰ء میں لارڈ نارتھ کی زیر سربراہی جملہ متنازعہ محاصل منسوخ کر دیئے گئے۔ البتہ چائے کا ٹیکس قائم رکھا گیا، اور اسی سال کے اختتام تک امریکہ میں درآمد پر جوابی محصول کے اقدامات نے اسے بھی بے نتیجہ کر دیا، ان دونوں مصیبتوں کے زمانہ میں فرینکلن نے اپنی ذہانت کا استعمال معاملات کو رو براہ کرنے اور حالات کو سازگار بنانے میں زبان و قلم سے کیا اس نے پوری قابلیت اور جوش کے ساتھ امریکی حقوق کی مدافعت کی اور ساتھ ہی ساتھ سلطنت برطانیہ کو بھی تباہی اور بربادی سے بچالیا۔ ۱۷۷۱ء میں وہ بہت زیادہ پرامید تھا کہ امور متنازعہ خوش اسلوبی سے طے ہو جائیں گے، معاملہ فہمی اور عاقبت اندیشی سے کام لیا جائے گا، اور یہ جھگڑا خوبی کے ساتھ ختم ہو جائے گا، چنانچہ ایک سال سے زیادہ مدت تک اس نے لندن کے جرائد و صحائف میں کچھ لکھنے سے مکمل احتراز کیا۔

پھر ایک مرتبہ فرصت کا موقع پیدا کیا۔ اور ہالینڈ کے سفر پر موسم بہار میں روانہ ہو گیا۔ پھر موسم گرما میں اس نے آئرلینڈ کا رخ کیا۔ اور اسکاٹ لینڈ بھی گیا۔ اس نے ہر اس جگہ کا سفر کیا جہاں اس کا جی چاہا، یا جہاں کے عجائبات نے اس کا دامن کھینچا، ایک استعماری محب وطن کا، ڈبلن کے محب وطن لوگوں نے خوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا، بعض جگہ برقیات نیوٹن کے فلاسفر کی حیثیت سے اسے خوش آمدید کہا گیا، برطانیہ عظمیٰ میں ایک

سیاستداں اور دانش ور کی حیثیت سے اس کا مقام اتنا بلند نہیں تھا جتنا وسطی یورپ کے دوسرے ملکوں میں تھا۔ اور اس کا اسے بخوبی علم بھی تھا۔ جہاں بہت سے تجربہ کرنے والے سائنس دان اپنے آپ کو فرینکلی کہلایا کرتے تھے۔ ۱۷۷۱ء میں یقیناً ہیچ میرزی کے احساس کے معقول اسباب اس کے پاس موجود تھے۔ اس نے نہایت صاف الفاظ میں اس کمزوری کا اعتراف بھی کتاب کے شروع میں کیا ہے۔ اور اسے لذتِ حیات کے طور پر تسلیم کیا ہے، اور معذرت کناں اس نے اپنے اس عہد کا تذکرہ کیا ہے، جب غربت اور افلاس کے ویرانے سے نکل کر وُہ آسائش اور شہرت کے بامِ عرُوج پر پہنچا تھا۔

پہلے پہل جو کچھ اس نے لکھا وہ محض اپنے ذوق کی تسکین اور معلومات کے لیے، یا فنی تحریروں میں عملی ہدایات کی وضاحت کے لیے، مقصد طبع و اشاعت ہرگز نہیں تھا ٹوائی فورڈ میں اس سے محبت بھی کی گئی اور قرار واقعی احترام بھی کیا گیا، میزبان سے جو گفتگو ہوئی اس نے اس کے خیالات کا رخ گھر کی طرف پھیر دیا، گھریلو زندگی سے اس کے گھر سے ربط و تعلق اور جذباتی وابستگی کا اس کی خود نوشت میں اتنا چوکھا رنگ نظر نہیں آتا جتنا اس کے مکاتیب میں، خود نوشت میں تو برائے غیر رومانی اور خشک انداز میں اس نے اپنے کورٹ شپ اور شادی کا ذکر کیا ہے۔ اپنی نسبی ذمے داریوں کے سلسلے میں اسے سالہا سال گھر سے دور رہنا پڑا۔ کریون اسٹریٹ میں اپنی خاتون خانہ Land lady کے ہاں اُسے فرصت اور اطمینان کے لمحے میسر آئے، اس فرصت کے موقعہ پر وُہ بالکل ایک ایسا شخص نظر آتا تھا جو افکار و ہموم سے بیگانہ اپنے گھر میں خوشی اور اطمینان کی زندگی

بسر کر رہا ہو، بچوں کے ساتھ اس کا برتاؤ ہمیشہ حد درجہ مشفقانہ اور ساتھ ہی ساتھ شگفتہ رہا کرتا تھا، اپنی بیوی کو یہاں سے اس نے اپنی مصروفیت اور معلومات کی جو رپورٹ بھیجی تھی، اُس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ٹوائی فورڈ میں بشپ کی اہلیہ جو بڑی الھڑ اور سحر طراز لڑکیوں میں گھری رہتی تھی، اس چیز نے اس کا رخ اپنے بچوں اور ان کی اولاد کی طرف جو امریکہ میں تھے، ایک والہانہ جذبہ و التفات کے ساتھ موڑ دیا۔

یہ ہیں وہ معلومات جو ہمیں کتاب میں اس کی بیوی بچوں کے متعلق حاصل ہوئے ہیں ساتھ ہی ساتھ اس کے ذوق و اسلوب تحریر کی کیفیات پر بھی اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے: اس کے علاوہ اور بھی کئی دلچسپ چیزیں ہیں، مثلاً ہم محسوس کرتے ہیں کہ یہ خود نوشت مسٹر شپلے کی ملنسارانہ خوبیوں کا ثمرہ ہے، نیز یہ کہ اس نے اپنے نوجوان دوستوں "کیٹی اور جارجینا شپلے اور ان کی بہنوں کو اپنے عہد شباب کی بہت مزے دار کہانیاں بھی سنائیں، اسی سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۸۳ اور ۱۸۸۴ء میں بہ مقام پیرس جب وہ اپنے احوال و سوانح مرتب کرنے کے موڈ میں تھا، جان جے John Jay نے اس کے رفقار سے سن کر وہ باتیں قلمبند کر لیں جو کتاب کے آخری تین صفحات میں بطور محاضرات شامل ہیں۔

اپنی اولاد کے لیے اس نے اپنے تاثرات قلمبند کرنے کی یہ صورت اختیار کی کہ اپنے بیٹے ولیم کے نام خطوط کا ایک سلسلہ شروع کر دیا، جو نیو جرسی میں بادشاہ کی طرف سے گورنر کے منصب پر فائز تھا، یہ خطوط بھی بالواسطہ ہوتے تھے، کبھی بلاواسطہ، یہ بے ساختہ تحریریں تاریخ کا ایک حصہ بن جانے کی مستحق تھیں لیکن انقلاب کے

بعد یہ سلسلہ یک بیک بند ہوگیا، کیونکہ وہ اپنے شاہ پرست بیٹے سے کشیدہ ہوگیا تھا اس کے بعد اس کا تخاطب عوام سے اور جماعت سے رہنے لگا، لیکن بہتر ہوگا کہ اس تبدیلی کو غیر ضروری طور پر لب ولہجہ اور مقصد کے اعتبار سے خودنوشت کے آخری اقساط میں زیادہ ... اہمیت نہ دی جائے، جیسا کہ میکس فارنڈ نے فرینکلن کے اسلوب کے انداز تحریر پر بحث وگفتگو کرتے ہوئے کہا تھا کہ

"اس نے اپنی تحریر کا آغاز اپنی زندگی کے ترتیب وار واقعات سے اپنے بیٹے کے استفادے کے لیے کیا تھا،" لیکن ۱۷۸۴ء میں اس کے فکر وضمیر نے جو رُخ بدلا وہ یہ تھا کہ اخلاقیات کے سلسلے میں نوجوان طبقے کو ضروری ہدایات اور نصائح کے سلسلے میں قلم اُٹھانے لگا،

امر واقعہ یہ ہے کہ یہ خودنوشت ایک نادر نوعیت کی کتاب ہے، یہ ایک نہایت نازک زمانے میں لکھی گئی ہے، وہ بھی بیک وقت نہیں، بلکہ متعدد طویل وقفوں کے بعد مکمل پذیر ہوئی ہے، جو مشتمل ہے ایسے شخص کے حیرت انگیز احوال وسوانح پر جو فعال اور کارگزار بھی تھا، اور ایک موثر عنصر کی حیثیت بھی رکھتا تھا، اور اگرچہ اس کے ابواب وحصص میں ربط کی کسی حد تک کمی ہے، خاص طور پر وہ تیرہ صفحے، جو پیرس میں لکھے گئے تھے، کیونکہ پیرس میں رہ کر فرینکلن کے لیے یہ مشکل تھا کہ اس مسودے کو پیش نظر رکھ سکتا جو کورٹ ینفانٹڈ میں تھا، یہ مسودہ اس نے جوزف گیلووے Joseph Galloway کی تحویل میں دے دیا تھا، جو امریکہ میں تھا، یہ جوزف ۱۷۷۸ء میں ایک شاہ پرست کی حیثیت سے انگلستان میں جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے کو پہنچا،

لیکن مسز جوزف کے ایک متوفی ایبل جیمس سے کسی نہ کسی طرح حاصل کرلیا گیا، اُس نے فرینکلن کو یہ خوش خبری پہنچائی، اور اسے ترغیب دی کہ وہ اس تصنیف کو جلد تکمیل تک پہنچا دے، جو صرف چند لوگوں کے لیے نہیں، بلکہ لاکھوں کے لیے سودمند اور نفع رساں ثابت ہو سکتی ہے، خاص طور پر نئی نسل کے لیے،" ایبل نے اپنے خط کے ساتھ نہ صرف یہ کہ خود نوشت کا مسودہ بھیجا بلکہ اس یادداشت کی نقل بھی بھیج دی، جس میں ان عنوانات و مباحث کے اشارات درج تھے، جنھیں تو لائی فورڈ میں فرینکلن نے اس غرض سے نوٹ کیا تھا کہ خود نوشت میں انھیں پھیلا کر بیان کیا جائے، اور یہ یادداشت اس نے اسی وقت مرتب کر لی تھی جب اس نے خود نوشت پر قلم اٹھانے کا آغاز کیا تھا،

بنجامن واشن Benjamin Vaughan کو فرینکلن نے لکھے ہوئے اوراق دکھائے تھے، اس نے کتاب کی طبع اشاعت کا مرحلہ پیش نظر رکھتے ہوئے کچھ عنوانات اپنی طرف سے بھی پیش کیے، فرینکلن نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ یہ بات مان لی، لیکن پھر کئی سال تک وہ ان چیزوں پر کچھ لکھ نہ سکا، بلکہ قلم رکھے بیٹھا رہا اور اگر کچھ لکھا بھی تو بالکل ناقابل ذکر، بعد کے سالوں میں اپنے احساس اور فرانسیسی دوستوں کے اصرار اور شدید تقاضے کو نظر انداز کرنا جب اس کے لیے مشکل ہو گیا، تو اس نے پھر قلم کو سنبھالا، کیونکہ وہ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا بیڑا اٹھا چکا تھا، اور بہر حال اسے سرانجام دینا تھا، چنانچہ ۱۷۸۵ء میں فرانس سے واپسی پر دوسرے کام چھوڑ کر پھر اسی طرف متوجہ ہوا، اس وقت بھی جب وہ اسّی سال کا ہو چکا تھا، اور پھر اپنے وطن فلاڈیلفیا میں اقامت گزیں تھا، ایک مرتبہ پھر

اس نے رکھے ہوئے اوراق سنبھالے اور لکھنے بیٹھ گیا، پاس عہد کا خیال اور جذبہ کار کا احساس اب بھی اس میں موجود تھا، ۱۷۸۸ء تک اس نے اپنے دیس کی خدمت ایگزیکٹو کونسل کے صدر کی حیثیت سے جاری رکھی، اس طرح فیڈرل کانسٹی ٹیوشنل کنونشن کو بھی جذبہ خدمت کے پیش نظر مفید مشورے اور صلاحیتیں دیتا رہا، ان کاموں میں وہ اس درجہ منہمک اور مستغرق ہوا کہ خود لکھتا ہے ،،

وہ انھوں نے میرا گوشت کھالیا، اور اب شاید ہڈیاں بھی چبا جائیں ،، اور یہ الفاظ کتنے کرب اور تکلیف کے آئینہ دار ہیں، اور وہ بھی ایسے وقت جب وہ مہلک بیماری اور درد کے نہ ختم ہونے والے چکر میں گرفتار تھا، پھر بھی وہ اپنا نقطۂ نظر پیش کرتا، اور اسے منوانے کی بھرپور کوشش کرتا تھا، اس نے اپنی تحریر میں ایچ پیچ سے گریز کیا ہے سیدھے سادھے الفاظ میں اپنے تجارب بیان کیے ہیں، اور ان سے جو اخلاقی نتائج مرتب ہوئے ہیں، انھیں صاف الفاظ میں بیان کر دیا ہے،

یہ خود نوشت ایک خاص منصوبے کے ماتحت لکھی گئی ہے، اور آغاز ہی میں اس کا اختتام ملحوظ رکھا گیا ہے، کہ یہ اخلاقی اور تربیتی نقیب کا کام دے، یہ سوانح حیات کا ایک ایسا مقالہ ہے جو بیانیہ انداز میں لکھا گیا ہے، ٹوائی فورڈ میں چند صفحات لکھنے کے بعد جو خاندانی احوال و کوائف اور بوسٹن کے اجداد کے حالات اور وقائع کے بارے میں تھے، فرینکلن نے اپنا مسودہ قاری کی توقع کے مطابق ۱۷۷۱ء کے میمورنڈم سے شروع کیا ہے، بعد ازاں اپنے قلم سے ایبل جیمس کے فراہم کردہ مسودے میں

فرینکلن نے کچھ مزید عنوات پر اپنے تاثرات قلمبند کیے ہیں، یہ حصّہ "ہچنسن کے خطوط" Hutchinson's letter سے شروع ہوتا ہے، ایک ایسا امر جو ۱۷۷۲ء کی نقاب کشائی کرتا ہے، اس نے ایک اہل قلم کی حیثیت سے صرف اتنا ہی حق استعمال کیا ہے کہ اپنے مسودے کے کچھ موضوعات کو ادھر سے ادھر کر دیا ہے۔ ، شاذ و نادر کہیں کوئی نئی چیز بڑھائی ہے، یا کچھ چیزیں حذف کر دی ہیں، یہ ایک منتخب اور نادر تاریخ ہے، انتخاب کیوں کیا؟ یہ بات ۱۷۸۸ء میں اس نے واگن پر واضح کر دی تھی، اور جو خود نوشت پہلے پیراگراف سے بالکل مطابقت رکھتی ہے، اس نے لکھا ہے،

منجملہ دوسرے اسباب کے اس کتاب کے اختصار و انتخاب کا بڑا سبب یہ ہے کہ میں نے ایسی تمام باتیں مسودے سے حذف کر دی ہیں، جو ہمارے نوجوان کے لیے کچھ زیادہ سودمند نہیں ہیں، اس کے سامنے میں نے اپنی مثال پیش کی ہے اور اپنی کامیابی کا راز بتایا ہے، کہ کس طرح میں غربت کے ویرانے سے شہرت و اقتدار اور امارت کے ایوان میں پہنچا۔ اسلوب کار جسے میں نے ہمیشہ پیش نظر رکھا، اور جو میرے لیے ناصح ثابت ہوا نیز وہ غلطیاں جن سے میں کنارہ کش رہا، اور جو میرے لیے ضرر رساں تھیں، ا،،

فرینکلن کے فکری ارتقاء میں فلسفۂ اخلاق کا نمبر سب سے پہلے ہے، اس کے بعد سائنس کی باری آتی ہے، اور سب سے آخر میں سیاست، اپنے اقتدار

کا جو پیمانہ اس نے بنایا تھا اس میں یہ ترجیحی پہلو صاف نظر آتا ہے، اپنی لینڈ لیڈی کی لڑکی کو وہ سائنس کا درس دیا کرتا تھا، ۱۱رجون ۱۷۶۰ء کو اس نے تحریر کیا:-

"فطرت Nature کا علم ایک گراں بہا چیز ہے، اور بلاشبہ مفید بھی ہے، لیکن اس فن میں ہمارا انہماک اتنا بڑھ جائے، کہ ہم فرائض انسانی کے علم اور عمل سے بے بہرہ رہ جائیں تو یقیناً ہم سزاوار ملامت ہیں،"

اخلاقیات پر اتنا زیادہ زور جو فرینکلن دیتا تھا، تو اغلب یہ ہے کہ موروثی طور پر یہ چیز اسے باپ سے ملی تھی، اس کے اخلاقیات میں پیوریٹین Puritan اصول اور آداب کے نقش و نگار جھلکتے نظر آتے ہیں، اپنے مضامین میں اس نے بطور خاص اس بات پر زور دیا ہے کہ کسب وصنعت میں احتیاط، اور کفایت کو زیادہ سے زیادہ مدنظر رکھنا چاہیئے، یہی بات ہے، جسے بے چارہ رچرڈ برداشت نہ کرسکا اور پھر پڑا، اور عہدِ جدید کے قارئین کو بھی خود نوشت کا یہ حصہ اکثر وبیشتر کچھ بے مزہ سا لگتا ہے، فرینکلن کے اس مسلک کا ڈیبورا فرینکلن Deborah بہت زیادہ متبع تھا، اور بعد کے سالوں میں اس نے زندگی سے صحیح طور پر عہدہ برآ ہونے کے لیے اس بات کو پورے طور پر اپنا لیا تھا، ایک آزاد خیال مفکر اور مدبر کی حیثیت سے فرینکلن نے لندن میں رو در رو اور بالمشافہ کاریگروں اور مستریوں سے فلاسفہ کی گومگو اور چنال چنیں کے بارے میں دوٹوک باتیں کیں، اور بحث و

گفتگو میں زور اس امر پر دیا کہ فطرت کی صالحیت کو کیسے اور کیونکر بدی اور خرابی کی موجودگی میں قائم اور برقرار رکھا جائے؟ دلائل کی روشنی میں وہ اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ کسی طرح کے امتیاز کو تسلیم نہ کیا جائے، اس کا اظہار، اس نے اپنی ایک تحریر میں بھی بے باکانہ کیا تھا، لیکن کچھ عرصے بعد اس نے خود یہ نظریہ مسترد کر دیا، ساتھ ہی ساتھ جملہ مابعد الطبیعی قیاس آفرینیاں بھی، کیونکہ اُس نے دیکھا عملی طور پر یہ نظریہ نہ صرف کامیاب نہیں ثابت ہوا بلکہ کئی خرابیوں کا موجب بنا، اس سے نہ اسے کوئی مقصد حاصل ہوا نہ اس کے آزاد خیال دوستوں کو اس سے کبھی کوئی بھی نشاط نہ مسرت کی لذت حاصل نہ ہو سکی، اس نے فیصلہ کیا کہ سب سے اچھا رہنما تجربہ ہے نہ کہ قیل و قال اور منطق و استدلال جس سے نہ کوئی شخصی بھلائی ملتی ہے نہ سماجی، اور اجتماعی، اس میں کوئی شبہ نہیں، اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے وہ استدلال پسند، بلکہ سراسر استدلالی شخص تھا —— روشن خیال اور آنکھیں کھلی رکھنے والا اخلاقی ارتقار کے حصول اور حصول مقصد کے لیے اس نے زیادہ بھروسہ تجربے پر کیا انسانی فطرت کے بارے میں اس کے جو تصورات و خیالات تھے، اس نے انھیں اخلاقی اور معاشرتی فضا میں ان کے ارتقار کی طرف مسلمہ امکانات کی روشنی میں قدم بڑھایا، سدھار بہرحال ایک ممکن چیز تھی، اور اس کی زندگی کا بہت بڑا حصہ جس کام میں صرف ہوا وہ یہی تھا، کہ اس کام کو جتنا بھی ممکن ہو، آگے بڑھائے، خود اپنے اسلوب حیات میں فلاڈلفیا کے شہری اصول و معاملات میں، حکومت کے ایوان میں، غرض ہر جگہ اسکا یہ اصول کار فرما رہا، اس انہماک میں اس نے کبھی فرق نہیں آنے دیا، اس کے عزم و استقامت میں جو سکون اور آسودہ خاطری کی کیفیت نہ تو نتیجہ تھی اس باعث کا کہ

جو حالات سامنے تھے، ان سے پورے طور پر وہ مطمئن تھا، نہ اس بات کا کہ شیخ چلی کی طرح وہ خیالات کے تانے بانے بُنا کرتا، اور اسی میں مگن رہتا تھا، جس چیز پر وہ خوشی کے ساتھ قانع نظر آتا ہے، وہ ہے امر الٰہی، چنانچہ اس کا تجربہ حیات، جیسے جیسے آہستگی اور وقار کے ساتھ وہ ایک سماجی درجے سے دوسرے تک پہنچتا گیا، تقریباً اسی تسلیم و رضا کا مظہر ہے، اور نشاط و مسرت کا پیکر نظر آتا ہے،

یہ خود نوشت امریکی ادب میں ایک کامیاب ترین داستان حیات ہے، اور اب تک سب سے بہتر تسلیم کی جاتی ہے، فرینکلن کے نزدیک کامیابی، قسمت بنانے کی جدوجہد سے زیادہ کچھ زیادہ اہم اور بلند چیز ہے، خواہ اس کا فلسفہ ہو یا عملی زندگی، وہ انفرادی اخلاقیات کو عوامی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے، اس کی اکتا دینے والی احتیاط پسندی کے اصولوں اور قاعدوں کی سماجی افادیت سے متعلق بہت کچھ کہا جا سکتا ہے، خاص طور پر توسیع پسند سامراجی قوموں کے بارے میں، لیکن بہر حال جن کا نفع زیادہ اور ضرر کم ہے،

زیر نظر خود نوشت تحلیل ذاتی کے اعتبار سے خاص اہمیت رکھتی ہے، اس کی صداقت اور راستی کو آزمانے کے لیئے خواہ کہیں سے بھی اسے کسوٹی پر کسا جائے اگرچہ بہت عرصے بعد لکھی گئی، لیکن ایک بات ضرور ہے، وہ یہ ہے کہ فرینکلن کی ہمہ پہلو شخصیت کے ساتھ پورا پورا انصاف اس میں مرعی نہیں رہا ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ نامکمل ہے، اس کا بڑا حصہ ایک ایسے سوداگر کے بارے میں

معلومات پیش کرتا ہے، جس نے زندگی کے میدان میں ابھی ابھی قدم رکھا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ فلاڈلفیا کی سڑکوں کے چکر کاٹ رہا ہے تاکہ اپنے کاروبار اور تجارت کو فروغ دے سکے، ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ وہ خود اپنی ذاتی سواری میں ٹھاٹھ سے بیٹھ کر لندن کی سڑکوں کا گشت کر سکے، ایک اور سبب اس کا یہ ہے کہ اصل مخاطب نوجوان اور نئی نسل کے لوگ ہیں، جن کے لیے وہ نقیب کا کام دیتا اور انھیں اس طرح راہ راست پر لانے کی کوشش کرتا ہے، کہ کاغذ پر دل نکال کر رکھ دیتا ہے، اس لیے انداز بیان میں سحر طرازی ہے۔

یہ خود نوشت متعدد حیثیات اور اعتبار سے قابل مطالعہ چیز ہے۔ خدمت، ایثار اور اخلاقی داستان کا بیان بجائے خود خوب اور خوب تر ہے، پھر اسلوب بیان کی صدات اور دل میں اتر جانے والی کیفیت، بامحاورہ اور شستہ زبان اور انداز لوگوں کی عادات و کیفیات سے متعلق طنز لطیف کا جادو دیکھنا چاہیے مستزاد، ۔!

ایک سامراجی سماج عہد کا یہ نہایت اہم دستاویزی مرقع ہے، صرف اہم ہی نہیں، نادر بے مثل بھی، اٹھارھویں صدی عیسوی کی نہایت سحر طراز امریکی شخصیت کا تعاون ہمیں اس میں ملتا ہے،

ورنر ڈبلو کرین

یونیورسٹی آف مچیگن،

اشارات

متعلق بہ کتابیات

(۱) مقالات و مضامین کا آخری مجموعہ البرٹ اسمتھ نے مرتب کیا، جسے ۱۹۰۵-۰۷ء میں میکملن نے دس جلدوں میں شائع کیا، مجموعے کا نام تھا، "بنجامن فرینکلن کی تحریریں"۔

(۲) خود نوشت کا اصل مسودہ، ہنٹنگٹن Huntington لائبریری میں موجود ہے، اس میں کچھ اور پرانی تحریریں بھی شامل کرلی گئی ہیں، اُسے میکس فارنڈ نے ترتیب دیا تھا، اسی کا نام تھا، "بن جامن فرینکلن کی یادداشتیں" ۱۹۴۹ء میں یونیورسٹی آف کلیفورنیا نے اصل مسودہ شائع بھی کردیا تھا۔

(۳) فرینکلن کی صحافت کے لیے ملاحظہ ہو، وی، ڈبلو کی مرتب کردہ کتاب "بنجامن فرینکلن کے خطوط و مراسلات اخبارات کے نام از ۱۷۵۸ تا ۱۷۷۵ء" اسے ۱۹۵۰ء میں یونی ورسٹی آف نارتھ کیرولینا پریس نے شائع کیا تھا۔

فرینکلن کی متعدد سوانح عمریاں بھی مختلف ضخامت اور حجم کی شائع ہو چکی ہیں جو یہ ہیں:۔

(۱) کارل وان ڈورن کی کتاب "بنجامن فرینکلن"، اسے ۱۹۳۸ء میں وائکنگ پریس نے شایع کیا تھا،

(۲) دی ڈبلو کرین نے مختصر سوانح حیات " لائبریری آف امریکن بائیو گرافی"، میں لکھی،

(۳) ۱۹۵۴ء میں نسلن براؤن نے "بنجامن فرینکلن"، کے نام سے ایک کتاب لکھی،

(۴) کارل بیکر نے "ڈکشنری آف امریکن بائیو گرافی"، میں فرینکلن کے احوال و سوانح کا ایک خاکہ شامل کیا، جو جلدوں کے صفحات ۹۸، ۵۸۵ میں موجود ہے

۱۹۴۶ء میں اسے خلاصے کے طور پر کارنل یونی ورسٹی پریس نے پھر سے شائع کیا،

(۵) فرینکلن کے بنیادی تصوّرات جو زیادہ تر اس کے فلسفۂ اخلاق پر مبنی

تھے بڑی خوبی کے ساتھ ان کے تحلیل وتجزیہ کا فرض Gerold Stourzh
نے اپنی بہترین کتاب بنجامن فرینکلن اور امریکہ کی خارجی پالیسی،، کے پہلے
باب میں بیان کیا ہے، اسے ۱۹۵۴ء میں یونیورسٹی آف چکاگو پریس نے شائع
کیا ہے،

بنجامن فرینکلن

کی

آپ بیتی

بنجامن فرینکلن کی

آپ بیتی

بردولت کدہ بشپ آصف،

ٹوائی فورڈ ۱۷۷۱ء

پیارے بیٹے،

بشپ آف سٹیٹ آصف ڈاکٹر جوناتھن شپلے کا زادبوم، فرینکلن ازراہ محبت بشپ کو "دو پیارا بشپ" کہا کرتا تھا، دونوں کے باہمی تعلقات حد درجہ دوستانہ تھے بشپ نے کلیسا کے ممبر پر دارالامراء House of Lords میں اور قومی اجتماعات میں ہمیشہ تاج کے اس سخت طرز عمل کی مخالفت کی جو اس نے مستعمرات colonies سے متعلق اختیار کر رکھا تھا۔

زندگی کی جس کامرانی اور نشاط سے میں بہرہ ور رہا ہوں، اس نے بارہا مجھے یہ لکھنے کی ترغیب دی ہے، کہ اگر معاملہ میرے انتخاب پر چھوڑ دیا جائے تو اپنی پچھلی زندگی واپس لینے اور اسے پھر حسب سابق بسر کرنے میں ذرا بھی جھجک نہیں محسوس کروں گا البتہ جو حق چاہوں گا وہ وہی ہوگا، جو کسی کتاب کے دوسرے ایڈیشن پر نظر ثانی کرتے وقت ہر مصنف کو حاصل ہوتا ہے، تاکہ پہلے ایڈیشن کی کوتاہیوں اور غلطیوں کو وہ دور کر دے، پس میں بھی کروں گا، اور غلطیوں و کوتاہیوں کو نکال دینے کے علاوہ ایسے معصیت آمیز حوادث اور واقعات بھی خارج کر دوں گا، جو دوسروں کے لیے بہت زیادہ ممد و معاون اور مفید و نافع ثابت ہوں گے، میں جانتا ہوں ایسا نہیں ہو سکتا، پھر بھی ایسی "پیش کش" کو قبول کرنے کے لیے میں ہمہ تن آمادہ و مستعد ہوں، چونکہ گزاری ہوئی زندگی کو از سر نو شروع کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے، تو اب دوسری چیز جو باقی رہ جاتی ہے وہ یہ ہے کہ بیتے ہوئے دنوں کی یاد تازہ کی جائے، اور اس یاد کو انتہائی حد تک پائندہ یادگار بنانے کے لیے پچھلے سارے احوال و سوانح قلمبند کر لیے جائیں۔

میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ فطری طور پر بوڑھے لوگوں میں، اپنی زندگی کے احوال و سوانح اور واقعات و حوادث، اور ماضی کے حالات واقعات بیان کرنے کا جو شوق پیدا ہو جاتا ہے وہ مجھ میں سرایت کرتا جا رہا ہے، البتہ یہ کوشش ضرور کروں گا کہ اپنی داستان حیات و سوانح نہ بیان کروں کہ دوسرے سنتے سنتے اکتا جائیں یا تکان محسوس کرنے لگیں، میری بات دھیان سے کوئی سنے یا پڑھے

اپنے خاندان کی تاریخ اور واقعات کا جب بھی کوئی سراغ ملتا ہے، تو بڑی خوشی محسوس کرتا ہوں، تمہیں یاد ہوگا کہ اپنے باقی ماندہ رشتے داروں سے اس سلسلے میں برابر پوچھ گچھ کرتا رہتا تھا، جب تم انگلینڈ میں مقیم تھے، اس مقصد کے لیے میں نے زحمت سفر بھی برداشت کی تھی، میرا خیال تھا کہ یہ بات خود تمہارے لیے بھی کچھ کم باعث نشاط و مسرت نہیں ہوگی، خاص طور پر میرے احوال و سوانح سے واقفیت کہ جن میں سے اکثر سے تم ناواقف اور لاعلم ہو، مجھے توقع تھی کہ ایک ہفتے کی یہ مہلت اور جو ہر قسم کی مداخلت سے مبرا ہے، میرے لیے بھی سکون و اطمینان کی موجب ہوگی، اور میں دل جمعی کے ساتھ بیٹھا تمہیں یہ سطریں لکھ رہا ہوں یہ چیز خود میرے لیے بھی کم ترغیب آفریں نہیں ہے۔

میں نے غربت کے گہوارے میں آنکھیں کھولیں، دکھ جھیلے اور مصیبتیں سہیں پھر دولت بھی حاصل ہوئی، اور دنیا میں کچھ شہرت بھی حاصل ہوئی، میں نے زندگی کے بہت سے اتار چڑھاؤ بھی دیکھے، جن وسائل کی رہبری میں میرے قدم آگے بڑھے ہیں، اور جو خدا کے فضل و کرم سے میرے لیے حد درجہ کامیاب اور نتیجہ خیز ثابت ہوئے ہیں، یقیناً میری اولاد ان سے واقف ہونا چاہیے گی، کیونکہ ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ خود اس کے حالات سے سازگار ثابت ہوں، اور مطابقت رکھتے ہوں، اور اس لیے وہ بھی ان نقوش قدم کی رہبری میں رہبری مناسب سمجھے، اور اسی روشنی میں اپنا لائحہ حیات و عمل مرتب کرے،

اور دل جمعی و فراغ خاطر صرف پاک و بے ہمتا ہستی کی بندہ پروری کا کرشمہ تھا، اس کا رحم و کرم شامل نہ ہوتا تو نہ میرے وسائل کامیاب ہوتے نہ مجھے کامرانی سے بہرہ ور ہونے کا موقع ملتا، اسی کی ذات تھی جس نے مجھے توفیق دی کہ میرے وسائل عروس کامیابی سے ہمکنار ہوں، میرے اس اعتقاد نے میرے دل میں یہ امید بھی پیدا کر دی ہے، اگرچہ میں اپنے تئیں اس کا سزاوار نہیں پاتا کہ خدا کے رحم و کرم کا سلسلہ اب بھی میرے لئے شامل حال رہے گا، اور نشاط و کامرانی سے بہرہ ور ہوتا رہوں گا اور کسی مہلک انجام سے مجھے دوچار نہیں ہونا پڑے گا، جیسا کہ اپنی تجرباتی زندگی میں دوسروں کا حشر دیکھ چکا ہوں۔ میرا مستقبل کیا ہے؟ یہ بات نہ میں جانتا ہوں نہ کوئی اور، اس کا علم تو بس ایک خداوند تعالیٰ ہی کو ہے، وہی ہے جو ہمیں گردابِ بلا سے نجات دیتا اور ساحل مراد تک پہنچاتا ہے۔

میرے ایک چچا، جنھیں میری طرح خاندانی تاریخ کی فراہمی سے غیر معمولی دلچسپی تھی، کی یادداشت ایک دفعہ میرے ہاتھ لگ گئی، اس سے اپنے آبا و اجداد کے متعلق بہت سے قیمتی معلومات مجھے حاصل ہوئے، اس یادداشت سے مجھے معلوم ہوا کہ ہمارا خاندان تین صدیوں سے ایک ہی قصبے ایکٹن میں جو نارتھمپٹن شائر میں واقع ہے بود و باش رکھتا تھا، میرے چچا کے معلومات اس سلسلے میں غیر معمولی وسیع نہیں تھے، خاص طور پر اس زمانے سے متعلق جب "فرینکلن" کا نام خاندانی نام کے طور پر استعمال کیا جانے لگا، یہ نام اس سے پہلے لقب کے طور پر استعمال ہوا کرتا تھا اور ساری مملکت میں ایسے کئی خاندان تھے جو اسے استعمال کیا کرتے تھے، ہمارے

یا نہ سنے، نہ پڑھے، یہ تو اپنی اپنی پسند اور مرضی کی بات ہے، لیکن میری پیرانہ سالی یقیناً اس کی متقاضی ہے، کہ میرا حق گویائی سلب نہ کیا جائے۔

آخری بات یہ کہ اس تحریر کا ایک مقصد یہ بھی ہے (میں لاکھ انکار کروں مگر بھلا کون یقین کرے گا)، کہ اپنی انانیت کی تسکین کا ساماں بہم پہنچاؤں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ شاید ہی میں نے کبھی ایسا سنا یا دیکھا ہو کہ اس طرح کی کتابوں میں جذبہ انانیت کی آمیزش یا جھلک موجود نہ ہو، لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک غلط سی رسم بھی چل گئی ہے، بہت سے حضرات ایسے ہیں جو دوسروں کی انانیت کو سخت ناپسند کرتے ہیں، تو خود اس جذبے سے بھرپور کیوں نہ ہوں ؟ لیکن میرا معاملہ برعکس ہے، جہاں کہیں میں نے اسے ضروری محسوس کیا ہے اسے چھپانے یا دبانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی ہے، کیونکہ میرا خیال یہ ہے کہ اس طرح کا اقدام درحقیقت اکثر و بیشتر قابض کے لئے ثمر آور ثابت ہوا کرتا ہے، نہ صرف اس کے لیے، بلکہ دوسروں کے لیے بھی جو اس کے حیطۂ اقتدار و عمل میں ہوں، لہذا اکثر صورتوں میں یہ کچھ کم نفع بخش اور مفید نہیں، بشرطیکہ لکھنے والا اللہ کے حضور میں سر بہ سجود بھی ہو تاکہ زندگی کی دوسری نعمتوں کے ساتھ اسے انانیت کے جذبے سے بھی بہرہ ور فرمایا۔

پس سب سے پہلے میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں، نہایت عاجزی کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں کہ گذشتہ زندگی کی میری نشاط و مسرت، کامیابی اور کامرانی

کے رہنے والے تھے، اپنی ساری جائداد مسٹر اسٹڈ کے ہاتھ فروخت کر دی، جو اپنے علاقے میں لارڈ آف مینور کہلاتے تھے۔

میرے دادا کے چار لڑکے تھے، تھامس، جان، بنجامن اور جوزیہ۔ میں تمہیں وہ تفصیلات بتاتا ہوں جو اس دور دراز علاقے میں رہتے ہوئے ان کاغذات کی مدد سے فراہم کر سکا ہوں، اور اگر خاندانی کاغذات ضائع نہیں ہو گئے ہیں، تو تمہیں اس سے مزید بہت سی تفصیلات معلوم ہو سکتی ہیں۔

تھامس کی پرورش دادا کی زیر نگرانی انہیں ہوئی، لیکن چونکہ انھیں علم و ہنر کا شوق بہت تھا ——— یہی حال میرے بھائیوں کا بھی تھا ——— اور یہ نتیجہ تھا محلے کے ایک دست شناس کی کرشمہ سازی کا، لہذا اپنے کلیسائی حلقے میں وہ بہت اچھے اور بہت بڑے قبالہ نویس تسلیم کر لیئے گئے، اور اپنے قصبے میں ان کی ساکھ بہت بڑھ گئی، نارتھیمٹن کے شہر یا قصبے کی تمام تحریکوں اور عوامی سرگرمیوں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، اور اپنے دیہات میں تو کوئی ان کا مدمقابل تھا ہی نہیں، ان کے بہت سے واقعات زبان زد خاص و عام ہیں، اُس زمانے کے لارڈ ہالی فیکس ان کی بڑی قدر دانی کرتے، اور ان کی سرپرستی پر مائل رہا کرتے تھے، تھامس کا انتقال ۶ رجنوری ۱۷۰۲ء کو ہوا۔ یعنی میری ولادت سے ٹھیک چار سال پہلے وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے، ایکٹن کے بڑے بوڑھوں اور پرانے آدمیوں کی زبان پر اب بھی ان کے کارنامے تازہ ہیں، جن سے ان کی سیرت اور کردار کی رفعت

پاس تقریباً تیس ایکڑ زمین تھی، اس کی آمدنی میں اسمتھ کے کاروبار سے جو آمدنی ہوتی تھی، وہ بھی شامل تھی، اور یہ سلسلہ ان کی زندگی تک برابر جاری رہا، بڑا لڑکا ہمیشہ کاروبار کا نگران اور منتظم ہوا کرتا تھا، یہ ایک ایسی روایت چل پڑی تھی جس پر موصوف نے اور میرے والد نے برابر عمل کیا، یعنی بڑے لڑکے ہی کو کاروبار کا منتظم اور نگران بنایا۔

جب ایکٹن میں میں نے کاغذات کھنگھالے تو مجھے ایک پوری فہرست افراد خاندان کی ولادت، علالت، وفات اور شادی بیاہ کی دستیاب ہوئی، اس کا آغاز ۱۵۵۵ء سے ہوا تھا، ایسے کاغذات علاقے کے کلیسائی حلقے سے دستیاب نہیں ہوئے جو زمانہ ماقبل کے حالات پر روشنی ڈال سکتے۔ ان کاغذات سے مجھے معلوم ہوا کہ گذشتہ پانچ نسلوں سے جو چھوٹے لڑکے چلے آ رہے تھے میں بھی انہی میں سے تھا۔

میرے دادا تھامس جو ۱۵۹۸ء میں پیدا ہوئے تھے، ایکٹن میں اس وقت تک قیام پذیر رہے، جب تک بڑھاپے نے انہیں بالکل معذور نہیں کر دیا۔ بعد ازاں وہ اپنے بیٹے جان کے پاس چلے گئے اور وہیں رہنے لگے، جو بنبری میں رنگریز تھے، بنبری آکسفرڈ شائر کے علاقے میں واقع ہے، یہیں میرے والد بھی اپنے بھائی کے پاس کام سیکھ رہے تھے، میرے دادا کا یہیں انتقال ہوا، اور یہیں وہ دفن ہوئے، ۱۷۵۸ء میں ہم نے ان کی لوح مزار دیکھی تھی، دادا کے بڑے بیٹے تھامس ایکٹن والے گھر میں مقیم تھے، ان کے صرف ایک لڑکی تھی، جسے انھوں نے اپنا سب کچھ دے دیا تھا، اس لڑکی نے اپنے شوہر رچرڈ فشر کی معیت میں جو ولنگبر

کا اندازہ ہوتا ہے ، مجھے یاد ہے ، شاید یہ بات تمہیں کچھ غیر معمولی سی معلوم ہوگی اتنی زیادہ کہ تم میرے بارے میں جو کچھ جانتے تھے اسے پیش نظر رکھ کر تھامس کے احوال و کوائف سے واقف ہونے کے بعد ایک مرتبہ بے ساختہ تم کہہ اٹھے تھے ،،۔

اگر وہ اس دن مرتے جس دن آپ پیدا ہوئے تھے تو لوگ اسے تناسخ سے تعبیر کرتے ،! ،،

جان کی پرورش اور پرداخت ایک انگریز کی طرح ہوئی ، میرا خیال ہے ، کہ وہ اونی کپڑوں کی رنگائی کا کام کیا کرتے تھے ۔

بنجامن بھی رنگریز تھے ، لیکن وہ ریشمی کپڑوں پر رنگریزی کیا کرتے تھے ، لندن میں یہ کام انھوں نے سیکھا تھا ، یہ بڑے کاریگر اور ہوشیار شخص تھے ۔ مجھے اچھی طرح یاد ہیں جب میں ایک طفل نوخیز تھا ، وہ میرے والد کے پاس بوسٹن میں آئے ، اور کئی سال تک ہم لوگوں کے ساتھ اقامت پذیر رہے ، انھوں نے خاصی لمبی عمر پائی ان کے پوتے سیموئل فرینکلن آج کل بوسٹن میں مقیم ہیں ، وہ اپنے پیچھے متوسط تقطیع کی دو جلدیں چھوڑ گئے جو ان کے اشعار اور منظومات پر مشتمل ہیں ، جن کے مخاطب ان کے دوست یا عزیز اور رشتے دار تھے ، ان کے کلام کا جو حصہ میرے تصرف میں ہے اسے ان کا نمونہ کلام سمجھنا چاہیئے انھوں نے اپنی ذہانت سے مختصر نویسی Short Hand کا ایک ضابطہ بھی بنایا تھا ، اور مجھے سکھایا

بھی تھا، لیکن چونکہ مشق نہیں کرائی تھی اس لیے اب بھول چکا ہوں، میرا نام انھی چچا کے نام پر رکھا گیا، میرے والد اور میرے چچا کے مابین غیر معمولی تعلق خاطر تھا وہ بڑے پاک نہاد اور نیک نفس آدمی تھے، وہ کلیسا کے بہترین واعظوں کے وعظ میں پابندی سے اور بڑے ذوق شوق سے شرکت کیا کرتے تھے، اور انھیں اپنے ایجاد کردہ مختصر نویسی کے قاعدے سے نوٹ بھی کر لیا کرتے تھے، انھوں نے ان مواعظ سے اچھا خاصا ضخیم ذخیرہ تیار کر لیا تھا، انھیں سیاست سے بھی دلچسپی تھی، اور سیاسی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے، عرصہ ہوا لندن میں ان کا ترتیب دیا ہوا ایک مجموعہ میرے ہاتھ لگ گیا، اس مجموعے میں پبلک امور سے متعلق تمام اہم یادداشتیں اور دستاویزیں ۱۶۴۱ء سے لے کر ۱۷۱۷ء تک کی جمع کر دی تھیں، صفحات کے نمبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی جلدیں غائب ہیں، پھر بھی تقریباً آخری جلدیں تو موجود ہی تھیں۔ اس کے علاوہ چوبیس جلدیں چھوٹی تقطیع پر، یعنی فلسکیپ کے ایک صفحے کے آٹھویں حصے پر مرقوم ہیں۔ پرانی کتابوں کے کاروبار کرنے والے ایک شخص کے ہاتھ یہ جلدیں آ گئیں۔ میں چونکہ کبھی کبھی اس سے پرانی اور نایاب کتابیں خریدا کرتا تھا۔ انھیں وہ میرے پاس لے آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، میرے چچا نے یہ مجلدات امریکہ جاتے وقت یہیں چھوڑ دیے تھے۔ جسے تقریباً ۵۰ سال کی مدت گزر چکی ہے، ان مجلدات کے حاشیوں پر بھی ان کے لکھے ہوئے متعدد نوٹ موجود ہیں۔

ملکہ میری کے زمانے میں مذہبی اصلاح و تجدد سے ہمارا خاندان متاثر ہوا، یہ پروٹسٹنٹ

انگلستان خلاف قانون قرار دے دی گئی اور ادھر ادھر منتشر اور پراگندہ ہو گئی،
والد نے ایک معقول تعداد ایسے لوگوں کی مہیا کر لی جو ملک چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے،
وہ خود بھی ان لوگوں کے ساتھ ترک وطن پر تیار ہو گئے، ان لوگوں کا خیال تھا کہ نئے
وطن میں اپنے عقائد کے متعلق ہر طرح آزاد ہوں گے، اور یکسوئی کے ساتھ بغیر کسی
مداخلت کے ان پر عمل پیرا ہو سکیں گے، پہلی بیوی سے والد کے چار لڑکے اور ہوئے
جو پردیس میں تولد ہوئے، اور دوسری بیوی سے دس لڑکے ہوئے، گویا اولاد کی کل
تعداد ۱۷ تھی، اُن میں سے ۱۳ مجھے یاد ہیں جو ایک ہی میز پر ان کے پاس بیٹھا کرتے
تھے، یہ سب سن شعور کو پہنچے۔ ان میں کچھ لڑکے تھے کچھ لڑکیاں، سب کی شادی ہو
گئی، میں سب سے چھوٹا لڑکا تھا، نیو انگلینڈ کے شہر بوسٹن میں میری ولادت ہوئی
میری والدہ میرے والد کی دوسری بیوی تھیں، ان کا نام ابیا فولگر تھا، یہ پیٹر فولگر
کی صاحبزادی تھیں، جو نیو انگلینڈ میں توطن اختیار کرنے والوں کی پہلی کھیپ سے
تعلق رکھتے تھے، ان کا ذکر اعزاز و احترام کے ساتھ کاٹن ماتھر (Cotton Mather
نے اپنی مشہور تاریخ کلیسا میں جو (Magnalia Christi Americana)
کے نام سے معروف ہے، کیا ہے میرے نانا کا ذکر کرتے ہوئے ان کو "خدا رسیدہ
انگریز فاضل" کے نام سے یاد کیا ہے، اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو بالکل یہی
الفاظ انھوں نے استعمال کیے تھے، کبھی کبھی بعض موقعوں پر وہ کچھ لکھ لیا کرتے تھے
لیکن ان کی تحریریں غیر مطبوعہ ہی رہیں، صرف ایک تحریر چھپی ہے، جو کئی سال ہوئے
میری نظر سے گزری تھی، یہ تحریر ۱۶۷۵ء میں لکھی گئی تھی، یہ چند اشعار تھے، جو
گھریلو بول چال میں لکھے گئے تھے، مخاطب وہ لوگ تھے، جو اس وقت حکومت کے

عقیدے پر جما ہوا تھا۔ اس خاندان کے لوگ پوپ کے خلاف جنگ آزما رہتے تھے، اور یہ بات کبھی کبھی خطرے اور اندیشے کا سبب بھی بن جایا کرتی تھی، ان کے پاس جو بائیبل تھی وہ انگریزی میں تھی، جسے یہ چھپا کر بڑی احتیاط سے رکھتے تھے، یہ ایک جزدان میں لپیٹ کر رکھی جاتی تھی، جب میرے پردادا نے یہ بائیبل خاندان کے لوگوں کو پڑھ کر سنائی تو انھوں نے تپائی اپنے گھٹنوں کے پاس رکھ لی، اور جزدان سے بائیبل کا نسخہ نکال کر اس کے ورق الٹے، بچوں میں سے ایک لڑکا جاکر دروازے پر یہ دیکھنے کے لیے کھڑا ہوگیا کہ کوئی ایسا آدمی تو ادھر نہیں آ رہا ہے، جو مذہبی ادارے کا کوئی کارکن یا عہدے دار ہو، ایسی صورت میں تپائی کھٹکے کے ساتھ پھر ایک معمولی سا تختہ بن جاتی تھی، اور بائیبل کو حسب سابق ڈھک لیتی تھی، یہ واقعات چچا بنجامن سے میں نے سنے ہیں، ہمارا خاندان پوری شدت کے ساتھ چرچ آف انگلینڈ کے ساتھ وابستہ رہا، اور یہ کیفیت چارلس دوم کے عہد تک برابر قائم رہی، اس اثنا میں چند پادری اس مذہبی تحریک اصلاح و تجدد کو قبول نہ کرنے کے باعث خارج کر دیئے گئے، انھوں نے نارتھمپٹن شائر میں مخالفین کلیسائے انگلستان کی خفیہ مجالس میں شرکت شروع کر دی، بنجامن اور جوزیہ نے ان لوگوں کا ساتھ دیا، اور اپنی اس روش پر زندگی بھر قائم رہے۔ خاندان کے باقی ماندہ افراد اسقفی کلیسا سے وابستہ رہے۔

میرے والد جوزیا کی شادی نوعمری ہی میں ہوگئی، اپنی بیوی اور تین بچوں کو لیکر وہ نیو انگلینڈ چلے گئے، یہ واقعہ ۱۶۸۲ء کا ہے، جماعت مخالفین کلیسائے

میرے بڑے بھائیوں کو کسی نہ کسی کاروبار میں کام سیکھنے پر مامور کر دیا گیا، آٹھ سال کی عمر میں میرا داخلہ گرامر اسکول میں کر دیا گیا، میرے والد نے اپنی اولاد میں مجھے کلیسا کی خدمت کے لیے چن لیا تھا، نو عمری میں میرے پڑھنے لکھنے کا شوق دیکھ کر، یہ وہ عمر تھی کہ مجھے ذرا بھی یاد نہیں کہ میں نے کب پڑھنا شروع کیا۔ اور اپنے دوستوں کی حوصلہ افزائی سے متاثر ہو کر کہ میں ایک اچھا اور کامیاب عالم بن سکنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہوں، والد نے اسی کام پر مجھے لگا دیا، چچا بنجامن نے بھی زور شور سے تائید کی، اور یہاں تک وعدہ کر لیا کہ جو مواعظ انھوں نے شارٹ ہینڈ میں لکھ رکھے ہیں، ان کی ساری جلدیں مجھے بخش دیں گے، میرے لیے یہ بیش بہا ذخیرہ ہوتا، اگر میں ان کے کردار کو اپنا سکتا، بہر حال میں گرامر سکول میں پورا ایک سال بھی نہیں گزار سکا اگرچہ میری ترقی کی رفتار اچھی تھی، وسط سال میں اونچے درجے پر مجھے ترقی دے دی گئی، اور کچھ عرصے بعد مجھے دوسرے اونچے کلاس میں شامل کر لیا گیا، اس طرح ایک سال میں تین درجے میں نے پاس کر لیے۔ لیکن میرے والد ایک بڑے کنبے کے کفیل تھے، اور ان کے مالی وسائل ایسے نہیں تھے کہ وہ زیادہ اور اعلیٰ تعلیم کے مصارف اتنے سارے افراد خاندان کے برداشت کر سکتے، انھوں نے اپنے دوستوں کو میری سماعت کا جہاں تک تعلق ہے جو اسباب اور وجوہ بتاتے وہ تو یہی تھے، چنانچہ انھوں نے میرا پہلا ارادہ بدل دیا، اور مجھے گرامر سکول سے اٹھا لیا، اور ایک دوسرے اسکول میں داخل کرا دیا، جہاں حساب کتاب اور محرری کی تعلیم دی جاتی تھی، جس کے سربراہ اپنے وقت کے مشہور معلم مسٹر جارج براؤنیل تھے جو اپنے فن اور پیشے میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے، مزاج اور عادت کے بھی

دامن دوست سے وابستہ تھے، اس میں آزادی ضمیر پر زور دیا گیا تھا، اور اصطباغیوں (بیپٹسٹ) کی فرقہ خائفین (Quakers) اور دوسرے فرقوں کی طرف سے لکھا گیا تھا، جو سب کے سب مبتلائے آلام و مصائب تھے، انڈین مہاربات اور دوسرے مصائب کو جن سے ملک دوچار تھا، اسی اذیّت رسانی کا نتیجہ قرار دیا گیا تھا، کیونکہ خدائے بزرگ و برتر کا فیصلہ یہ ہے کہ اس طرح کے قبیح جرائم کو معاف نہ کیا جائے، بلکہ ان کا انتقام لیا جائے، آخر میں درخواست کی گئی تھی کہ اس طرح کے تمام قوانین جو آزادئ ضمیر کے منافی ہیں، منسوخ کر دیئے جائیں، یہ پوری اپیل بڑے شائستہ الفاظ اور شستہ لب و لہجہ میں سادہ اور اثر انگیز طریق پر بیباکی کے ساتھ تحریر کی گئی تھی، آخری چھ مصرعے میرے ذہن میں تازہ نہیں، شروع کے دو بند یاد نہیں رہے لیکن ان کا مطلب یہ تھا کہ ان کی شکایت خلوص نیّت پر مبنی ہے، اور اس چیز کا بانی مبانی انہی کو سمجھا جانا چاہیئے۔"

کسی کی توہین و تحقیر کو
میں تہہ دل سے باعث نفرت تصوّر کرتا ہوں،
شہر برن بستی سے جہاں اب میں بود و باش رکھتا ہوں
میں اپنا نام پیش کرتا ہوں،
کسی کدورت کے بغیر آپ کا مخلص دوست
میں ہوں پیٹر فونگیر،

ہو ہی نہیں سکتی۔

میرا خیال ہے، تم مرحوم کی شخصیت اور کردار کے متعلق ضرور کچھ جاننا چاہو گے وہ مضبوط کاٹھی کے آدمی تھے۔ میانہ قد، لیکن بانکپن کی ردا کے ساتھ حد درجہ توانا، طبیعت میں رنج کا مادہ بہت زیادہ تھا، جو کام کرتے خوش سلیقگی سے، فن موسیقی سے بھی تھوڑے بہت واقف تھے، اُن کی آواز صاف اور سبک تھی۔ جو سننے والے پر خوش گوار اثر چھوڑتی تھی، چنانچہ جب کبھی وہ اپنے وائلن پر خاص دھن اور لے کے ساتھ مناجات کا راگ چھیڑتے اور ساتھ ہی ساتھ گاتے تو سماں بندھ جاتا اور سب گوش ہوش سے سننے بیٹھ جاتے، کبھی کبھی کاروبار سے فارغ ہو کر شام کو وہ ایسا کیا کرتے تھے۔ انھیں غیر معمولی مہارت بینکنگ میں بھی تھی۔ چنانچہ جب بھی دوسرے تاجروں پر کوئی افتاد پڑتی تو وہ یاد کیے جاتے، اور دم کے دم میں بگڑا کام بنا دیتے، لیکن ان کا سب سے بڑا وصف اور کمال یہ تھا کہ معاملات میں ان کا فیصلہ بڑا اچھا تلا ہوتا تھا، جس سے ان کی فہم و ذکا کی بلندی کا اظہار ہوتا تھا، معاملات خواہ نجی ہوں یا پبلک، ہر دو صورتوں میں ان کی رائے احتیاط اور دور اندیشی پر مبنی ہوتی تھی، آخر آخر میں انھوں نے کوئی ملازمت نہیں کی، بڑا سا کنبہ جس کی تعلیم کا بار ان پر تھا اور خانگی امور کو وہ اپنے کاروبار اور تجارت سے سرانجام دیتے تھے، مجھے اچھی طرح یاد ہے ممتاز اور سر برآوردہ اصحاب اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، یہ لوگ شہر کے معاملات، یا کلیسا کے امور پر ان کی رائے لیتے تھے، اور ان کے فیصلے اور مشورے کو حد درجہ احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ بہت سے لوگ اپنے

نجی معاملات میں ان سے صلاح و مشورے کیا کرتے تھے، جب بھی وہ کسی مشکل میں پھنستے انہی کے پاس آتے اور انہیں ثالث کے طور پر ہر فریق بڑی خوشی کے ساتھ قبول کر لیتا تھا، اپنے ہاں وہ پڑوسیوں یا مخلص دوستوں کی موجودگی بہت پسند کرتے تھے اُن سے گھل مل کر باتیں کرتے، یہ باتیں اتنی خفیہ اور نتیجہ خیز ہوتی تھیں جن سے ان کے لڑکے بھی فائدہ اٹھاتے اور شعور کے نئے اور اچھے راستوں پر جا پڑتے، ایسے مواقع پر ان کی کوشش یہ ہوتی کہ ہمیں اس بات پر متوجہ کریں کہ خوبی اور اچھائی کیا ہے؟ عدل وانصاف کا تقاضا کیا ہے؟ اور زندگی بسر کرنے میں احتیاط اور دوراندیشی کا چلن کیا ہے، اس کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے، کہ گھر میں کیا پکا ہے، اور کون سی چیز کھانے کے لیے ان کے سامنے لاکر رکھی گئی ہے، جو مل گیا، سو کھا لیا، یہ چیز بھی ان کے لئے کچھ زیادہ توجہ طلب نہیں تھی کہ جو کچھ پکا ہے، وہ بدمزہ ہے یا لذیذ، موسم کے مطابق ہے یا خلاف، بو باس اچھی ہے یا بری، اس کے مقابلہ میں کیا چیز بہتر ہوتی، اور وہ کیوں نہ پکائی گئی، چنانچہ یہی عادت میرے اندر بھی راسخ ہوگئی، میں نے بھی ان باتوں پر کبھی غور نہیں کیا، نہ کبھی کرید کی، نہ یہ سوچا کہ میرے سامنے جو کھانا لاکر رکھا گیا ہے کیسا ہے اور کیا ہے، اور اس بات کا اتنا عادی ہو چکا ہوں کہ اگر کھانے کے چند گھنٹے بعد مجھ سے سوال کیا جائے آج تم نے کیا کھایا تھا تو میں قطعاً جواب نہیں دے سکتا، کیونکہ یہ بات ذہن سے اتر چکی ہوتی ہے، اس عادت نے سفر میں مجھے بہت آرام دیا۔ میرے دوسرے ساتھی نامرغوب غذا پر ناک بھوں چڑھاتے اور اچھی غذا کے جویا ہوتے۔ کیونکہ زبان کا چٹخارہ انھیں قناعت پر آمادہ نہیں کر سکتا تھا۔

اور ۷ پوتوں کو پالا پوسا ،
راحت اور آسائش کے ساتھ
اس مثال سے اے پڑھنے والے
حوصلہ پیدا کر اور اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دے
خدا پر بھروسہ رکھ اس سے بدگمان نہ ہو
وہ ایک صالح اور نیکوکار شخص تھا ،
وہ ایک نیک اور پاکباز خاتون تھی
ان میاں بیوی کا چھوٹے لڑکے نے
اپنی فرزندانہ محبت سے متاثر ہو کر
یہ سنگ مزار یادگار کے طور پر نصب کیا ہے ،

جان فرینکلن —— پیدائش 1655ء
وفات ۱۷۴۴ء
عمر ۸۹ سال

ابیا فرینکلن —— پیدائش ۱۶۶۶ء
وفات 1752ء
عمر ۸۵ سال

میری والدہ بھی والد کی طرح مضبوط کاٹھی کی خاتون تھیں، ان کے پاس بچے تھے، اور ان سب کو انھوں نے اپنا ہی دودھ پلایا تھا مجھے قطعاً یاد نہیں کہ میں نے والد یا والدین میں سے کسی کو کبھی بیمار دیکھا ہو، بس ایک ہی مرتبہ بیمار پڑے، جو مرض الموت ثابت ہوا، والد کا انتقال ۸۹ سال کی عمر میں اور والدہ کا ۸۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا، دونوں بوسٹن میں ایک ساتھ دفن ہوئے، جہاں چند سال ہوئے میں نے سنگ مرمر کی ایک لوح مزار بنادی ہے، جس پر درج ذیل عبارت کندہ ہے،:-

جان فرینکلن
اور
اُن کی اہلیہ ایبا
اسی قبر میں پہلو بہ پہلو ابدی نیند سو رہے ہیں
یہ دونوں ۵۵ سال تک تاہل کی زندگی محبت والفت کے ساتھ بسر کرتے رہے
ان کے پاس نہ دولت تھی، نہ کوئی منفعت بخش کاروبار
خدا کے فضل وکرم سے
مسلسل محنت اور مشقت کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے
انھوں نے ایک بڑے کنبے کی پرورش کی
اور اسے سکھ کے ساتھ پروان چڑھایا
انھوں نے ۱۳ بچوں کی پرورش اور پرداخت کی،

نہ ہو سکے تو کام رکنے نہ پائے ، اس کا کام میں خود کرلیا کروں اور اپنے تجربے اور آزمائش کے طور پر چھوٹی موٹی مشین بھی بنالیا کروں۔ یہ جذبہ میرے دل میں بہت تیزی سے ابھر رہا تھا اور میں اسے انجام دینے پر تلا ہوا تھا، آخر کار میرے والد نے یہ فیصلہ کر لیا کہ چھری چاقو وغیرہ بنانے کا کام شروع کر دینا چاہیئے، میرے چچا بنجامن کے بیٹے سیموئل نے لندن میں اس کاروبار کو اچھی طرح چلایا تھا، اور اب بوسٹن میں آکر انھوں نے بھی تجارت شروع کر دی تھی۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ یہ کام میں کرسکوں گا، یا نہیں، اس لیے ان کے پاس روانہ کردیا گیا، لیکن وہ مفت کام سکھانے پر آمادہ نہ تھے، معاوضہ چاہتے تھے یہ بات والد کو ناگوار گزری ۔ اور میں پھر گھر واپس بلالیا گیا۔

بچپن ہی سے مجھے پڑھنے کا شوق تھا، اور جو تھوڑی سی رقم مجھے دستیاب ہوتی تھی اس کا مصرف بس کتابوں کی خریداری تھا، پہلے پہل جو کتاب میں نے خریدی وہ جان بنیان کی کتاب (Pilgrim's Progress) تھی، یہ اُن کے مجموعے میں سے الگ کر کے شائع کیا گیا تھا، بعدازاں یہ کتاب اور مجموعہ میں نے فروخت کر دیا تاکہ آر برٹن کی کتاب Historical collections خرید سکوں، یہ چالیس پچاس چھوٹی چھوٹی کتابوں کا مجموعہ تھا، قیمت بھی زیادہ نہیں تھی، میرے والد کا کتب خانہ جن کتابوں پر مشتمل تھا وہ زیادہ تر مذہب سے متعلق مناظرانہ کتابیں تھیں، ان میں سے اکثر کا میں نے مطالعہ کرلیا تھا، اور اس کا مجھے زندگی بھر افسوس رہا کہ جب میں علم کی تشنگی شدت سے محسوس کر رہا تھا، مجھے کام کی کتابیں بہت کم میسر آئیں، یہ بات تو اب

اپنے تئیں اب بوڑھا محسوس کرنے لگا ہوں یادداشت کام نہیں دیتی، موضوع پر قائم نہیں رہ پاتا، پھر بھی جہاں تک ممکن ہو سکا یہ خود نوشت ایک خاص ترتیب سے لکھنے کی کوشش کی ہے۔

اب میں پھر اصل موضوع پر آتا ہوں :-

میں دو سال تک والد کے کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹاتا رہا یعنی یوں سمجھئے کہ بارہ سال کی عمر تک اس کام میں لگا رہا، میرے بھائی جان جو اس کاروبار میں باقاعدہ شریک تھے، والد کو چھوڑ گئے، انھوں نے شادی کر لی۔ اور جزیرہ رہوڈ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ بظاہر اب یہ بات یقینی تھی کہ میں ان کی جگہ لے لوں گا، اور شمع سازی کو اپنا پیشہ بنا لوں گا، لیکن اس کام سے میری بیزاری میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، اس سے میرے والد کو یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ اگر کسی حسب دل خواہ کام میں مجھے نہ لگایا گیا تو میں کسی دن دامن جھٹک کر اٹھ کھڑا ہوں گا اور سمندری زندگی اختیار کر لوں گا، جیسا کہ ان کا ایک بیٹا جوزیا ان کی خفگی اور برہمی مول لے کر کر چکا تھا، لہذا اب انھوں نے یہ وطیرہ اختیار کیا کہ کبھی کبھی اپنے ساتھ مجھے گھومنے کے لیے چلنے کو کہتے، میں ساتھ ہو لیتا، وہ میری توجہ مختلف کاموں کی طرف مبذول کراتے، مثلاً بڑھئی کا پیشہ فرنیچر سازی، خشت سازی، خراد کا کام ٹھٹھیرے کا پیشہ وغیرہ، مقصد یہ تھا کہ ان میں سے کسی ایک کو پسند کر کے شروع کر دوں، اور باہر جانے کا خیال دل سے نکال دوں، اور یہیں رہوں، یہ بات مجھے ہمیشہ سے مرغوب تھی کہ ایسے ماہر کاریگروں کو دیکھوں جو اپنی مشین اور اوزار سے خود کام لینا جانتے ہیں۔ تاکہ اس میں کم از کم اتنی شدبد حاصل کر لوں کہ اگر میرے ہاں کبھی کوئی کاریگر غیر حاضر ہو یا بآسانی دستیاب

بن گیا۔اب میں زیادہ اچھی اور کام کی کتابیں خرید سکتا تھا، چونکہ کتب فروشوں سے راہ و رسم بھی ہو گئی تھی۔اس لیے کبھی کوئی کتاب شام کو اس وعدے پر لاتا کہ صبح واپس کر دوں گا، یہ تعجیل اس لیے تھی کہ مبادا کوئی دوسرا کتاب مانگ بیٹھے اور میں انکار نہ کر سکوں، یا مجھ سے گم ہو جائے۔

کچھ عرصے کے بعد مسٹر ماتھیو (Mathew) آدم مجھ میں دلچسپی لینے لگے، یہ بڑے کھرے تاجر تھے، اُن کے پاس کتابوں کا بڑا اچھا ذخیرہ تھا، یہ ہمارے مطبع میں اکثر تشریف لایا کرتے تھے، ایک روز انھوں نے مجھے اپنے کتب خانے میں آنے کی دعوت دی اور از راہ عنایت وہ تمام کتابیں جو میں نے پسند کیں، مجھے پڑھنے کے لیے دے دیں، اب مجھے شعر و شاعری سے بھی دلچسپی ہو چکی تھی، کبھی کبھی ایک آدھ شعر بھی کہہ لیتا تھا، میرے بھائی کو میری یہ دلچسپی شائد منفعت بخش نظر آئی، انھوں نے میری حوصلہ افزائی شروع کر دی، کبھی کبھی وہ خود بھی مجھے شعر کہنے کی کسی موقعہ پر ترغیب دیتے، ان کی فرمائش سے میں نے جو اشعار کہے ان میں ایک نظم The light house tragedy تھی، اس میں کیپٹن ورد ی لاک اور ان کی دو بیٹیوں کی غرقابی کا قصہ مندرج تھا، ایک دوسری کتاب ایک ملاح کے گیتوں پر مشتمل تھی جو میں نے نظم کی تھی، یہ بہت معمولی سا کلام تھا، انداز بھی کچھ یوں ہی سا تھا، بس چالو قسم کا، جب یہ نظمیں اور گیت طبع ہوئیں تو بھائی نے ان کا ایک پلندا مجھے تھما دیا، کہ جا کر بیچ لاؤ، پہلی کتاب بہت اچھی بکی، حادثہ چونکہ تازہ تھا اس لیے کہنا چاہیئے لوگ اس پر ٹوٹ پڑے، اس چیز نے میرا سکہ بٹھا دیا، لیکن میرے والد نے ان خرافات میں

طے ہو چکی تھی، کہ مجھے پادری نہیں بننا ہے، پلوٹارک Plutarch کی کتاب Lives ایک ایسی کتاب تھی جسے میں نے بار بار پڑھا، اور اب بھی میرا یہ خیال ہے کہ اس کتاب کے بکرّات و مرّت مطالعے نے میرا وقت نہیں ضائع کیا۔ بلکہ مجھے خاصا فائدہ پہنچایا، ایک اور کتاب Defoe کی تھی، جس کا نام تھا Essay on projects اسے بھی میں نے دلچسپی سے پڑھا، ڈاکٹر ماتھر کی کتاب Essays to do good نے میری فکر و نظر پر گہرا اثر کیا، بلکہ شائد یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ اس نے مستقبل میں میرے احوال پر گہرا اثر ڈالا۔

کتابوں سے میرا ذوق و شوق اور شغف دیکھ کر میرے والد نے فیصلہ کیا کہ مجھے مطبع لے دیا جائے، اگرچہ ان کا ایک لڑکا جیمس پہلے ہی سے یہ کام کر رہا تھا، ۱۷۱۷ء میں میرا بھائی جیمس انگلستان سے واپس آیا، اپنے ساتھ ایک چھاپنے والی مشین اور ٹائپ بھی لایا، تاکہ بوسٹن میں اپنا کاروبار جما سکے، یہ کام والد کو جتنا پسند آیا تھا مجھے اس سے بھی زیادہ مرغوب تھا، لیکن سمندری زندگی بسر کرنے کا ولولہ دل میں ہنوز تازہ تھا، میرے اس جذبے کو دبانے کے لئے میرے والد بے چین تھے، کہ کسی نہ کسی طرح مجھے بھائی (جیمس) کے ساتھ نتھی کر دیں، شروع میں تو میں بڑا اکترایا، لیکن آخر کار مجھے آمادہ کر لیا گیا، کہ پریس میں کام کرنے کے اقرار نامے پر دستخط کر دوں، یاد رہے، میری عمر صرف گیارہ سال کی تھی، جب تک میری عمر ۲۱ سال کی نہ ہو جائے، مجھے ایک کارآموز کے طور پر رہنا تھا مجھے جو محنتانہ ملتا تھا وہ ایک معمولی مستری کا محنتانہ تھا، وہ بھی بعد کے سال سے بہت مختصر مدت میں میں نے یہ کام اچھی طرح سیکھ لیا، اور اپنے بھائی کا صحیح معنوں میں دست راست

میرے اور کولن کے درمیان کسی نہ کسی باعث ایک سوال بہر حال پیدا ہوا، جو لڑکیوں کی تعلیمی صلاحیت وافادیت سے متعلق تھا، نیز یہ کہ ان میں قابلیت حاصل کرنے کی اہلیت کس حد تک ہو سکتی ہے، کولن کی رائے تھی کہ یہ نامناسب سی بات ہے اور عورتیں فطرتاً اس کی اہلیت نہیں رکھتیں، میری رائے بالکل برعکس تھی، شاید اسے چھیڑنے کے لیے کولن طبعی طور پر خطیبانہ شان رکھتا تھا، الفاظ کا ذخیرہ اس کے پاس موجود تھا، دلائل چاہے بھدے ہوں، لیکن زورِ کلام سے چھا جانے کا اسے ملکہ حاصل تھا، اور میرے لیے اس کے نادر کلام کے سامنے ٹھہرنا، مشکل ہو جاتا تھا اس مسئلے پر متفق ہوئے بغیر ہم ایک دوسرے سے غیر ہو گئے، اور کافی عرصے تک ہم ملاقات نہ کر سکے، میں نے کیا کیا کہ اپنے دلائل قلمبند کرنے بیٹھ گیا، اور یہ تحریر اسے بھیج دی، اس نے جواب دیا، میرے پاس بھی جواب الجواب تیار تھا ہم میں سے ہر ایک نے تین یا چار خط اپنے اپنے دلائل پر مشتمل لکھ ڈالے، اتفاق سے والد کی نظر ان کاغذات پر پڑ گئی، اور انھوں نے انھیں پڑھ ڈالا، اصل موضوع پر کسی قسم کی رائے ظاہر کیے بغیر... ... ایک موقعہ پر وہ میرے طرزِ تحریر کو زیرِ بحث لائے، ان کا خیال تھا، کہ گو میں اپنے حریف پر املاء و تلفظ میں بھاری ہوں، ——— اور ہمارے مطبع کا یہ طفیل تھا، ——— لیکن میری تحریر میں شستگی اور روانی کی کمی ہے، نیز جو بات کہنا چاہتا ہوں وہ بھی واضح نہیں ہوتی، کچھ ابہام سا باقی رہ جاتا ہے۔ انھوں نے کئی مثالیں دے کر مجھے قائل کر لیا، میں نے محسوس کیا کہ ان کی تنقید انصاف پر مبنی ہے، اس کے بعد سے اپنی تحریر کو رواں، شستہ اور واضح

مشغول ہونے سے مجھے روکا اور ذرا بھی حوصلہ افزائی نہیں کی، انھوں نے فرمایا یہ شاعر تو بھک منگے ہوتے ہیں، ان کی یہ بات دل میں کچھ ایسی بیٹھی کہ میں شاعر ہوتے ہوتے رہ گیا، اور اگر کہیں شاعر بن جاتا تو بدترین شاعر ہونے میں کیا شبہ تھا، لیکن چونکہ شعر گوئی میری زندگی میں بہت مفید ثابت ہونے والی تھی، اور اسے میری ترقی کا ایک اہم عضو ثابت ہونا تھا، آگے چل کر بتاؤں گا کہ اس فن میں جو معمولی سی دستگاہ حاصل ہوئی اس کی نوعیت کیا تھی۔

ہمارے شہر میں ایک اور لڑکا کتابوں کا رسیا تھا، اس کا نام جان کولنس John collins تھا، اس سے میرے دوستانہ روابط اور تعلقات قائم ہوگئے تھے کبھی کبھی ہم جھگڑ بھی پڑتے تھے، بحث مباحثے کے ہم بڑے شائق تھے، ایک دوسرے کی غلطیاں نکالنے کا بھی بڑا شوق تھا ہمیں جس سے کبھی کبھی تلخی بھی پیدا ہو جاتی تھی، لیکن حقیقت میں تھی یہ بری عادت جس سے ایک طرح کی بدمزگی نمایاں ہونے لگتی ہے، اور یہ تردید د مخالفت پھر مکمل صورت بھی اختیار کر لیتی ہے اور یوں نہ صرف بات چیت کا مزا کرکرا ہو جاتا ہے، اور چڑچڑا پن بڑھ کر، دشمنی کا روپ دھار لیتا ہے، اور دوستی کا رشتہ کمزور پڑ جاتا ہے، یہ بات میں نے اپنے والد کی مناظرانہ کتابوں سے جو مذہب سے متعلق تھیں حاصل کی، بعدازاں میں نے محسوس کیا کہ معاملہ فہم اور دوراندیش لوگ شاذونادر ہی یہ روش اختیار کرتے ہیں بجز قانون دانوں، پروفیسروں اور اڈنبرا کے لوگوں کے۔

مناسب الفاظ کی جستجو رہتی، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ الفاظ اور ان کے استعمال کے متعلق میرا دماغ ہمیشہ حاضر رہتا، اور میں بہت جلد الفاظ اور زبان پر غیر معمولی قدرت حاصل کرلیتا، یہ سوچ کر میں نے کچھ کہانیاں لیں اور انہیں نظم کا جامہ پہنایا بعد ازاں جب میں اس کلام موزوں کو فراموش کرچکا تھا، پھر اسے نثر کے لباس سے آراستہ کیا، کبھی ایسا بھی ہوا کہ میرے خیالات و افکار گڈ مڈ ہوگئے، اور میں اضطراب فکر میں مبتلا ہوں، پھر چند ہفتوں کے بعد میں نے کوشش کی کہ انھیں بہتر اسلوب کے ساتھ عبارت کو ربط دینے اور مضمون کو مکمل کرنے سے پہلے مکمل کرسکوں، اس سے مجھے فائدہ یہ پہنچا کہ میں نے خیالات کی ترتیب اور تسلسل کے ساتھ مرتبط رکھنے کا طریقہ جان لیا، پھر ایک عرصے کے بعد اپنی تحریروں کا اصل مضامین سے مقابلہ کیا، پھر مجھے اپنی کچھ غلطیاں نظر آئیں، اور میں نے انھیں ٹھیک کرلیا، بعض دفعہ یہ خیال کر کے مجھے خوشی ہوتی تھی کہ بعض خاص خاص چھوٹے چھوٹے مضامین میں کافی ترقی میں نے کرلی تھی، زبان کے لحاظ سے بھی اور طرز بیان کے اعتبار سے بھی اس بات نے میرا حوصلہ بڑھایا اور مجھے یقین ہوگیا کہ ایک وقت آئے گا، کہ میں انگریزی کا ایک اچھا انشاپرداز بن جاؤں گا، اور یہ میری دلی اور دیرینہ تمنا تھی ان تحریروں، مشقوں اور مطالعے کے لیے مجھے جو وقت ملتا تھا وہ باقی رات کا تھا، جب کام سے فارغ ہوکر یکسوئی مجھے حاصل ہوتی تھی، یا پھر کارخانے جانے سے پہلے جو وقت ملتا تھا، اس میں یہ کام کرتا تھا، البتہ اتوار کے دن میرے تھے، اور انہیں نہایت اطمینان سے اس کام میں صرف کرتا تھا، کبھی کوئی جتن کر کے مطبع میں تنہا رہ جانے کی کوشش کرتا تھا، اس کی صورت یہ تھی، کہ عام عبادت میں شرکت

بنانے کی اور زیادہ کوشش کرنے لگا، اور یہ عزم کر لیا کہ اس خامی کو دور کر کے رہوں گا۔

اسی زمانے میں (Spectator) کے مختلف شمارے کافی تعداد میں مجھے میسر آ گئے، اس سے قبل مجھے اس کے مطالعے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، میں نے یہ پرچے خرید لیے، بار بار ان کا مطالعہ کیا اور بہت زیادہ لطف اندوز ہوا، اس کی تحریر مجھے بے حد پسند آئی، میں نے سوچا اگر ہو سکے تو یہی رنگ میں بھی اختیار کروں، اس خیال کے پیش نظر میں نے چند شمارے لیے اور کچھ مختصر سے اشارے ہر مضمون کے نوٹ کر لیے، اور انھیں الگ رکھ دیا، پھر چند روز بعد ان شماروں کی جلد پر نظر ڈالے بغیر کوشش کی کہ خود ہی اب اپنے طور پر مضمون مکمل کر لوں، اور ہر نوٹ کے مفہوم کو اپنے طور پر اچھی طرح بیان کر دوں اور متبادل الفاظ بالکل اپنے رکھوں، اس کے بعد میں نے اسپیکٹیٹر کو سامنے رکھ کر اپنی تحریر کا مقابلہ کیا، کچھ غلطیاں نظر آئیں، انھیں میں نے درست کر لیا۔ یہ کام کرتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ میرے پاس الفاظ کا اچھا خاصا ذخیرہ ہونا چاہیے، اور یہ صلاحیت بھی ہونی چاہیے کہ انھیں برجستگی سے حسب ضرورت فوراً استعمال کر سکوں، میرا خیال تھا کہ اگر مجھے شعر و شاعری کی طرف توجہ کرنی تھی تو یہ کام مجھے پہلے ہی کر لینا چاہیے تھا، کیونکہ الفاظ کا تسلسل اور روانی کے ساتھ استعمال مختلف مناہج اور اسالیب کے ساتھ جو وزن و بحر اور راگ اور لے سے متناسب ہوں، ضروری ہے، یہ اگر کر لیتا تو مجھے مسلسل اچھے اور

اور ایک میٹھا سموسہ، پھر ایک گلاس پانی۔ اس مختصر سے لنچ سے فراغت کے بعد پھر مطالعہ کرنے بیٹھ جاتا تھا، تا آنکہ بھائی اور ان کے کارکن کھانا کھا کر واپس آجاتے۔ اب میں نے اپنے مطالعہ کو کافی وسعت دے دی تھی، دماغ میں یکسوئی اور تازگی پیدا ہوچکی تھی، اور توجہ بڑھ گئی تھی، جو اکثر اکل وشرب کے متوالوں کو نہیں حاصل ہوتی۔

کئی مرتبہ حساب میں کمزور ہونے کے باعث مجھے شرمندہ ہونا پڑا۔ اعداد کا نکالنا میرے لیے بڑا ٹیڑھا کام تھا، طالب علمی کے زمانے میں دو مرتبہ ریاضی کے پرچے میں فیل بھی ہوچکا تھا، اب میں نے ریاضی کے متعلق Cochern کی لکھی ہوئی کتاب کا پوری توجہ سے مطالعہ کر ڈالا، بڑی آسانی سے، بغیر کسی دشواری کے میں نے اسے سمجھ لیا۔ اسی اثنا میں Sharmy اور Sellar کی کتابیں جہاز رانی سے متعلق میں نے مطالعہ کر ڈالیں، ان کتابوں سے علم ہندسہ میں بھی کچھ شد بد ہوگئی، لیکن اس فن میں کوئی دستگاہ نہیں حاصل ہوسکی، اسی زمانے میں (Locke) کی کتاب An human Understanding میری نظر سے گذری۔ مسز ڈ ڈپورٹ رائل کی کتاب Art of thinking کا بھی میں نے مطالعہ کرلیا۔

اسی اثنا میں کہ میں اپنی زبان کی اصلاح و ترقی کی طرف متوجہ تھا۔ ایک انگلش گرامر بھی میری نظر سے گزری، —— میرا خیال یہ ہے یہ گرین وڈ کی

ٹال جاتا تھا، حالانکہ جب تک والد کی نگرانی میں ریلوہ بڑی چوکسی کے ساتھ مجھے شریک عبادت کیا کرتے تھے اور امر واقعہ یہ ہے کہ اسے اب بھی میں اپنا فرض سمجھتا ہوں، یہ دوسری بات ہے کہ وقت نہ ملے اور اس فرض کو انجام نہ دے سکوں۔

جب میں ۱۶ سال کا تھا تو ایک کتاب میری نظر سے گزری، یہ سو برس کی لکھی ہوئی تھی، اس کا موضوع تھا نباتاتی غذا، میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس کا تجربہ کروں گا، میرے بھائی کی اب تک شادی نہیں ہوئی تھی۔ لہذا وہ گھر کے جنجال سے آزاد تھے، لیکن وہ خود اور ان کے چند کارکن ایک خاندان کے ساتھ رہتے تھے، میں نے جب گوشت کھانے سے انکار کر دیا تو اس سے ایک طرح کی تکلیف دہ صورت حال پیدا ہو گئی، میں بہرحال یکا و تنہا تھا مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا گیا، میں نے کتاب کے مصنف کے بتائے ہوئے طریقوں کے ساتھ خود کھانا پکانے کا فیصلہ کر لیا، آلو یا چاول ابال لیتا، یا اور کوئی بھاجی ترکاری تیار کر لیتا، پھر میں نے بھائی کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ میرے مصارف طعام کی جو رقم وہ ادا کرتے ہیں، اس کی نصف مجھے دے دیا کریں۔ وہ راضی ہو گئے اپنی خوراک کا خود بندوبست کرنے سے مجھے ایک فائدہ اور ہوا، میرے بھائی اور ان کے والدین دوپہر کا کھانا کھانے کے لیے مطبع سے باہر جایا کرتے تھے، میں اکیلا پریس ہی میں ٹھہر جاتا تھا، اور وہیں فوراً کے فوراً کھانے سے فارغ ہو جاتا کھانا بھی کیا تھا، ایک آدھ بسکٹ یا نان پاؤں کا ایک ٹکڑا، چند دانے منقّے کے

بن سکتا، ”قطعاً“، ”یقینی“ ”بے شک“، جیسے الفاظ کے استعمال سے گریز کرتا جو رائے کی قطعیت کے مظہر ہوتے، بلکہ کہتا تو بس اتنا کہ ”میرا خیال ہے، کہ بات اس طرح ہے، !“ یا ”بظاہر میں تو ایسا محسوس کرتا ہوں، !“، یا ”میرے خیال میں یہ بات یوں یا اس طرح ہونی چاہیئے، !“، ”اور دلائل یہ ہیں“، یا یوں کہتا کہ ”اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو بات یوں ہے، !“، میرا خیال ہے اس عادت نے آگے چل کر مجھے اس وقت بہت زیادہ فائدہ پہنچایا جب کسی موقعہ پر اپنی فکر و رائے سے میں دوسروں کو متاثر کرنا یا اس پر انھیں راسخ کرنا چاہتا۔ اور کوشش کرتا کہ لوگ اس فکر کو اختیار کر لیں۔ جو وقتاً فوقتاً میں پیش کرتا۔ اور سب سے آخر میں یعنی گفتگو یا بحث مباحثے کے اختتام پر، ”آپ کی اطلاع کے لیے یہ عرض ہے، !“ یا ”آپ کے علم میں یہ بات تو ہوگی“، یا ”آپ یہ سن کر خوش ہوں گے“، قسم کے الفاظ باشعور افراد کو زیادہ متاثر کرتے ہیں، بہ نسبت اس کے کہ قطعیت اور حزم کے ساتھ کوئی بات ٹھونسنے کی کوشش کی جائے۔ بلکہ اس کا نتیجہ برا ہی نکلتا ہے، بلکہ بعض وقت ضد اور مخالفت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، اور وہ مقاصد فوت ہو جاتے ہیں، جن کے لیے بحث و گفتگو کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔ کیونکہ اگر آپ طنز سے کام لیں، یا سبق پڑھانے بیٹھ جائیں، قطعی اور بے لچک انداز اختیار کر لیں تو مخالفت کا جذبہ تیز ہو جائے گا، اور تردید و تکذیب شروع ہو جائے گی۔ اور یکسوئی کے ساتھ بات نہیں سنی جائے گی۔ اور دوسرے کے معلومات اور علم سے آپ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ استقامت سے اپنی رائے پر قائم رہتے ہیں۔ تو معاملہ فہم دوراندیش اور صائب الرائے اصحاب جو مخاصمانہ ذہنیت نہیں رکھتے۔ آپ کو آپ کے حال پر چھوڑ دیں گے

شائع کردہ تھی۔ ——— کتاب کے آخر میں دو باب فنِ حکایت اور علم منطق پر بھی تھے، آخر الذکر سقراطی اسلوب سے متعلق ردّ و قبول پر مشتمل تھا، اس کے فوراً بعد ہی مجھے Xenophon کی کتاب Memorable minds of socrates دستیاب ہوگئی جس میں سقراطی طرز و اسلوب کی بہت سی مثالیں مندرج تھیں، اس کتاب سے میں مسحور ہوگیا، میں نے اسے اپنانے کی سر توڑ کوشش کی، اور اپنے بے ربط متضاد اور موضوعی انداز استدلال سے دست بردار ہوگیا، اب مجھ میں تحقیق اور جستجو کا مادہ پیدا ہوگیا، میں نے شک و ریب کی وادی میں قدم رکھ دیئے، بعد ازاں shaftesbury اور collins کے مطالعہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ اپنے مذہبی عقائد و شعائر سے متعلق بھی بے یقینی کے مرض میں مبتلا ہوگیا۔ میں نے محسوس کیا میرے لیے یہ طریقہ محفوظ ترین ہے، اور ان لوگوں کو چونکا دینے والا ہے، جن کے خلاف میں اسے استعمال کرتا ہوں، لہٰذا اس میں مجھے ایک قسم کا لطف آنے لگا، اس کی مشق تسلسل کے ساتھ میں نے جاری رکھی، اور لوگوں کو متاثر اور مرغوب کرنے کے فن میں بہت اچھی دستگاہ حاصل کر لی، جو لوگ علم و مطالعہ میں مجھ سے زیادہ تھے، میرے سامنے ان کا ٹکنا بھی مشکل ہوگیا۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ وہ الجھ کر رہ جاتے۔ میں انھیں اس طرح مشکل میں پھنسا دیتا جس سے عہدہ برآ ہونا ان کے لیے ایک کارِ دشوار بن جاتا۔ اور اس طرح میں فتح حاصل کر لیتا۔ جس کا نہ میں حقیقی معنی میں مستحق تھا نہ میرا علم، یہ سلسلہ میں نے کئی سال تک جاری رکھا۔ لیکن رفتہ رفتہ اسے ترک کر دیا۔ اور وطیرہ یہ اختیار کیا کہ بس اپنے مقصود کو نرم سے نرم انداز میں، بغیر کسی تعلق اور خود نمائی کے پیش کر دینا۔ ایسا کوئی پہلو نہ آنے دیتا جو تنازعہ کا سبب

کہ اپنی غلطیاں اور کوتاہیاں بھگتتے رہیں، اور اس انداز کے اختیار کرنے کے بعد شاذ و نادر ہی ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ کا سامع آپ کی باتیں سن کر مسرت محسوس کرنے یا ان لوگوں کو آپ کا ہم نوا بنانے کی ترغیب دے، جو آپ سے ہم آہنگ نہیں ہیں، پوپ نے کیا خوب شعر کہا ہے :۔

"لوگوں کو اس طرح سکھائیے جیسے آپ انہیں سبق دینا نہیں چاہتے،
اور نامعلوم چیزوں کا ذکر ایسا ہی ہے، جیسے کوئی بھولی بسری بات"

پھر آگے چل کر کہتا ہے :۔

"زیادہ اعتماد نفس کے ساتھ گفتگو کرنا، درحقیقت بے حوصلگی کا مظہر ہے"!"

اس شعر کا دوسرا مصرعہ کچھ اور ہے، لیکن میرے خیال میں تو اپنا یہ مصرعہ بہتر تھا :

کیونکہ حلم و انکسار کی کمی، درحقیقت عقل و فہم کی کمی کا دوسرا نام ہے۔!"

آپ مجھ سے پوچھ سکتے ہیں، کیوں؟ میرا جواب اسی کا یہ شعر ہے :

"تعلّی سے بھرے ہوئے الفاظ کا مداوا مشکل ہے۔
کیونکہ حلم و انکسار کی کمی درحقیقت عقل و فہم کی کمی کا دوسرا نام ہے"!"

اب قابل غور بات یہ ہے کہ کیا فہم کی کمی ایک انسان کو غیر منکر اور غیر حلیم ہونے کے باعث معذور نہیں قرار دیتی؟ یا ایسی صورت میں یہ شعر اگر یوں پڑھا جائے، تو بہتر نہ ہوگا؟

"حلم و انکسار سے خالی الفاظ کا مداوا اگر کوئی ہے،
تو بس یہ کہ حلم و انکسار سے محرومی، دراصل فہم و دانش سے محرومی کا نام ہے"

بہرحال اس بات کا فیصلہ قارئین ہی بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔

۱۷۲۰ء یا ۱۷۲۱ء میں میرے بھائی نے ایک اخبار نکالنا شروع کیا، یہ امریکہ کا دوسرا اخبار تھا، اس کا نام تھا New-England courant اس سے پہلے بس ایک ہی اخبار امریکہ سے شائع ہوتا تھا۔ جس کا نام Boston news Letter تھا۔ مجھے یاد ہے، بھائی کے بعض دوستوں نے اس اقدام سے انھیں روکنے کی کوشش کی تھی۔ کیونکہ ان کے خیال میں یہ کاروبار خسارہ کا تھا فائدہ کا نہیں۔ ان کے خیال میں امریکہ سے ایک اخبار نکلنا کافی تھا، اور میں دیکھ رہا ہوں کہ اب (۱۷۷۱ء) کم و بیش ۲۵ اخبار نکل رہے ہیں۔ بہرحال بھائی نے اس مخالفت کا اثر نہیں لیا۔ اور اخبار جاری کر دیا۔ کمپوزنگ اور طباعت کے کام سے فراغت کے بعد میری ایک ڈیوٹی یہ بھی تھی کہ مختلف محلوں میں جا کر خریداروں تک اخبار پہنچا آؤں۔

بھائی کے چند مخلص دوستوں نے اخبار میں چھوٹے چھوٹے مضمون مختلف عنوانات پر مشغلے کے طور پر لکھنا شروع کر دیئے، اس سے اس کی کھپت میں اور مانگ میں اضافہ ہوا، اور اس نے اپنا ایک مقام بنا لیا۔ یہ دوست اکثر ہمارے ہاں آتے رہتے تھے۔ ان لوگوں کی باتیں سن کر اور ان کے مضامین کی مقبولیت دیکھ کر میرے اندر بھی قلم اٹھانے کا ولولہ پیدا ہو گیا، لیکن ابھی نوعمر تھا اور یہ دھڑکا بھی لگا ہوا تھا، کہ بھلا میرے نام سے کوئی چیز بھائی اخبار میں کیوں چھاپنے لگے، میں نے ایک گمنام مضمون لکھا، اور مطبع کے دروازے میں چپکے سے ڈال آیا۔ صبح کو وہ مضمون بھائی کے ہاتھ پڑا۔ انھوں نے اسے انشا پرداز اور مقالہ نویس دوستوں کو جب وہ حسب معمول

آئے دکھایا۔ ان لوگوں نے اسے سراہا اور اس پر اظہار رائے کیا۔ میں کان دبائے چپ چاپ سنتا رہا، مگر یہ دیکھکر مجھے بے انتہا مسرت ہوئی، کہ میرا مضمون پسند کیا گیا اور قابل اشاعت قرار پایا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بحث بھی چھڑی، اچھا بھلا یہ مضمون کس کا ہو سکتا ہے، میری طرف کسی کا ذہن کیوں جاتا، کسی نے کوئی نام لیا کسی نے کوئی۔ لیکن یہ سارے کے سارے نام ان لوگوں کے تھے جو اپنے علم و فضل کے اعتبار سے خاصا امتیاز رکھتے تھے اب میں سوچتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں، یہ میری خوش قسمتی تھی، کہ ان دو "ججوں" نے میرے مضمون کو اتنا سراہا، اور شاید یہ حضرات اتنے قابل نہیں تھے، جتنا میں نے سمجھ رکھا تھا۔

اس حوصلہ افزائی سے متاثر ہو کر میں نے اور کئی مضمون لکھے۔ اور اس طرح مطبع میں چپ چپاتے پہنچا دیئے، یہ چھپے اور بہت پسند کیے گئے، یہ راز میں نے اس وقت تک منکشف نہیں ہونے دیا جب تک میرا پیمانۂ صبر لبریز نہیں ہو گیا، آخر ایک دن میں نے خود ہی اپنا بھانڈا پھوڑ دیا۔ لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ بھائی کچھ اکھڑ سے گئے، اور انھوں نے ایسی روش اختیار کی جو میرے لیے خوش آئند نہیں تھی۔ غالباً ان کا خیال بعض وجوہ سے یہ تھا کہ میرا یہ میلان مجھے فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ اور غالباً یہ پہلا موقعہ تھا کہ ہم دونوں کے اختلافات نمایاں ہوئے۔ اگرچہ بڑے بھائی کی حیثیت سے وہ اپنے آپ کو بالادست اور مجھے زیردست تصوّر کرتے تھے اور مجھ سے توقع رکھتے تھے جس طرح دوسروں سے کام لیتے تھے اسی طرح میں بھی ہر حکم بجالاؤں۔ لیکن میرا خیال تھا کہ وہ مجھ سے جو کچھ چاہتے ہیں وہ اس سے بہت

زیادہ ہے۔ جیسا تو ان سے شفقت اور محبّت کا جویا تھا، نہ کہ اس طرزِ عمل کا ہمارے اختلافات اکثر والد کے سامنے پیش ہوتے، میرا خیال ہے کہ یا تو واقعی میں سچائی پر ہوتا تھا، یا اپنا معاملہ زیادہ خوبی کے ساتھ پیش کرتا تھا۔ کیونکہ والد کا فیصلہ عام طور پر میرے ہی حق میں ہوتا تھا، لیکن میرے بھائی بڑے تیز مزاج تھے۔ وہ اکثر میری ٹھکائی کر دیا کرتے تھے، جس سے میں اور زیادہ بیزار ہو جاتا۔ اور سوچنے لگتا تھا کہ ان کے ساتھ کام کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ میں برابر سوچا کرتا تھا کہ کوئی اور مشغلہ پیدا کر لوں اور آخر کار بالکل غیر متوقع طور پر ایک صورت نکل آئی۔ [۱]

ہمارے اخبار کے شائع شدہ بعض سیاسی مضامین جن کی تفصیل اب مجھے یاد نہیں، اسمبلی کے عتاب کا سبب بن گئے۔ وہ گرفتار کر لیے گئے مجرم ٹھہرائے گئے، اور ایک مہینے کی سزا اسپیکر کے پروانے کے مطابق انہیں دے دی گئی، میں بھی گرفتار ہوا اور کونسل کے سامنے پیش کیا گیا، لیکن اگرچہ میں کونسل کی تشفی نہ کر سکا، لیکن مجھے تنبیہ کر دینا کافی سمجھا گیا، اور رہا کر دیا گیا۔ شاید ممبرانِ کونسل کا خیال یہ تھا کہ میں تو ایک ماتحت ہوں، اور اپنے بالا دست کا راز، راز رکھنے پر مجبور ہوں۔

---

[۱] میرا خیال ہے کہ بھائی کا ظالمانہ اور سخت رویہ جو میرے ساتھ تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس طرح وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ میری خودمختارانہ روش سے وہ بیزار تھے۔ اور یہ چیز زندگی بھر میرے ساتھ چپکی رہی۔

(فرینکلن)

کرتے رہنے کا ایک نیا اقرار نامہ مجھے دینا پڑے گا جسے پرائیوٹ طور پر وہ اپنی تحویل میں رکھیں گے، یہ بڑی بے تکی سی بات تھی، لیکن فوراً ہی اس پر عمل درآمد ہوا، اور اخبار معمول کے مطابق جاری ہو گیا۔ اس پر جیمس کے بجائے میرا نام آنے لگا یہ سلسلہ کئی مہینے تک چلتا رہا۔

آخر کار میرے اور بھائی کے مابین ایک نیا تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا۔ میں اب اپنے آپ کو آزاد اور خود مختار سمجھ رہا تھا۔ اور یہ بات میرے ذہن میں بالکل نہیں تھی کہ وہ نئے اقرار نامے کو باقاعدہ حیثیت دینے کی کوشش کریں گے، یہ خیال کر لینا میرے لیے مناسب نہیں تھا، اور اسے میں اپنی زندگی کی پہلی بہت بڑی غلطی تصور کرتا ہوں لیکن اپنی نامعقولیت کا مجھے ذرا احساس نہیں تھا میری حرکت سے نالاں ہو کر کئی مرتبہ انھوں نے مجھ پر سختی کی، ورنہ ویسے ان کی فطرت بری نہیں تھی، شاید میں ہی ضرورت سے زیادہ گستاخ اور بے ادب ہو گیا تھا۔

بھائی نے جب محسوس کیا کہ اب میں ان کا ساتھ چھوڑ رہا ہوں، تو انھوں نے کوشش کی کہ شہر کے کسی دوسرے مطبع میں مجھے کوئی ملازمت نہ ملنے پائے، وہ ہر مالک مطبع کے پاس گئے، اور اسے میرے بارے میں خبردار کر دیا۔ میں جہاں بھی کام کی تلاش میں گیا مجھے کورا جواب مل گیا۔ اب میں نے نیویارک جانے کا فیصلہ کر لیا، جو قریب ترین مقام تھا، اور وہاں ایک پریس بھی تھا، میں بوسٹن کا قیام ویسے بھی ترک کر دینا چاہتا تھا۔ کیونکہ میرا خیال تھا، حکام مجھے

بھائی کے زمانہ اسیری میں جو ہمارے نجی اختلافات کے باوجود میرے لئے سخت رنج وہ تھی۔ میں نے اخبار کا نظم ونسق سنبھال لیا اور جرأت کے ساتھ ارباب حکومت پر نکتہ چینی بھی کی۔ جسے میرے بھائی نے تو پسند کیا لیکن دوسروں نے ناک بھوں چڑھائی کہ یہ نوخیز انشا پرداز حکومت پر طنز و توہین کی جرأت کرنے لگا ہے، میرے بھائی کو رہائی کے ساتھ ایوان کی طرف سے ایک پروانہ بھی ملا۔

"جیمس فرینکلن کو اب New England courant چھاپنے اور شائع کرنے کی اجازت نہیں ہے"!"

ہمارے مطبع میں دوست جمع ہوئے اور اس پروانے پر غور وخوض شروع ہوا کہ اس سلسلے میں بھائی کو کیا کرنا چاہیئے؟ بعض کی رائے یہ تھی کہ حکم تعمیل اس طرح کیا جائے کہ اخبار کا نام بدل دیا جائے۔ لیکن میرے بھائی کو یہ بات مناسب نظر نہیں آئی، آخر کافی بحث وگفتگو کے بعد طے یہ پایا کہ اخبار کا نام نہ بدلا جائے البتہ آئندہ سے جیمس فرینکلن کی بجائے بنجامن فرینکلن کا نام شائع کیا جائے۔ اور اسمبلی کی اس بدگمانی سے بچنے کے لیے کہ اخبار وہی شائع کر رہے ہیں، نام میرا دے دیا۔ چلہ یہ سوچا گیا کہ شروع شروع میں جو اقرار نامہ مجھ سے بہ حیثیت کارکن کے لیا گیا تھا وہ مجھے واپس کر دیا جائے، اور اس کی پشت پر مجھے اس سے آزاد قرار دیا جائے، تاکہ اگر کوئی موقعہ ہو، یا کوئی ضرورت پیش آئے تو میں اسے پیش کر سکوں، ساتھ ہی ساتھ بھائی کے اطمینان کے لیے کہ وہ میری خدمت سے بدستور فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔ باقی ماندہ مدت تک کے لیے حسب سابق کام

مطبع کو میں نے اپنے خدمات پیش کیے۔ یہ ایک بوڑھے سے آدمی تھے۔ ان کا نام ولیم بریڈ فورڈ تھا، پنسلورینا میں یہ پہلے مالک مطبع تھے، لیکن جارج کیتھ کے فضیئے میں یہ ہٹا دیے گئے، اب یہ اس قابل نہ تھے کہ مجھے کوئی ملازمت دے سکتے، وہ میرے لیے کچھ نہ کر سکے، لیکن میری مدد دل سے کرنا چاہتے تھے، انھوں نے کہا "فلاڈلفیا میں میرا بیٹا ابھی کچھ عرصہ ہوا، ایک اچھے کارکن سے محروم ہوگیا ہے اس کا نام اکیولا روز تھا، یہ مر گیا، اگر تم وہاں جاؤ تو مجھے یقین ہے وہ ضرور تمھیں رکھ لے گا، !"، فلاڈلفیا جانے کے لیے مزید ۱۰۰ میل کی مسافت سمندری راستے سے طے کرنا تھی، میں نے وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اپنا صندوق اور دوسرا سامان ایک اور کشتی پر لدوا دیا جو میرے پیچھے آ رہی تھی، اور خود ایک کشتی میں سوار ہوگیا، جو امبوئے جا رہی تھی۔

خلیج سے گزرتے ہوئے ہمیں ایک بہت بڑے طوفان کا سامنا کرنا پڑا جس نے کشتی کے بادبانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور ہمارا رخ جزیرہ کلاں کی طرف پھیر دیا۔۔۔۔۔ راستے میں ایک ولندیزی شرابی جو اسی کشتی سے سفر کر رہا تھا، سمندر میں گر پڑا۔ جب وہ ڈوب رہا تھا، میں نے اسے پکڑا اور کسی نہ کسی طرح پھر کشتی پر واپس لے آیا۔ اس حادثے سے وہ کچھ زیادہ متاثر نہیں ہوا، اور آرام سے سو گیا۔ اس کی جیب میں ایک کتاب تھی جو بھیگ گئی تھی، اس نے مجھ سے التجا کی تھی کہ اسے سکھا دوں، یہ میرے دیرینہ محبوب مصنف بنیان Bunyan کی کتاب (Pilgrim's progress) تھی، جس کا ولندیزی زبان میں یہ

شک و شبہ کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ اور میرے بھائی کے معاملہ میں اسمبلی جو نے خودمختارانہ اقدام کیا تھا اس کا اعادہ میرے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ اگر یہاں میرا قیام جاری رہا۔ تو میں جیل پہنچا دیا جاؤں گا۔ مزید یہ کہ مذہب سے میری ناعاقبت اندیشانہ بیزاری کے باعث اچھے لوگ مجھے ملحد اور دہریہ خیال کرنے لگے تھے میں ترک وطن کے فیصلے پر قائم تھا۔ لیکن والد میرے بھائی کے ہم نوا تھے میں نے محسوس کیا کہ اگر کھلم کھلا جاتا ہوں تو مجھے روکنے کی پوری کوشش کی جائے گی۔ میرے دوست کولن نے اس موقعہ پر میری دستگیری کی، اس نے نیویارک جانے والے جہاز کے کپتان سے میرے سفر کا بندوبست کر لیا۔ اس پر ظاہر یہ کیا کہ وہ جانتا ہے کہ ایک بدچلن عورت نے جو ایک بچہ کی ماں بھی ہے، میرا پیچھا لیا ہوا ہے، اور اس کے دوست مجھے اس کے ساتھ شادی کر لینے پر مجبور کر رہے ہیں، لہذا میں یہ سفر کھلم کھلا نہیں چھپ کر کروں گا، یہ طے ہو گیا تو میں نے اپنی کچھ کتابیں فروخت کر دیں اور تھوڑا سا روپیہ فراہم کر لیا اور جہاز پر خاموشی کے ساتھ دوسروں کی نظر سے بچتا ہوا سوار ہو گیا، ہوا ساز گار تھی، تین دن کے بعد میں نیویارک میں تھا، یعنی بوسٹن سے تقریباً ۳۰۰ میل دور ——— ۱۷ سال کا ایک نوجوان جس کے پاس نہ کوئی سفارش تھی نہ وہ کسی کو جانتا تھا اور بہت معمولی رقم جس کی جیب میں تھی۔

میرا سمندری سفر کا شوق اب کچھ ماند سا پڑ گیا، اب تو مجھے کچھ کرنے اور کمانے کی دھن تھی، چونکہ پریس کے کام سے اچھی طرح واقف تھا لہذا شہر کے ایک مالک

ترجمہ تھا۔ طباعت نہایت عمدہ، کاغذ اعلیٰ درجے کا، وضع اور تراش خراش میں اپنی زبان سے بھی بہت زیادہ خوش نما اور دیدہ زیب، تب ہی مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس کتاب کا یورپ کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، اور بائیبل کے علاوہ عام طور پر سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب یہی ہے، یہی مصنف تھا، جس سے میں نے سیکھا کہ بیان اور مکالمے میں امتزاج کس طرح پیدا کیا جاتا ہے۔ پڑھنے والے کو زیادہ سے زیادہ متاثر کرنے والا انداز تحریر کیسا ہوتا ہے۔ اسے پڑھنے والا اکثر مواقع پر یہ محسوس کرتا ہے کہ جو کچھ وہ پڑھ رہا ہے وہ مشاہدہ ہے، آپ بیتی ہے، ڈی فوئے Defoe نے اپنی کتاب crusso نیز Family اور Religious wartship اور Moll Flanders اور Instructor اور دوسری کتابوں اور تحریروں میں بڑی کامیابی کے ساتھ بیان کا چربہ اتارا ہے اسی طرح رچرڈسن نے اپنی کتاب Panela وغیرہ میں بھی طرز اختیار کیا ہے۔

جب ہم جزیرے کے قریب پہنچے تو ہم نے دیکھا یہ کچھ اس طرح واقع ہے کہ یہاں لنگر انداز ہونے کی کوئی جگہ ہی نہیں ہے، چٹائی ساحل پر بہت زیادہ کیچڑ جمع ہو گیا تھا، ہم نے وہیں لنگر ڈالا اور کنارے کی طرف کود گئے، کچھ لوگ پانی میں گر پڑے اور چیخ چیخ کر ہمیں اپنی طرف متوجہ کیا، ہم نے ان کی مدد کی لیکن ہوا کے جھکڑ اتنے زور سے چل رہے تھے اور کف دریا اتنا اونچا اٹھ رہا تھا کہ ہم ایک دوسرے کے الفاظ سننے سے قاصر تھے۔ کنارے پر ڈونگیاں موجود تھیں، ہم نے

اشاروں سے اور آواز دے کر ان لوگوں کو بتایا کہ ہمیں لے جائیں، لیکن یا تو وہ ہماری بات نہیں سمجھے یا ہماری استدعا انھیں ناقابل قبول نظر آئی، لہذا وہ چل دیئے، رات ہو چکی تھی، ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ جب تک ہوا کے جھکڑ ختم نہ ہو جائیں انتظار کریں، میں نے اور کشتی بان نے سوچا، یہ وقت سو کر صرف کیا جائے، بشرطیکہ نیند آجائے، لیکن موکھے میں ساتھ تھا اسی ولندیزی کا جواب تک بھیگا ہوا تھا، ہماری کشتی میں صفائی کے لیے جو چھڑکاؤ ہو رہا تھا اس کی پھواریں ہم تک بھی پہنچ رہی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم بھی ولندیزی کی طرح تر بتر ہو گئے، ساری رات تقریباً جاگتے گزاری۔ ذرا آرام نہ مل سکا۔ دوسرے روز ہوا کا طوفان ختم ہوا، ہم نے کوشش کی کہ جس طرح بھی ہو سکے رات ہونے سے پہلے امبوئے پہنچ جائیں۔ ہمیں تقریباً ۳۰ گھنٹے تک پانی میں رہنا پڑا تھا، کھانے پینے کو کچھ بھی ہمارے پاس نہیں تھا، صرف رم کی ایک بوتل تھی، سمندر کا پانی کھاری تھا۔ وہ پینے کے کام میں استعمال نہیں کیا جاسکتا تھا۔

شام کو میں نے بخار کی شکایت محسوس کی اور بستر پر جا کر دراز ہو گیا کہیں میں نے پڑھ رکھا تھا کہ بخار کی حالت میں زیادہ سے زیادہ پانی پینا بے حد مفید ہوتا ہے، میں نے اس "نسخہ" کو بے دھڑک استعمال کیا۔ رات کو خوب پسینہ آیا۔ صبح جب اٹھا تو بخار رخصت ہو چکا تھا، اور صبح کو گھاٹ پر جب اترا تو پا پیادہ درماندگی کی حالت میں چلا۔ یہاں سے برلنگٹن کی مسافت پچاس

میل تھی۔ مجھے بتایا گیا کہ فلاڈلفیا جانے کے لیئے وہاں سے کوئی کشتی مجھے کرائے پرلے لینی چاہیئے۔

دن بھر موسلا دھار بارش ہوتی رہی۔ اور میں خوب بھیگا۔ شام کو میں نے تکان محسوس کی، ایک معمولی سی سرائے میں قیام کیا۔ ساری رات یہیں گزاری۔ بار بار یہی سوچ رہا تھا، کاش میں نے گھر نہ چھوڑا ہوتا۔ میری حالت اتنی خستہ ہوگئی تھی، اور میری صورت ایسی لگنے لگی تھی کہ ایک آدمی مجھ سے پوچھ بیٹھا کہ میں کسی کا بھاگا ہوا ملازم تو نہیں ہوں، اب مجھے یہ خطرہ لاحق ہوگیا کہیں اسی شبہ میں پکڑ نہ لیا جاؤں۔ بہرحال دوسرے دن میں نے اپنا سفر پھر شروع کر دیا۔ شام کو پھر ایک سرائے میں بسیرا کیا۔ یہ جگہ برلنگٹن سے کوئی دس میل کے فاصلے پر تھی۔ ڈاکٹر براؤن اس کے منتظم تھے۔ میرے ناشتے کے دوران میں ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے باتیں شروع کر دیں، اور یہ معلوم کر کے کہ میں کچھ پڑھا ہوا بھی ہوں بہت شفقت اور مہربانی سے پیش آئے۔ ہمارے روابط موصوف کی زندگی بھر قائم رہے میرے خیال میں یہ جہاں گشت ڈاکٹر تھے۔ کیونکہ انگلستان کا کوئی شہر اور یورپ کا کوئی ملک ایسا نہیں تھا جس کے متعلق وہ معلومات و مشاہدات کا ذخیرہ نہ رکھتے ہوں۔ وہ صاحب علم اور مخلص آدمی تھے۔ لیکن تھے لامذہب، بہت بھونڈے انداز میں بائیبل کا مذاق بے تکے اشعار کہہ کہہ کر اڑایا کرتے تھے، بالکل کاٹن اور رجل جیسا معاملہ تھا، اس طریقے سے انھوں نے بہت سے حقائق کو مسخ کر کے پیش کیا تھا، اگر کہیں یہ چیزیں ان کی شائع ہو جاتیں تو کم فہم لوگ یقیناً اُن سے

متاثر ہوتے۔ شکر ہے شائع نہ ہوسکیں۔

بہر حال یہ رات میں نے ڈاکٹر صاحب کے ہاں گزاری، اور دوسری صبح برنگٹن پہنچ گیا۔ لیکن یہ معلوم کر کے صدمہ ہوا کہ میری آمد سے کچھ ہی دیر پہلے نظام اوقات پر عمل کرنے والی کشتیاں روانہ ہو چکی تھیں۔ یہ سنیچر کا دن تھا۔ اور منگل تک کوئی دوسری کشتی جانے والی نہیں تھی۔ یہاں سے میں ایک بوڑھی عورت کے ہاں شہر میں گیا۔ جس سے میں نے روٹی خریدی۔ اور اسے پانی کے ساتھ کھا لیا۔ پھر میں نے اس سے مشورہ لیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ اس نے کہا جب تک کشتی نہیں جاتی ہے یہیں میرے ہاں ٹھہر جاؤ، میں چلتے چلتے بہت تھک چکا تھا۔ یہ پیش کش میں نے فوراً قبول کر لی، یہ جان کر میں پریس کا کام جانتا ہوں اس نے چاہا میں اسی شہر میں ٹھہر جاؤں اور کاروبار طباعت شروع کر دوں، اسے کیا معلوم کہ یہ کام شروع کرنے کے لوازمات کیا ہیں۔ یہ بڑی مہمان نواز عورت تھی، رات کا کھانا بڑی اچھی طرح کھلایا۔ بدلے میں صرف ایل کے ایک جام پر قناعت کر لی، میں نے طے کر لیا کہ اب منگل تک یہیں رہنا ہے۔ شام کو جب ساحل پر ٹہلتا ہوا جا نکلا ایک کشتی قریب آئی، معلوم کیا تو پتہ چلا کہ فلاڈلفیا جا رہی ہے، کئی اور مسافر بھی اس پر سوار تھے۔ ان لوگوں نے مجھے بھی شریک سفر کر لیا چونکہ طوفانی ہوا ختم ہو چکی تھی، لہذا بڑے آرام سے کشتی رواں رہی، خیال یہ تھا کہ آدھی رات کے قریب گو ابھی شہر کی جھلکیاں نظر نہیں آئی تھیں۔ لیکن بعض لوگوں نے بڑے تیقن کے ساتھ کہا ہم شہر پار کر آئے ہیں۔ اب مزید آگے جانے

کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسروں کو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ درحقیقت اس وقت ہم ہیں کہاں۔ آخر ہم نے کشتی کا رخ کنارے کی طرف موڑ دیا۔ اور ایک کھاڑی کے پاس پہنچ گئے۔ یہاں ایک پرانا احاطہ تھا، وہاں سے کچھ لکڑیاں جمع کرکے ہم نے آگ سلگائی، اکتوبر کا مہینہ تھا، رات کافی خشک تھی، صبح کے نمودار ہونے تک ہم یہیں رہے، اب ہم میں ایک مسافر نے بتایا کہ یہ تو کوبر کی کھاڑی ہے، یعنی فلاڈلفیا سے ذرا ورے کھاڑی سے جیسے ہی ہم نکلے، شہر دکھائی دینے لگا۔ اتوار کے دن صبح نو بجے کے قریب ہم مارکٹ اسٹریٹ کے گھاٹ پر لنگر انداز ہوئے۔

اپنے سفر کی روداد ذرا تفصیل سے میں نے بیان کی ہے، اس طرح شہر میں، پہلی مرتبہ داخلے کا بھی ذکر کروں گا۔ تاکہ تم صحیح صحیح اندازہ کرسکو کہ زندگی کا آغاز کرتے ہوئے کیسی کیسی کٹھنائیوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، میں کام کرنے کا لباس پہنے ہوئے تھا، میرے بہترین ملبوسات سمندر کے راستے دوسرے جہاز سے آرہے تھے، اس سفر نے میرے لباس کو بہت میلا کر دیا تھا۔ میری جیبیں الم غلم چیزوں سے بھری ہوئی تھیں، سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہاں ڈیرا جماؤں؟ سفر نے ماندگی الگ طاری کر رکھی تھی، جی چاہتا تھا، آرام کرلوں، بھوک نے الگ نڈھال کر رکھا تھا۔ اور میری ساری پونجی صرف ایک ولندیزی ڈالر اور ایک شلنگ پر مشتمل تھی، رقم کا آخری حصہ میں نے کشتی والے کو کرائے کے طور پر دیا، جسے از راہ کرم اس نے قبول کرنے سے قطعاً انکار کر دیا

کیونکہ کشتی رانی میں میں نے بھی حصّہ لیا تھا۔ میں اسے کافی سمجھ رہا تھا۔ میں نے پھر اصرار کیا کہ یہ رقم قبول کرلی جائے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس آدمی کی جیب خالی ہوتی ہے تو وہ زیادہ فیّاض ہوجاتا ہے، بہ نسبت اس وقت کے، کہ جب اس کے پاس دولت ہوتی ہے، شاید کچھ ایسی ہی کیفیت اس وقت میری بھی تھی۔

اب میں مٹرگشت کو نکل کھڑا ہوا، یہاں تک کہ مارکٹ ہاؤس پہنچ گیا۔ یہاں ایک لڑکا دیکھا جس کے ہاتھ میں ڈبل روٹی تھی۔ میں نے کئی وقت صرف روٹی ہی پر گزارے تھے، اس سے پوچھا روٹی ادھر کہاں ملتی ہے؟ اس کے بتائے ہوئے پتے پر میں فوراً پہنچ گیا۔ یہ دوکان دوسری گلی میں تھی۔ یہاں آتے ہی میں نے بسکٹ طلب کیے، خیال تھا بوسٹن کے سے ، بسکٹ یہاں بھی ملتے ہوں گے، لیکن معلوم ہوا میرا خیال غلط تھا۔ فلاڈلفیا میں نہیں بنتے، پھر میں نے تین پنی کا ایک نان پاؤ طلب کیا معلوم ہوا وہ بھی نہیں ہے۔ آخر میں نے قیمت زر کی کمی بیشی پر غور کیا، اور یہاں کی ارزانی کو لحاظ میں لائے ہوئے اور روٹیوں کے اقسام اور نام پر غور کیے بغیر کہا تین پنی کی جو اور جتنی روٹی بھی دے سکو دیدو، دوکان دار نے تین بڑے بڑے نان پاؤ مجھے تھما دیئے، یہ بڑی مقدار دیکھ کر حیرت تو مجھے بہت ہوئی لیکن بولا کچھ نہیں، جیب میں اتنی جگہ نہیں تھی کہ اس میں سما سکتے، دو نان پاؤ تو میں نے ایک ایک بغل میں دابے، اور تیسرا کھانا شروع کر دیا۔ اب میں چلتا چلتا مارکیٹ اسٹریٹ سے فورتھ اسٹریٹ تک

بات بھی تو میرے کان میں نہیں پڑی، گذشتہ رات ذرا آرام نہ کرسکا تھا، اور اب
تھک کر چور ہو چکا تھا۔ میں فوراً ہی بے خبر سو گیا۔ اور جب تک مجلس برخواست
نہیں ہو گئی سوتا رہا۔ پھر ایک آدمی نے مجھے جگا دیا۔ فلاڈلفیا میں یہ پہلا مکان
تھا، جس میں قدم رکھنے کا مجھے موقعہ ملا۔ یا جہاں میں ٹانگیں پھیلا کر سویا۔!،

دوبارہ پھر میں دریا کی طرف روانہ ہوا۔ لوگوں کے چہروں پر نظر ڈالتا جاتا
تھا، کہ مجھے ایک نوجوان کیکر نظر آیا۔ جو مجھے بھایا، اس سے میں نے پوچھا کوئی ایسی
جگہ بھی مل سکتی ہے جہاں ایک مسافر قیام کر سکے؟ اس نے جواب دیا، ایک
جگہ ہے تو ایسی جہاں اجنبیوں کو ٹھہرایا جاتا ہے، لیکن وہ کوئی اچھی جگہ نہیں ہے
اگر میرے ساتھ چلو تو میں تمہیں اچھی جگہ پہنچا سکتا ہوں۔ وہ مجھے واٹر اسٹریٹ
میں ایک مقام کروکڈ بلیٹ لے گیا۔ یہاں میں نے رات کا کھانا کھایا، کھانے
کے دوران میں بعض سہل قسم کے سوالات مجھ سے کیے گئے۔ کیونکہ میری نوجوانی
اور ہیئت کذائی سے شبہ ہو رہا تھا کہ میں کوئی بھگوڑا ہوں۔

کھانے سے فراغت کے بعد نیند پھر ستانے لگی۔ مجھے ایک بستر دے دیا گیا۔
لباس بدلے بغیر میں فوراً دراز ہو گیا۔ اور رات گئے تک سوتا رہا۔ اب میں نے
نہا دھو کر کپڑے بدلے، اور اینڈریو بڈ فورڈ مالک مطبع کے پاس گیا۔ یہاں وہ بڑے
میاں بھی نظر آئے، جنہوں نے مجھے یہاں بھیجا تھا، یعنی بڈ فورڈ کے والد، ان
سے نیویارک میں میری ملاقات ہوئی تھی، یہ چونکہ گھوڑے پر آئے تھے، لہٰذا

آگیا تھا۔ میرا گذر اپنے مستقبل کے خسر مسٹر ریڈ کے گھر کی طرف سے ہوا، ان کی لڑکی دروازے پر کھڑی تھی۔ اس نے مجھے دیکھا اور میری ہیئت کذائی دیکھ کر رہ گئی۔ یہاں سے مڑا تو چسنٹ اسٹریٹ کی طرف نکل گیا۔ کچھ حصہ والنٹ اسٹریٹ کا بھی طے کیا، راستے بھر وہ بڑا سا نان پاؤ جو ختم ہونے میں نہیں آرہا تھا کھاتا رہا، اب دیکھتا ہوں تو گھومتا گھامتا پھر مارکٹ اسٹریٹ کے گھاٹ پر پہنچ گیا تھا، کشتی کے قریب گیا، سوچا ذرا دریا کی سیر کر لوں، میں تو ایک ہی نان پاؤ سے سیر ہو چکا تھا، باقی دو ایک عورت اور اس کے بچے کو دے دیئے، یہ بھی ہمارے ہم سفر تھے، اور کہیں آگے جانے کے لیے کشتی کی روانگی کے منتظر تھے۔

تازہ دم ہو کر پھر میں نے چہل قدمی شروع کر دی۔ اس وقت اس سڑک پر بہت سے لوگ عمدہ عمدہ لباس میں ملبوس چلتے پھرتے نظر آئے۔ یہ سب ہی اسی راستے چل رہے تھے، میں بھی ان کے ساتھ شریک ہو گیا، آخر کار بھی مجلس خائفین[۱] کے بڑے اجتماع میں جو مارکٹ کے قریب ہو رہا تھا، ہم پہنچ گئے۔ میں بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ لیکن ایک

۱؎ یہ ایک عیسائی فرقہ تھا، جسے ۱۶۴۸ء میں جارج فاکس نے قائم کیا تھا۔ گویا مذہبی لوگ تھے، لیکن اپنے اجتماعات میں پادریوں اور اسقفوں کو نہ شریک کرتے تھے، نہ انہیں کسی قسم کا دخل دینے کا مجاز تصور کیا جاتا تھا۔

(مترجم)

مجھ سے پہلے فلاڈلفیا پہنچ گئے، انھوں نے اپنے بیٹے سے میرا تعارف کرایا، جسنے نہایت شائستگی کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا۔ ناشتہ بھی کرا دیا۔ لیکن کہا کہ فی الحال تو کسی آدمی کی پریس میں گنجائش نہیں ہے، کیونکہ ابھی حال میں ایک آدمی رکھا جا چکا ہے، لیکن شہر میں ایک اور مطبع ہے، جس کے مالک مسٹر کیمر ہیں، شاید وہ ملازم رکھ لیں، اگر انھوں نے بھی نہ رکھا تو شوق سے ہمارے گھر رہ سکتے ہو، اور کچھ تھوڑا بہت کام بھی ہم دے دیا کریں گے۔ تاکہ گزر بسر کر سکو، اور کام تلاش کر سکو۔

بڑے میاں کہنے لگے چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ دوسرے مالک مطبع کے ہاں، انھوں نے مسٹر کیمر سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا آپ کے کام کا ایک آدمی لایا ہوں۔ غالباً آپ کو ایسے آدمی کی ضرورت ہو گی۔ کیمر نے مجھ سے کچھ سوالات کیے، اور میری کمپوزنگ کا ڈھنگ بھی دیکھا، پھر فرمایا، میں بہت جگہ تمہیں نوکر رکھ لوں گا۔ لیکن فی الحال گنجائش نہیں ہے، بوڑھے بریڈ فورڈ کو کیمر صاحب نہیں جانتے تھے، ان کے بارے میں انھوں نے یہی خیال کیا کہ شہر کے کوئی بھلے آدمی ہیں۔ جو ان کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہیں۔ دوران گفتگو میں اپنے کام اور مستقبل کے بارے میں کچھ باتیں بتاتے رہے، کیمر صاحب نے کہا، میں توقع کرتا ہوں کہ بہت جلد اس بزنس کا بہت بڑا حصّہ میرے تصرّف میں ہو گا۔ بریڈ فورڈ نے بڑی ہوشیاری سے کسی قسم کے شک و شبہ کا موقع دئے بغیر کئی سوالات کیے، مگر یہ نہیں ظاہر ہونے دیا کہ وہ بھی اس لائن سے کچھ

مفاد وابستہ رکھتے ہیں، نہ یہ پوچھا کہ کیمر صاحب اپنے کام کو وسعت کس نہج پر دیں گے، میں چپ چاپ کھڑا یہ باتیں سن رہا تھا۔ میں نے فوراً ہی محسوس کر لیا کہ ان دونوں میں سے ایک بہت ہی چالاک اور عیار قسم کا آدمی ہے۔ اور دوسرا بالکل نو آموز اور اناڑی، ! بریڈ فورڈ کیمر کے پاس مجھے چھوڑ کر چلا گیا جب میں نے کیمر کو بتایا کہ یہ بریڈ فورڈ تھا تو وہ غرقِ حیرت ہو گیا۔

کیمر کا پرنٹنگ ہاؤس ایک ناکارہ سی مشین اور تھوڑے ٹائپ پر مشتمل تھا۔ وہ خود ہی کمپوزنگ اور طباعت کا کام کر لیا کرتا تھا۔ آج کل وہ اکیولا روز کا مرثیہ کمپوز کر رہا تھا، جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے، جو ایک نستعلیس نوجوان تھا، کردار کے لحاظ سے بلند، شہر میں معزز اور محبوب، اسمبلی کی ملازمت سے وابستہ، اور بہت اچھا شاعر، خود کیمر بھی شعر کہا کرتا تھا، لیکن یوں ہی سے 'وہ اپنے اشعار قلم بند نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ شعر موزوں کرتا جاتا تھا اور ٹائپ کرتا جاتا تھا۔ لہذا کسی مسودے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ وہ ٹائپ کے دو فونٹ کیس پاس رکھ لیتا تھا۔ اور مرثیہ کا کام اتنا تھا کہ جو ٹائپ تھا وہ اسی میں لگ رہا تھا، کسی دوسرے مددگار کی اسے ضرورت نہ تھی، میں نے کوشش کی کہ اس کے پریس کو صحیح طور پر چالو کر دوں۔ جس کی طرف اس نے کوئی توجہ نہیں کی تھی، اور یہ کام وہ جانتا بھی نہیں تھا، میں نے اس سے وعدہ کر لیا کہ جیسے ہی اس نے مرثیہ کمپوز کر لیا، میں آ کر اس کی طباعت شروع کر دوں گا، اس گفتگو کے بعد میں بریڈ فورڈ کے ہاں آ گیا، جس نے وقتی طور پر تھوڑا سا کام مجھے دے دیا۔ وہیں میرے

قیام کا بند وبست ہو گیا، کھانا بھی وہیں کھانے لگا، چند روز بعد کیمر نے مجھے مرثیہ چھاپنے کے لیے بلایا، اب اس نے ٹائپ کے دو کیس اور لے لیے تھے، اور ایک پمفلٹ بھی، دوسرا ایڈیشن چھاپنے کے لیے حاصل کر لیا تھا، اسی کام پر اس نے مجھے لگا دیا۔

ان دونوں مالکان مطبع ——— بریڈ فورڈ اور کیمر ——— کو میں نے بالکل نکما پایا، اس کام کے یہ اہل ہی نہیں تھے، بریڈ فورڈ کا حال یہ تھا کہ بالکل ان پڑھ اور جاہل، کیمر کسی حد تک تعلیم یافتہ تھا، لیکن کمپوزنگ کے سوا کچھ نہیں جانتا تھا، پریس کے کام سے اسے ذرا بھی واقفیت نہ تھی، وہ فرینچ نمائندوں کا زبردست حامی تھا۔ اور ان کے لیے سرگرمی سے مصروف کار رہتا تھا، وہ کسی خاص فرقے سے اپنے آپ کو منسوب نہیں کرتا تھا۔ لیکن موقع ہو تو ہر فرقے سے تعلق ظاہر کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھتا تھا، احوال دنیا سے بالکل بے خبر اور جیسا کہ بعد میں مجھے معلوم ہوا اس کی شاعری بھی تمام تر غیر شائستہ اور نامعقول نہج پر مبنی تھی۔ بریڈ فورڈ کے ہاں میرا قیام اسے سخت ناپسند تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کام اس کے ہاں کروں، اور رہوں بریڈ فورڈ کے ہاں، اس کا ایک گھر تھا تو ضرور، لیکن سامان اور فرنیچر سے خالی، لہٰذا یہاں مجھے وہ رکھ نہیں سکتا تھا، آخر اس نے مسٹر ریڈ ——— جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے، ——— کے ہاں میرے قیام کا بندوبست کیا۔ جو اس کے مکان کے مالک تھے، اس وقت میرے ملبوسات وغیرہ بھی دوسرے جہاز سے آ چکے تھے، مس ریڈ نے پہلے پہل اس سے پہلے جس ہیئت کذائی

میں مجھے نان پاؤ کھاتے، مٹر گشت کرتے دیکھا تھا، اس معاملے میں اب میں کہیں زیادہ مردِ معقول نظر آ رہا تھا۔

میں نے شہر کے نوجوان طبقے سے راہ و رسم پیدا کرنے کی طرح ڈالی۔ یہ لوگ مطالعہ کے شائق تھے۔ ان کے ساتھ شام کا وقت بہت اچھا گزر جاتا تھا، اپنی محنت اور کفایت شعاری کی باعث کچھ روپیہ جمع کرنے لگا تھا، میں بہت سادہ زندگی بسر کر رہا تھا، کہ اپنے ہمراز کولنس کے سوا کسی کو اپنی جائے قیام کا پتہ نہ چلنے دوں اس سے خط کتابت جاری تھی۔ لیکن میرے بارے میں اس نے بھی منہ پر مہر لگا رکھی تھی، آخر کار ایک سانحہ ایسا پیش آیا کہ مجھے ایک مرتبہ پھر بوسٹن کا رخ کرنا پڑا، حالانکہ ابھی میر قصد نہیں تھا، میرے ایک بہنوئی تھے، رابرٹ ہومس یہ بوسٹن اور ڈیلاویر کے مابین اپنی ایک مستولی کشتی چلایا کرتے تھے، یہی ان کا پیشہ تھا، ان کا قیام نیو کاسل میں تھا، جو فلاڈلفیا کے زیریں علاقے میں چالیس میل کے فاصلے پر تھا، انھیں سُن گُن مل گئی، کہ میرا قیام فلاڈلفیا میں ہے، انھوں نے ایک خط لکھ کر بوسٹن سے میرے یکایک چلے آنے کے باعث میرے دوستوں کی پریشانی اور اضطراب کی داستان لکھی، اور ان کی طرف سے یقین دلایا کہ وہ ہر طرح سے ساتھ دینے کو تیار ہیں، یہ بھی لکھا کہ اگر میں بوسٹن واپس چلا جاؤں تو ہر بات میری مرضی کے مطابق ہو گی، اُنھوں نے نہایت اصرار کے ساتھ مجھے بوسٹن واپس جانے کی ترغیب دی تھی، میں نے فوراً ایک خط لکھ کر ان کے اس مشورے کا شکریہ ادا کیا، ساتھ ہی ساتھ بوسٹن چھوڑ دینے کے تمام وجوہ و اسباب

ملنے آیا ہے، لیکن اس نے میرے متعلق دریافت کیا، اندر آیا اور مجھ سے بہت مہربانی اور لطف و کرم کے ساتھ پیش آیا، جو میرے لئے بالکل نئی چیز تھی، اس نے میرے لیے بڑے دل بڑھانے والے الفاظ استعمال کیے۔ مجھ سے زیادہ ربط پیدا کرنے کا شوق ظاہر کیا، اور اپنایت کیساتھ ملامت کی، کہ میں نے یہاں آتے ہی اس سے ملاقات کیوں نہیں کی، اور اپنے آپ کو اس سے متعارف کیوں نہیں کرایا، پھر مجھے وہ اپنے ساتھ ایک بادہ خانے میں لے گیا، جہاں کرنل فرنچ کے ساتھ مدیرا (Madeira) (انگوری مدیرا کی سفید شراب) سے شغل کرنے کا پروگرام بنا کر نکلا تھا، میرے ساتھ گورنر کا یہ برتاؤ دیکھ کر کیمر جل کر کوئلہ ہوا جا رہا تھا، بہرحال گورنر اور کرنل فرنچ کے ساتھ ایک بادہ خانے کی طرف روانہ ہوا، جو تھرڈ اسٹریٹ کے کنارے پر واقع تھا، مدیرا سے شغل کرتے ہوئے اس نے تجویز پیش کی کہ میں خود اپنا کام شروع کروں، کامیابی کے امکانات پر بھی سیر حاصل گفتگو کی، اس نے اور کرنل فرنچ، دونوں نے یقین دلایا کہ دونوں حکومتوں کا سرکاری کام دلانے میں وہ اپنا پورا اثر و رسوخ استعمال کریں گے، میں نے اس بات پر شک کا اظہار کیا، کہ آیا والد بھی اس کام میں میرے ساتھ تعاون کر سکیں گے، سر ولیم نے کہا وہ ایک خط والد کے نام لکھ کر دیں گے، جس میں وہ اس کاروبار کے فوائد واضح کریں گے، نیز یہ کہ انھیں یقین کامل تھا، والد اس تجویز سے اتفاق کریں گے، طے یہ ہوا کہ فی الحال یہ ارادہ راز میں رکھا جائے، اور میں کیمر کے ساتھ بدستور کام کرتا رہوں، گورنر اکثر کھانے پر مجھے بلا لیا کرتا تھا، جو بہت بڑا اعزاز تھا، ہمارے مابین بڑے دوستانہ

بھی تفصیل سے لکھ دیے، میں نے انھیں قائل کرنے اور یہ باور کرانے کی پوری کوشش کی تھی، کہ میں بے قصور ہوں۔

سر ولیم کیتھ اس زمانے میں صوبے کے گورنر اور نیو کاسل میں مقیم تھے، اور کیپٹن ہومس بھی انھی کے پاس مقیم تھے، جب میرا خط انھیں دستیاب ہوا، انھوں نے باتوں باتوں میں گورنر صاحب سے میرا ذکر بھی کر دیا، اور میرا خط بھی انھیں دکھایا، گورنر نے میرا خط پڑھا اور جب انھیں میری عمر بتائی گئی، تو بہت متعجب ہوئے، انھوں نے کہا یہ نوجوان تو بہت ہونہار معلوم ہوتا ہے، لہٰذا حوصلہ افزائی کا مستحق ہے، فلاڈلفیا کے پریس والے نامعقول لوگ ہیں، اگر میں خود اپنا کام شروع کر دوں تو ضرور مجھے کامیابی ہوگی، وہ مجھے کام دلانے اور ہر طرح میری ——— امداد و اعانت کرنے پر آمادہ تھے، یہ بات بعد میں میرے بھائی نے بوسٹن میں مجھے بتائی، اس سے پہلے اس کی سن گن بھی مجھے نہیں ملی تھی، بہر حال ایک روز دروازے کے پاس بیٹھے کیمر اور میں کام میں مصروف تھے کہ ہم نے دیکھا گورنر ایک آدمی کے ساتھ ——— بعد میں پتہ چلا یہ نیو کاسل کے کرنل فرینچ تھے، ——— بہت اچھے لباس میں ملبوس سیدھے ہمارے گھر کی طرف چلے آرہے ہیں، دروازے پر ان کی باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔

کیمر بے تحاشا گورنر کی طرف بھاگا، اس کا خیال تھا، گورنر اس سے

کام میں مشغول ہو گئے۔

بھائی کے پریس کے کاریگر اور مستری مجھ سے بصد شوق پوچھنے لگے، اب تک میں کہاں تھا، وہ کس طرح کا حصۂ ملک ہے، اور آیا میں اسے پسند کرتا تھا؟ میں شدت کے ساتھ اپنے عزم واپسی کا اظہار کرنے لگا تھا، ان میں سے کسی ایک نے سوال کیا وہاں کا روپیہ کیسا ہوتا ہے؟ میں نے چاندی کے مٹھی بھر سکے نکالے اور سامنے ڈھیر کر دیئے، بوسٹن میں کاغذ کا سکہ چلتا تھا، میرے پیش کیے ہوئے سکے ان کے لیے طرفہ ماجرا ثابت ہوئے، پھر میں نے انھیں اپنی گھڑی دکھائی، آخر ——— بھائی کا منہ اب تک پھولا ہوا تھا، اور وہ اکھڑے اکھڑے سے نظر آرہے تھے، ——— میں نے آٹھ روپے دیئے کہ خوب شراب پیئیں، اور اُٹھ کھڑا ہوا، میری یہ حاضری بھائی کو بہت کھلی، کیونکہ جب کچھ دیر بعد والدہ نے ان سے کہا کہ وہ مجھے معاف کر دیں، اور اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ ہم دونوں کو وُہ آپس میں میل محبت کے ساتھ رہتا دیکھنا چاہتی ہیں، اور آئندہ سے ہمیں بھائیوں کی طرح مل جل کر رہنا چاہیئے۔ وہ کہنے لگے، اس نے میرے آدمیوں کے سامنے میری سخت توہین کی ہے، یہ بدتمیزی نہ وہ بھول سکتے ہیں نہ معاف کر سکتے ہیں،، اس طرح انھوں نے ایک بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا۔

میرے والد گورنر کا خط دیکھ کر ششدر رہ گئے، لیکن چند روز تک اس

اور مخلصانہ انداز میں گفتگو ہوا کرتی تھی۔

۱۷۲۴ء کے آخر میں ایک چھوٹا سا جہاز بوسٹن روانہ ہوا کیمر سے میں نے رخصت لے لی کہ اپنے دوستوں سے ملنے جارہا ہوں، گورنر نے والد کے نام خط دے دیا، جس میں میری بڑی تعریف و توصیف تھی، اور بڑے اصرار کے ساتھ انھیں مشورہ دیا کہ فلاڈلفیا میں اپنا کاروبار شروع کرنے میں وہ میری تائید کریں کہ اسی سے میرا مستقبل وابستہ ہے، خلیج میں جا کر ہم ایک اتھلے مقام پر پھنس گئے، یہاں جہاز میں پانی آنے لگا، سب اسے باہر پھینکنے میں جٹ گئے میں نے بھی پورا حصہ لیا، تقریباً پندرہ روز میں صحیح سلامت ہم بوسٹن پہنچ گئے، میں سات ماہ تک یہاں سے غیر حاضر رہا تھا، اور میرے دوستوں کو میرے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی کیونکہ میرے بہنوئی ہومس اب تک یہاں نہیں آئے تھے، اور انھوں نے میرے متعلق یہاں کچھ لکھا بھی نہیں تھا، میری غیر متوقع آمد نے سارے گھر کو حیران کر دیا۔ مجھے دیکھ کر سب ہی نے خوشی اور مسرت کا اظہار کیا اور گرم جوشی کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا، البتہ میرے بھائی کا منہ پھولا ہوا تھا، میں ان سے ملنے ان کے پرنٹنگ ہاؤس گیا، میں جب ان کے پاس کام کر رہا تھا اس کے مقابلے میں میری حالت اب ٹھیک سدھری ہوئی، اور بہتر تھی، نہایت شاندار سوٹ زیب بدن تھا، ایک عمدہ سی گھڑی بھی تھی، اور تقریباً پانچ اسٹرلنگ پونڈ (چاندی کے) میری جیب میں تھے، وہ بہت روکھے انداز میں ملے، میرے اوپر ایک نظر ڈالی، اور اپنے

میرے والد نے اگرچہ سر ولیم کی تجویز منظور نہیں کی، لیکن اس بات سے بہت خوش تھے کہ میں نے ایک ایسے بلند مرتبت شخص کی سرپرستی کی اہلیت ایک اجنبی مقام پر جاکر پیدا کر لی تھی، اور یہ کہ میں نے محنت اور احتیاط کی زندگی بسر کر کے اتنے مختصر عرصے میں کچھ پس انداز بھی کر لیا، لہذا یہ دیکھ کر کہ مجھ میں اور بھائی میں نہیں نبھ سکتی، انھوں نے مجھے پھر فلاڈلفیا جانے کی اجازت دے دی۔ اور نصیحت کی کہ وہاں کے لوگوں کے ساتھ عزت واحترام کا برتاؤ کروں۔ وہاں کے لوگوں میں اپنے لئے عزت واحترام کے جذبات پیدا کرنے کی کوشش کروں اور لوگوں سے الجھنے اور بھڑنے کی عادت چھوڑ دوں۔ کیونکہ ان کا خیال تھا، یہ میری فطرت بنتی جارہی تھی، انھوں نے کہا اگر محنت وکفایت شعاری کے ساتھ رہو گے تو ۲۱ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے ابھی خاصی رقم پس انداز کر لو گے اور پھر اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی قوت پیدا کر لو گے۔ یہ بھی کہا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو اگر کچھ سرمایہ کی کمی ہوئی تو وہ میری مدد بھی کریں گے۔ بس یہ کچھ تھا، جو بوسٹن جاکر مجھے ملا، یا والدہ اور والد کا محبت آمیز سلوک۔ آخر ایک مرتبہ پھر نیویارک کے ارادہ سے میں جہاز پر سوار ہوا، —— اس مرتبہ والدین کی منظوری اور دُعا مجھے حاصل تھی۔!

جزیرہ رہوڈ کے نیوپورٹ پر ہماری یک مستولی کشتی ٹھہری، تو میں اپنے بھائی جان سے جاکر ملا۔ جو گذشتہ چند سال سے یہیں بود وباش اختیار کیے ہوئے تھے، اور شادی بھی یہیں کر لی تھی، بڑی محبت سے ملے، وہ ہمیشہ سے

بارے میں کوئی خاص بات چیت نہیں کی، جب کیپٹن ہومس واپس آتے، تو انہیں یہ خط دکھایا اور پوچھا، آیا وہ کیتھ کو جانتے ہیں، اور یہ کہ وہ کس طرح کے آدمی ہیں، ساتھ ہی ساتھ اپنی یہ رائے بھی ظاہر فرمائی کہ وہ اسے موزوں نہیں تصور فرما سکتے، جولڑکا ابھی تین سال کے بعد پورے طور پر جوان ہوگا، اسے ابھی سے کاروبار میں ڈال دیا جائے، ہومس نے انھیں راہ پر لانے کی اپنی طرف سے پوری کوشش کی، لیکن میرے والد کو یہ بات بالکل نہیں جچی، اور آخر کار انھوں نے صاف الفاظ میں انکار کر دیا، بعد ازاں اُنھوں نے سر ولیم کیتھ کو ایک خط لکھا، ان کا شکریہ ادا کیا کہ وہ میری سرپرستی پر از راہ کرم مائل ہیں، لیکن مجھے کاروبار میں خود مختار بنانے پر آمادگی کا اظہار نہیں کیا، ان کے خیال میں ابھی اس قسم کے اہم کاروبار کو سنبھالنے کی اہلیت اپنی کم عمری کے باعث بالکل نہیں رکھتا تھا، اور جس کو روبہ کاروبار لانے میں مصارف بھی کافی زیادہ تھے۔

میرا دوست اور ساتھی کولنس جو ایک ڈاک خانے میں کلرک تھا، میرے نئے ملک "______ فلاڈلفیا ______" کا حال سُن کر بہت خوش ہوا، اور وہاں جانے پر تیار ہو گیا، اور اسی اثنا میں کہ میں والد کے آخری فیصلے کا انتظار کر رہا تھا، اس نے خشکی کے راستے جزیرہ رہوڈ کا عزم سفر کر لیا، اپنی کتابیں چھوڑتا گیا، جنھیں ریاضی اور فلسفۂ طبیعی کا بہت عمدہ ذخیرہ قرار دیا جاسکتا تھا۔ طے یہ ہوا کہ یہ چیز اپنے ساتھ لے کر میں نیویارک آجاؤں، جہاں وہ میرا انتظار کریگا۔

یہ اجنبی ہیں، تمہاری بھلائی کے لیے میری صلاح یہ ہے کہ ان سے کوئی ربط و تعلق نہ رکھو! "چونکہ میں شروع میں انہیں برا نہیں سمجھتا تھا، جیسا یہ خاتون سمجھ رہی تھی، اس نے ان کی چند چیزوں کی طرف میری توجہ مبذول کی، جنھیں اس نے بطور خاص محسوس کیا تھا، اور میں نے توجہ نہیں کی تھی، بہر حال اس گفتگو کے بعد میں محتاط ہو گیا کہ یہ خاتون جو کچھ کہہ رہی ہے درست ہی ہے، میں نے اس نیک مشورے پر اس کا شکریہ ادا کیا، اور وعدہ بھی کیا کہ اس پر عمل بھی کرونگا جب ہم نیویارک پہنچے تو ان دونوں عورتوں نے مجھے اپنا پتہ بتایا اور دعوت دی کہ ان کے گھر پر ضرور آؤں، لیکن میں ٹال گیا، اور یہ اچھا ہی ہوا میں نے ایسا کیا۔ کیونکہ دوسرے روز جہاز کے کپتان نے محسوس کیا کہ کچھ چاندی کے چمچے اور دوسری چیزیں غائب ہیں، جو اس کے کیبن سے اڑائی گئی ہیں، اسے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ دونوں کسبیاں ہیں، چنانچہ اس نے فوراً وارنٹ نکلوایا کہ ان کے گھر کی تلاشی لی جا سکے، یہاں مال مسروقہ برآمد ہو گیا، اور ان عورتوں کو سزا ہو گئی، اس طرح ان بلاؤں سے میرا پیچھا چھوٹا، جسے میں نے بڑی اہمیت دی۔

نیویارک میں اپنے دوست کالنس سے ملا، جو مجھ سے چند روز پہلے آ چکا تھا، ہم بچپن سے دوست چلے آ رہے تھے، میرے مقابلے میں اسے مطالعے اور پڑھنے کا زیادہ موقعہ ملا تھا، اور ریاضی میں تو وہ غیر معمولی مہارت رکھتا تھا میں تو اس کا پاسنگ بھی نہ تھا، بوسٹن کے دوران قیام میں میرے اوقات بیشتر اسی کے ساتھ بسر ہوتے تھے، ہم خوب گھل مل کر باتیں کیا کرتے تھے، وہ بہت

میرے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے رہے تھے ،ان کے ایک دوست ورنن کی کچھ رقم پنسلوِرینا میں ـــــ تقریباً ۳۵ پونڈ باقی تھی۔ انھوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ یہ رقم میں وصول کر کے اپنے پاس رکھ لوں، پھر جیسی وہ ہدایت دیں اس کے مطابق ہی کروں، چنانچہ انھوں نے مجھے ہدایت نامہ دے دیا، بعد میں یہ چیز میرے لیے بہت زیادہ پریشانی کا سبب بنی۔

نیو پورٹ پر بہت سے نئے مسافر ہماری کشتی میں نیویارک جانے کیلئے سوار ہوئے ،ان میں دو نوجوان خواتین بھی تھیں، جو ساتھ ساتھ جا رہی تھیں، نیز ایک اور عورت بھی تھی جو باوقار سنجیدہ ،اور شادی شدہ سی معلوم ہو رہی تھی۔ یہ غالباً فرقہ خائفین سے تعلق رکھتی تھی، اُس کے ساتھ اُس کی ایک خادمہ بھی تھی، میں نے اخلاص کے ساتھ اگر کچھ خدمت بن آئے تو اس کیلئے آمادگی کا اظہار کیا، جس سے وہ متاثر ہوئی اور میرے ساتھ اس نے طرزِ عمل اچھا اختیار کیا۔ چنانچہ جب اس نے روزانہ میرے اور دونوں خواتین کے درمیان ایک طرح کی نسبت بڑھتی ہوئی محسوس کی تو وہ مجھے الگ لے جا کر کہنے لگی "صاحبزادے تمہارے متعلق میں فکرمند ہوں، تمہارے ساتھ کوئی دوست یا ساتھی نہیں ہے، دُنیا والوں کے متعلق بھی تمہارا تجربہ اور علم محدود ہے۔ فریب کا پھندا کس طرح گردن میں حمائل ہو جاتا ہے۔ یہ بھی نہیں جانتے۔ یہ دونوں بے حد بری عورتیں ہیں ،ان کی ہر حرکت اور ادا سے میں یہی محسوس کرتی رہی ہوں، اگر تمہارے ساتھ کوئی نگران نہیں ہے تو یقیناً تمہیں کسی خطرے میں الجھا دے گی، تمہارے لیے

یہ نہ ملتا تو ہم اپنے سفر کو اختتام تک نہیں پہنچا سکتے تھے۔ کولنس کی خواہش یہ تھی کہ اسے کسی محاسب کے ہاں ملازمت مل جائے۔ چنانچہ کئی جگہ گیا، لیکن یا تو اُن لوگوں نے شراب کی بُو اس کے سانس سے سونگھ لی، یا اس کے طرزِ عمل سے محسوس کر لیا، کہ شرابی ہے، انکار کر دیا۔ حالانکہ وہ سفارش لے کر گیا تھا، مگر کامیابی نہیں ہوئی، لہٰذا اس کے قیام طعام کا سلسلہ میرے ہی ساتھ میرے ہی مصارف پر رہا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ ورنن کی رقم میرے پاس ہے، جب دیکھو جب وہ روپیہ مجھ سے ادھار لینے لگا۔ اور وعدہ کرتا رہا کہ جیسے ہی نوکری ملی ایک ایک پائی ادا کر دے گا، اس طرح ورنن کی رقم کا بڑا حصہ اس کی جیب میں چلا گیا، میں یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوا کرتا تھا، کہ اگر ورنن یہ رقم مانگ بیٹھا تو میں کیا کروں گا۔

کولنس کی شراب نوشی کا سلسلہ برابر جاری رہا، اس بات پر بعض اوقات ہم جھگڑ بھی بیٹھے، نشے کی حالت میں وہ اور زیادہ چڑچڑا ہو جاتا، ڈیلاوئیر میں ایک مرتبہ چند دوسرے نوجوانوں کے ساتھ جو کشتی میں ہمارے ہم سفر تھے، اپنی باری پر اس نے کھینے سے انکار کر دیا، "واپسی پر میں کشتی کے چپو چلاؤں گا!"، اُس نے کہا، میں نے کہا، "پھر ہم تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جاتے!"،
وہ کہنے لگا،

"تمہیں لے جانا پڑے گا، ورنہ ساری رات یہیں پانی میں گزارنا پڑے گی!"،

دوسرے ساتھیوں نے کہا،

سنجیدہ اور محنتی تھا اپنے علم اور معلومات کی بناء پر وُہ عزت اور احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا، اور باور کیا جاتا تھا کہ زندگی کے میدان میں یہ بہت کامیاب ثابت ہوگا، لیکن میری عدم موجودگی کے زمانہ میں وہ شراب کا رسیا ہوگیا، دُوسرے لوگوں سے بھی مجھے یہ معلوم ہوا کہ جب سے نیویارک آیا ہے، ہر روز جام پر جام لنڈھاتا رہتا ہے، جوئے کی عادت بھی پڑ گئی تھی، اور اپنا سارا روپیہ ہار بیٹھا تھا، آخر مجبور ہوکر میں نے اس کے مصارف اقامت ادا کر دیئے، اس کے رستے کے اور فلاڈلفیا کے مصارف بھی مجھی کو ادا کرنا پڑے، جو میرے لیے خاصا بوجھ ثابت ہوا۔!،

نیویارک کا گورنر برنٹ Burnet تھا، یہ بشپ برنٹ کا بیٹا تھا، جہاز کے کپتان سے یہ معلوم کرکے کہ مسافروں میں ایک نوجوان ایسا بھی تھا جس کے پاس ڈھیر ساری کتابیں تھیں، اس نے خواہش ملاقات ظاہر کی، چنانچہ میں اس سے ملنے گیا، اپنے ساتھ کولنس کو بھی لے جاتا، مگر وہ اس قابل کہاں تھا، گورنر میرے ساتھ بہت خوش اخلاقی سے پیش آیا، اپنی لائیبریری دکھائی جو خاصی وسیع تھی، بڑی دیر تک ہم کتابوں اور مصنفوں کے بارے میں بات چیت کرتے رہے، یہ دوسرا گورنر تھا جس نے میری عزت افزائی کی، جو مجھ جیسے غریب نوجوان کے لئے بلا شبہ بڑی خوشی کی بات تھی۔

ہم فلاڈلفیا روانہ ہوئے، راستے میں ورنن کا روپیہ میں نے وصول کر لیا۔

جیسی تمہاری مرضی بھائی "! "، بہر حال ہم ہی چپو چلاتے ہیں، اس سے فرق ہی کیا پڑتا ہے "!"

لیکن اس کی حرکتوں اور باتوں سے میرا دل پک گیا تھا، میں برابر کشتی رانی سے انکار کرتا رہا، اس نے قسم کھائی کہ وہ مجھے کشتی رانی پر مجبور کرکے رہے گا ورنہ پانی میں پھینک دے گا، یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا اور قدم بڑھاتا ہوا میرے قریب آگیا، آتے ہی اس نے مجھ پر حملہ کیا۔ میں نے اُسے جھنجوڑ ڈالا، اور ایسا دھکا دیا کہ وہ پانی میں جا پڑا، میں جانتا تھا کہ وہ بہت اچھا پیراک ہے، لہذا اس کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، لیکن قبل اس کے کہ وہ کشتی کا سرا پکڑ سکتا، ہم نے چپو چلا کر کشتی کو آگے بڑھا لیا تھا، جو اب اس کی دسترس سے باہر تھی، جب بھی وہ کشتی کے پاس پیرتا ہوا آتا، ہم اس سے ایک ہی سوال کرتے، "کشتی رانی کروگے؟"

پھر چپو پر چند ہاتھ مار کر کشتی آگے بڑھا لے جاتے، وہ اتنا دق ہو چکا تھا کہ اب قریب بہ مرگ نظر آرہا تھا۔ لیکن نہایت شدت کے ساتھ اپنے انکار پر قائم تھا کہ کشتی تو نہیں چلائے گا، آخر جب ہم نے دیکھا کہ بہت خستہ اور درماندہ ہوگیا ہے تو اسے کھینچ کر پھر کشتی پر لے آئے، اور شام کو تر بتر حال میں اسے لیکر گھر پہنچے، اس واقعہ کے بعد شاید ہی ایسا ہوا ہو کہ ہم نے ایک دوسرے سے میٹھے لہجے میں کبھی بات کی ہو، اسی اثناء میں ایک کپتان جو بار باڈوس Barbados کے ایک معزز آدمی کے لڑکوں کے لیے اتالیق کی جستجو میں تھا، اس کی کولنس سے مڈبھیڑ ہوگئی، وہ اسے اپنے ساتھ لے جانے پر آمادہ ہوگیا، اس

ے میرا ساتھ چھوڑ دیا، وعدہ کیا کہ تنخواہ ملتے ہی وہ قرضے کی رقم مجھے بھیج دیگا، لیکن اس کے بعد پھر کولنس کے بارے میں مجھے کوئی خبر نہیں ملی۔

درزن کی رقم میں جو خرد برد ہو چکا تھا، وہ شاید میری زندگی کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا المیہ تھا، اس واقعہ نے ثابت کر دیا کہ میرے والد نے میرے بارے میں جو رائے قائم کی تھی کہ اس کی عمر میں کسی ذمہ دارانہ کام کا میں اہل نہیں ہوں، بالکل درست تھی، چنانچہ سر ولیم نے والد کا خط پڑھ کر جو رائے قائم کی وہ یہ تھی کہ یہ پیر مرد بہت محتاط اور دانا ہے، لوگ بھانت بھانت کے ہوتے ہیں۔ کوئی فیصلہ صرف سن و سال کو مدنظر رکھ کر نہیں کرنا چاہیئے، نہ نوعمری کوئی نااہلیت ہے، اُنھوں نے مجھ سے فرمایا، ،

" انھوں نے چونکہ یہ پسند نہیں کیا، تم خود اپنا کاروبار کرو، اب میں خود ہی یہ کام کروں گا، ! مجھے ایک فہرست بنا کر دو کہ انگلستان سے اس کام کے لیے کون کون سی چیزیں منگانا ہیں، میں ان چیزوں کا فوراً آرڈر دے دوں گا۔ میری رقم اس وقت واپس کر دینا، جب تم اس قابل ہو جاؤ، میں نے فیصلہ کر لیا ہے، کہ یہاں ایک بہت اچھا پریس ہونا ہی چاہیئے، اور مجھے یقین ہے تم ضرور کامیاب ہو گے، ! "

یہ الفاظ انہوں نے کچھ ایسی اپنایت اور خلوص سے کہے کہ میں نے ان کے

ایک ایک حرف پر بغیر کسی شک کے یقین کر لیا، اب میں نے کاروبار کی طرح ڈالنے کی سعی و کوشش شروع کر دی، میرا یہ ارادہ اب تک فلاڈلفیا میں ایک راز تھا، اب بھی میں نے اسے راز ہی رکھا، اگر کہیں یہ خبر اڑ جاتی کہ میں گورنر کا ساختہ پرداختہ ہوں، تو بعض دوست جو موصوف کو اچھی طرح جانتے تھے، یقیناً مجھے یہ مشورہ دیتے کہ میں ان کے الفاظ پر بھروسہ نہ کروں، کیونکہ بعد میں کے معلوم ہوا کہ گورنر صاحب جہاں تک وعدے کرنے کا تعلق ہے، بے انتہا فیاض اور دریا دل واقع ہوئے ہیں، لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے صفر محض ہیں، لیکن ان کی فیاضانہ پیش کش کو موجودہ حالات میں غیر مخلصانہ خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، میں تو انھیں دنیا کے چند بہترین آدمیوں میں سے ایک سمجھنے لگا تھا۔

میں نے گورنر صاحب کی خدمت میں پرنٹنگ ہاؤس سے متعلق مطلوبہ ضروری چیزوں کی فہرست پیش کر دی، میرے خیال میں ان کی قیمت ایک سو اسٹرلنگ پونڈ کے لگ بھگ ہو گی، انھوں نے فہرست منظور کر لی اور کہا کہ انگلستان تم خود کیوں نہ چلے جاؤ، ٹائپ اور دوسری چیزوں کو بہ چشم خود دیکھ کر خرید لینا کہ آیا سب چیزیں ٹھیک اور درست ہیں، یا نہیں؟ کیا یہ زیادہ موزوں اور بہتر صورت نہیں رہے گی، پھر کہنے لگے، جب تم اس پیشے کے لوگوں سے کچھ ربط ضبط پیدا کر لو گے تو کتابوں اور اسٹیشنری کی فروخت سے متعلق بھی معلومات حاصل کر سکو گے، میں نے کہا، بے شک یہ تو بہت بہتر صورت ہو گی، کہنے لگے،، بس تو پھر سفر کی تیاری شروع کر دو، اور انیس پر روانہ ہو جاؤ،! ،، یہ پہلا جہاز تھا، جو

لندن اور فلاڈلفیا کے مابین سال کے سال چلا کرتا تھا، اس کی روانگی میں ابھی کئی مہینے باقی تھے، چنانچہ میں کیمر کے ساتھ حسب سابق کام کرنے لگا، فکر یہ بھی کہ کچھ جمع کر لوں، تاکہ ورنن کی طرف سے اگر مطالبہ ہو تو شرمندگی نہ اٹھانا پڑے کیونکہ کولنس اس رقم کا بڑا حصہ قرض لے کر ضائع کر چکا تھا، ہر وقت مجھے یہی دھڑکا لگا رہتا تھا، کہ ورنن کی طرف سے اب تقاضا ہوا اور اب ہوا، لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ کئی سال تک اس کی نوبت نہیں آئی۔

ایک بات کا ذکر تو میں بھول ہی گیا۔ بوسٹن سے پہلے بحری سفر کے دوران میں ہوا کی کمی کے باعث بلاک آئی لینڈ کے پرے ہمارے جہاز کو رک جانا پڑا، اہم سفروں نے مچھلیوں کا شکار شروع کر دیا، اور بہت سی پکڑلیں میں اب تک گوشت نہ کھانے کے عزم پر قائم تھا، اس موقعہ پر مجھے اپنے "استاد" ٹرائن Tryon کی یہ بات یاد آرہی تھی کہ ہر مچھلی کا پکڑنا گویا بغیر کسی سبب کے ایک قتل کا ارتکاب ہے، کیونکہ ان میں سے کسی نے نہ ہمیں زخم پہنچایا ہے، نہ تکلیف دی ہے کہ ان کا قتل ہمارے لیے جائز ہو سکے، یہ ساری باتیں معقول تھیں، لیکن میں مچھلی کا بڑا اشائق رہ چکا تھا، اور جب فرائنگ پان میں انہیں تلا اور بھونا جانے لگا تو یہ خوشبو مجھے ترغیب انگیز نظر آئی، کچھ عرصے تک میں نے اصول اور خواہش میں توازن قائم رکھا، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ جب مچھلیوں کو چیرا پھاڑا جاتا ہے تو ان کے پیٹ سے چھوٹی چھوٹی مچھلیاں بھی نکلتی ہیں، تو مجھے خیال آیا کہ اے مچھلیو جب تم ایک دوسری کو کھا جاتی ہو، تو کیا وجہ ہے کہ ہم تمہیں نہ کھائیں، چنانچہ بڑی رغبت سے

میں نے مچھلی کھانا شروع کر دی، کبھی کبھی سبزی ترکاری بھی تیار کرتا تھا، جب آدمی کوئی کام کرنا چاہے تو اس کی تائید میں دلیلیں مہیا کرلینا کچھ مشکل نہیں ہے،

کیمر کے ساتھ میری اچھی طرح گزر رہی تھی، ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رواداری کی زندگی بسر کر رہے تھے، کیونکہ اسے کوئی شبہ نہیں تھا، کہ میں خود صاحبِ مطبع بننے کی کوشش میں لگا ہوا ہوں، اس کی سابقہ گرم جوشی پھر عود کر آئی تھی، اور خوب خوب باتیں کیا کرتا تھا، کبھی کبھی ہم باتوں باتوں میں الجھ بھی پڑتے تھے، میں اسے سقراطی فلسفے سے راہ پر لگائے ہوئے تھا، بعض دفعہ ٹیڑھے ٹیڑھے سوالات کر کے اسے اس طرح بھکادے میں لے آتا تھا، کہ اصل موضوع ہی گم ہو جاتا تھا، اور اسے اس طرح الجھاوے میں ڈالتا تھا، اور اسے مشکلات اور تضادات میں اس طرح پھانس دیتا تھا کہ آخر کار وہ جھنجلا جاتا تھا، اور میرے عام سوالات کا جواب بھی مشکل سے دے پاتا تھا، اور جواب دینے سے پہلے یہ ضرور پوچھ لیتا تھا ’’ اس سوال سے تمہارا مدعا کیا ہے؟ ‘‘ میرے اس انداز سے وہ اتنا مرعوب ہؤا اور میری قابلیت کا لوہا کچھ اس طرح ماننے لگا کہ ایک روز اس نے تجویز پیش کر دی کہ وہ ایک نیا شعبہ کھولنا چاہتا ہے، اس میں رفیق کار کی حیثیت سے اس کے ساتھ کام کروں، اس کے پیشِ نظر ایک خاص فلسفہ کی تبلیغ تھی، اور میں اس کی تمام فلسفہ طرازیوں کو اپنے زورِ بیان سے گڈ مڈ کر دیتا تھا، جب وہ اپنے فلسفے کی توضیح و تشریح کے لیے میرے پاس آکر بیٹھتا، میں بہت سے فلسفانہ معمے اس کے سامنے ڈھیر کر دیتا تھا، اور آخر کار کسی نہ کسی حد تک اسے نقطہ نظر سے

ہم آہنگ کرلیتا تھا،

کیمر نے لمبی چوڑی داڑھی چھوڑ رکھی تھی کیونکہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے مطابق "اپنی داڑھی میں خبردار ذرا بھی کانٹ چھانٹ نہ کرو"، سبت اور یوم سابع کے معمولات پر بھی سختی سے عامل تھا، میں ان دونوں کو لغو سمجھتا تھا، لیکن میں نے شرط یہ رکھی کہ اگر وہ گوشت نہ کھانے کا عہد کرلے تو میں ان دونوں باتوں پر عمل درآمد شروع کردوں گا، اُس نے جواب دیا،

"تمہاری شرط مان تو لوں، لیکن میری جسمانی کمزوری اس کی متحمل نہ ہو سکے گی، !"

میں نے یقین دلایا، یہ صرف وہم ہے، جسمانی طاقت پر گوشت چھوڑنے سے کوئی اثر نہیں پڑے گا، بلکہ صحت کچھ اور بہتر ہوجائے گی، وہ بڑا پیٹو تھا، میں نے کم خوری کی ترغیب بھی دی، اس نے تجربے کے طور پر میری تجویز ماننے کا اقرار کرلیا، بشرطیکہ اُسے اپنے ساتھ رکھوں، میں نے ایسا ہی کیا، اور تین مہینے تک اس پروگرام پر ہم نے عمل کیا، ہماری خوراک پڑوس کی ایک عورت باقاعدگی کے ساتھ ہمیں پہنچایا کرتی تھی، اسے میں نے ۴۰ قسم کے کھانوں کی فہرست دے دی تھی، جن میں سے کوئی ایک باری باری سے وہ پکا کرلے آیا کرتی تھی، ان کھانوں میں مچھلی بھی شامل نہیں تھی، نہ گوشت، نہ مرغ، اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا، کہ ہمارے مصارف خوراک کم ہوگئے، اور ایک ہفتے میں کوئی اٹھارہ پنس کھانے پر خرچ ہوتے

تھے ، میں نے باقاعدگی سے روزے رکھنا بھی شروع کر دیئے تھے ، اس سے مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ ہوئی ، اس پروگرام پر نہایت خوبی سے عمل ہو رہا تھا ، لیکن غریب کیمر کی حالت نازک ہو رہی تھی ، گوشت کے ناغے سے تنگ آ کر ایک دن جب اس سے صبر نہ ہو سکا تو خنزیر کا گوشت روسٹ کرنے کا آرڈر دے دیا ، اس نے مجھے اور دو عورتوں کو کھانے پر مدعو کیا ، ہم لوگوں کے آنے سے پہلے کھانا میز پر لگا دیا گیا تھا گوشت دیکھ کر وہ اتنا بے قابو ہوا کہ ہماری آمد سے بیشتر ہی سارا کا سارا صاف کر گیا ۔

اس زمانے میں مس ریڈ سے میری محبت کے پینگ بڑھنے لگے تھے ، میرے دل میں اس کی بڑی عزت اور محبت تھی ، اور دل کو یقین سا ہو گیا تھا ، کہ اس کے جذبات بھی میرے لیے یہی ہیں ، میں ایک بڑے بحری سفر پر روانہ ہونے والا تھا ۔ ہم دونوں ابھی بالکل نوعمر تھے ، اٹھارہ سال سے کچھ زائد ، مس ریڈ کی والدہ کو اس عمر میں ہمارا اتنی دور جانا مناسب نظر نہ آیا ، بصورت دیگر ان کی رائے یہ تھی ، کہ شادی سفر سے واپسی کے بعد زیادہ مناسب رہے گی ، جب کہ میں اپنی توقع کے مطابق اپنے پاؤں پر کھڑا ہو چکا ہوں گا ، اور اپنا کاروبار شروع کر چکا ہونگا موصوفہ میری ان توقعات سے بھی کچھ زیادہ ہم آہنگ نہ تھیں ، جو میں نے اپنے بارے میں قائم کر لی تھیں ۔ !

اس زمانے میں میرے تعلقات و روابط چارلس آسبرن جوزف واٹسن ، اور

اور جیمس رالف سے بڑے گہرے ہو گئے تھے، یہ سب مطالعے کا بے حد شوق رکھتے تھے، دلچ اوّل الذکر اصحاب شہر کی ایک مشہور فرم میں قبالہ نویسی یا دستاویز نویسی کا کام کیا کرتے تھے، چارلس بروگڈن ایک تاجر کے ہاں کلرک تھا، واٹسن ایک نیک نہاد اور سنجیدہ نوجوان تھا، بہت سی صلاحیتوں کا مالک، دوسرے اصحاب خاص کر رالف مذہبی احوال کے معاملے میں بالکل بے پرواہ واقع ہوئے تھے، رالف بھی کولنس کی طرح میرے لیے اچھا خاصا درد سر ثابت ہوا، آسبرن سنجیدہ، مخلص، وفادار، بے تکلف اور محبت کرنے والا ساتھی تھا۔ ادبی معاملات میں وہ تنقیدات کی طرف زیادہ مائل تھا، رالف اپنے طور طریق کے اعتبار سے مخلص اور شریف شخص تھا، اور حد درجہ خوش بیان بھی۔ میں نے اس سے زیادہ دل کو موہ لینے والی باتیں کرنے والا اور کوئی نہیں دیکھا، رالف اور آسبرن کو شعر و شاعری سے بھی بے حد لگاؤ تھا، خود بھی کبھی کبھی کچھ کہہ لیا کرتے تھے، سکیکل کے جنگل میں اتوار کے روز ہم چاروں ٹہلنے نکل جاتے، یہ وقت بہت عمدہ گزرتا، یہاں ہم ایک دوسرے کو کچھ پڑھ کر سناتے اور پھر ایک دوسرے سے بحث مباحثے کا سلسلہ شروع کر دیتے۔

رالف کو شاعری کے مطالعے کا زیادہ شوق تھا، کوئی شبہ نہیں اس فن میں ترقی کرنے کی اس میں بڑی استعداد تھی، اور وہ اس میں کافی ترقی کر کے نام پیدا کر سکتا تھا، اچھے اچھے شاعروں نے بھی شاعری شروع کرتے وقت جو ابتدائی غلطیاں کی ہونگی، بس اتنی ہی اس سے سرزد ہو جاتی ہوں گی، آسبرن اس کے اس

شوق میں شریک نہیں تھا، اس نے صاف صاف کہدیا تھا، اسے شاعری سے کوئی لگاؤ نہیں ہے، اور اسے مشورہ دیا کہ جس کام کو وہ کر رہا ہے اس کے علاوہ اس کے بارے میں کچھ نہ سوچے۔ وہ اگرچہ اس وقت خالی ہاتھ ہے، لیکن کاروبار اور تجارت میں بہرحال فروغ حاصل کرکے رہے گا، اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر دکھا دے گا، میں ان باتوں کو دلچسپی سے سنا کرتا اور لطف لیا کرتا تھا، اور شعر و شاعری کا جہاں تک تعلق ہے، کبھی وقت ملتا تو کچھ مطالعہ کر لیتا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ زبان میں ترقی کر لوں، بس اس کے سوا کچھ نہیں۔

ایک مرتبہ یہ طے پایا کہ ہم میں سے ہر ایک آئندہ میٹنگ میں اپنے کہے ہوئے کچھ اشعار سنائے، تاکہ ہم باہمی طور پر ایک دوسرے کو پرکھ سکیں، تنقید کر سکیں۔ اور غلطیاں درست کر سکیں، کیونکہ زبان اور طرزِ بیان ہی وہ اصل چیز ہے، جس میں ہمیں ترقی کرنا ہے، ہم لوگوں نے یہ بھی طے کر لیا کہ کوئی طبعزاد چیز پیش نہیں کی جائے گی، بلکہ حمد باری تعالیٰ میں جو اٹھارویں مناجات ہے، اس کا ترجمہ اپنے اپنے طور پر نظم کرکے لائیں گے، میٹنگ کا وقت جب قریب آیا تو رات کے وقت رالف میرے پاس آیا، اور کہنے لگا، میں نے اپنے اشعار مکمل کر لیے ہیں، میں نے کہا میں تو بہت مصروف رہا، اور چونکہ شاعری کی طرف زیادہ رغبت نہیں رکھتا اس لیے کچھ نہیں کہہ سکا، اس نے اپنے اشعار مجھے دکھائے اور میری رائے پوچھی، میں نے یہ شعر بہت پسند کیے، کیونکہ میری نظر میں یہ اعلیٰ درجے کے تھے، یہ سن کر وہ کہنے لگا، لیکن آسبرن میری کسی چیز کو تحسین کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا، وہ اس میں

ہزاروں غلطیاں نکالنے بیٹھ جائے گا، لیکن تمہارا جہاں تک تعلق ہے، تم سے نہ وہ چلتا ہے، نہ حسد کرتا ہے، لہذا میں چاہتا ہوں یہ اشعار تم لے لو اور میٹنگ میں اپنے کہہ کر پیش کر دو، میں یہ ظاہر کروں گا کہ مجھے وقت نہیں ملا، اس لیے کچھ نہیں کر سکا، پھر دیکھیں گے وہ کیا کہتا ہے، چنانچہ یہ بات طے پا گئی، میں نے فوراً وہ اشعار نقل کر لیے تاکہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ میں نے ہی لکھے ہیں۔

ہماری مجلس جمی، واٹسن کے اشعار سنے گئے، بعض تو واقعی اچھے تھے لیکن باقی اغلاط سے پُر تھے، پھر آسبرن کی باری آئی، اس کے اشعار سنے گئے، یہ زیادہ اچھے تھے۔ رالف نے اس موقعہ پر انصاف سے کام لیا، چند غلطیوں کی نشان دہی کی، باقی اشعار کی دل کھول کر داد دی، خود اسے کچھ سنانا نہیں تھا، میں اس فن میں کوئی دستگاہ تو رکھتا نہیں تھا، پہلے تو میں نے معذرت چاہی اور عذر کیا میرے پاس اشعار پر نظر ثانی کرنے کا وقت بھی نہیں تھا، لیکن میرا کوئی عذر نہیں سنا گیا، آخر مجھے وہ اشعار سنانے پڑے، انھیں بار بار سنا گیا، آسبرن اور واٹسن نے داد دی، اور تو کوئی نہیں بولا صرف رالف نے کچھ نکتہ چینی کی، اور چند اصلاحیں تجویز کیں، لیکن میں اپنے اشعار کے درست ہونے پر مصر رہا، آسبرن نے رالف کی مخالفت کی۔ اور اس سے کہا، "تم اچھے نقاد نہیں ہو، صرف شاعر ہو!" آخر وہ خاموش ہو گیا، پھر یہ دونوں ساتھ ساتھ اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئے آسبرن بڑی شدت کے ساتھ میرے اشعار پر تحسین و آفرین کا اظہار کر رہا تھا، اس نے کہا،

رختِ سفر باندھنا پڑا۔

گورنر مجھے بہت پسند کرنے لگا تھا وہ اکثر مجھے اپنے ہاں بلا لیتا، اور مجھے اپنے پاؤں پر کھڑا کر دینے کے وعدے کا ہر ملاقات میں اس طرح ذکر کرتا، گویا یہ ایک اٹل فیصلہ ہے، وہ کہتا تم اپنے ساتھ کئی سفارشی خطوط بھی میرے دوستوں کے نام لے جانا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ علاوہ ازیں ہنڈیاں بھی لے جانا تاکہ وہاں جاکر باآسانی تمام پریس۔ کاغذ ٹائپ اور دوسری متعلقہ چیزیں خرید سکو، خطوں اور ہنڈیوں کو حاصل کرنے کیلئے گورنر صاحب نے کئی مرتبہ مختلف اوقات میں مجھے بلایا، ہر مرتبہ یہ کہہ کر بلایا جاتا تاکہ آؤ اور خطوط و ہنڈیاں لے جاؤ، جب میں جاتا تو کوئی دوسرا دن اور وقت دے دیا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آگیا کہ جہاز، جس کی روانگی کئی مرتبہ ملتوی ہو چکی تھی، اب قطعیت کے ساتھ اس کی تاریخ روانگی متعین ہو گئی، آخری مرتبہ پھر گیا کہ اب تو خطوط اور ہنڈیاں لے آؤں، گورنر کا سیکرٹری ڈاکٹر بارڈ میرے پاس آیا، اور کہنے لگا، گورنر صاحب اس وقت لکھنے میں بہت زیادہ مصروف ہیں، لہذا ملاقات نہیں ہو سکے گی، البتہ جہاز کے روانہ ہونے سے پہلے وہ نیو کاسل آئیں گے، اور مطلوبہ چیزیں وہیں دے دیں گے۔

زالف نے شادی کر لی تھی، اور ایک بچہ کا باپ بھی بن گیا تھا، پھر بھی اس سفر میں میرا ساتھ دینے کا اس نے پختہ ارادہ کر لیا تھا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ وہاں جاکر مختلف فرموں کی نمائندگی حاصل کر سکے گا، اور پھر کمیشن پر مال فروخت

"بھلا کون اس کا تصور کر سکتا ہے کہ فرینکلن اتنے اچھے شعر کہہ سکتا ہے، یہ روِ، یہ جوش، یہ مرقع نگاری، یہ آتش نوائی تو اصل سے بھی دو قدم آگے بڑھ گیا ہے، اپنی عام بات چیت میں ذخیرہ الفاظ سے محروم نظر آتا ہے، ماٹک ٹک کر بات کرتا ہے، اور سوچ سوچ کر لفظ منہ سے نکالتا ہے، لیکن غضب خدا کا، کس غضب کے شعر کہہ ڈالے ہیں اس نے ۔۔۔!"

دوبارہ جب ہم ملے تو رالف نے سارا بھانڈا پھوڑ دیا۔ آسبرن ہنس پڑا۔

رالف شاعر بے بدل بننے کا عزم صمیم کر چکا تھا، میں نے اپنے مقدور بھر اس ڈگر سے اسے ہٹانے کی پوری کوشش کر ڈالی، لیکن وہ برابر شعر موزوں کرتا رہا، یہانتک کہ پوپ نے اسے ٹھیک کر دیا، بہر حال وہ ایک خوش گو اور قادر الکلام شاعر بن گیا، بعد ازاں اور زیادہ کمال پیدا کر لیا، ان فن میں باقی دو دوستوں کے بارے میں کچھ بتانے کا موقعہ مجھے نہیں مل سکا۔ وہ اب کرتا ہوں، واٹسن کا انتقال چند سال بعد ہو گیا، اس نے میرے بازوؤں میں دم توڑا، وہ ہمارے مجمع احباب کا بڑا زندہ دل اور خوش باش شخص تھا، آسبرن ویسٹ انڈیز چلا گیا، وہاں اس نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ نام پیدا کیا اور خوب کمایا، لیکن اس کا بھی عین عالم نوجوانی میں انتقال ہو گیا، ہم دونوں نے پختہ عہد کیا تھا کہ ہم میں سے ہر ایک، (اور دونوں میں سب سے پہلے رالف) دوسرے کے نئے شہر میں جائے گا، اور بتائے گا کہ اس نے اس نئے مقام کو کیسا پایا، اور وہاں کیا دیکھا، لیکن غریب کو وعدہ کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملا،، دنیا سے

اس سے جہاز کے لوگ کافی متاثر ہوئے، چنانچہ انھیں اور ان کے ساتھ مجھے اور رالف کو کیبن میں چلے آنے کی دعوت دی گئی، کیونکہ اب اس میں کافی گنجائش ہوگئی تھی، چنانچہ ہم اس میں منتقل ہوگئے۔

میرا خیال تھا، کرنل فرنچ، مطلوبہ وموعودہ خطوط اور ہنڈیاں گورنر سے لے کر آئے ہوں گے، چنانچہ میں نے کرنل صاحب سے استفسار کیا، کہ آیا وہ میری چیزیں لائے ہیں، انھوں نے جواب دیا ساری چیزیں بیگ میں رکھی ہوئی ہیں۔ اور اس وقت اسے الٹنا پلٹنا کچھ مناسب نہیں معلوم ہوا لیکن انگلستان میں جہاز سے اترنے سے پہلے میں ساری چیزیں چھانٹ لوں گا۔ چنانچہ فی الحال بالکل مجھے اطمینان ہوگیا، اور خوشی خوشی سفر جاری رکھا، اس کیبن میں، ہمارے دن بڑی اچھی طرح گزر رہے تھے، اور بڑے مزے سے وقت گزر رہا تھا، مسٹر ہملٹن کا ذخیرہ اشیاء مزید برآں ہمارے تصرف میں تھا، جس میں بہت کافی چیزیں تھیں، اس سفر میں مسٹر ڈینھم سے میری دوستی ہوگئی، جو موصوف کی زندگی بھر قائم رہی، ویسے یہ سفر کچھ زیادہ خوشگوار نہیں تھا، کیونکہ موسم بے حد ناسازگار تھا۔

جب ہم رودبار میں داخل ہوئے کیپٹن نے اپنا وعدہ پورا کیا، اور مجھے موقع دیا کہ بیگ میں سے گورنر کے خطوط وغیرہ جو ہوں انھیں چھانٹ لوں، لیکن ان میں کوئی خط ایسا نہیں تھا جس پر میرا نام ہوتا، یا جو میرے ذریعہ سے کسی اور کے نام لکھا گیا ہوتا، میں نے گورنر کا سوادِ خط پہچان کر چھ سات خط ہاتھ میں لے لئے، میرا خیال تھا، موعودہ

کیا کرے گا، لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ بیوی سے وہ کچھ غیر مطمئن سا تھا، اور باہمی تعلقات اچھے نہیں رہے تھے، چنانچہ اس نے سفر کا فیصلہ کر لیا، دوستوں سے رخصت ہو کر، اور مس ریڈ کو الوداع کہکر اور کچھ وعدے لے کر میں فلاڈلفیا سے جہاز سے روانہ ہوا، جو نیو کاسل میں جا کر لنگر انداز ہوا، گورنر صاحب یہاں موجود تھے۔ لیکن جب میں ان کے درِ دولت پر حاضر ہوا۔ تو سیکرٹری نے بڑے خلیقانہ اور نستعلیق انداز میں مجھے بتایا، کہ وہ اس وقت نہایت اہم کام میں مشغول ہیں، اور کسی طرح ملاقات نہیں کر سکتے، لیکن عرشہ جہاز پر مجھے دونوں چیزیں ——— خطوط اور ہنڈیاں ——— پہنچ جائیں گی، وہ میرے کامیاب سفر کے دل سے متمنی ہیں، اور ان کی خواہش ہے، کہ کامیاب و کامران جلد واپس آؤں، یہ باتیں سن کر کچھ چکرا سا گیا، لیکن مجھے ان کی نیت پر ذرا بھی شبہ نہیں تھا، بہر حال میں عرشے پر واپس آ گیا۔

مسٹر اینڈریو ہملٹن اپنے بیٹے، اور مسٹر ڈینھم اور مسٹر رُونین اور مسٹر عرسل کے ساتھ جو میری لینڈ میں ایک کارخانہ فولاد کے مالک تھے، ایک بڑے سے کیبن میں سفر کر رہے تھے، میں اور رالف سستے کرایے والے حصے میں بستر جمائے ہوئے تھے۔ عرشے پر کوئی بھی ہمیں نہیں جانتا تھا، ہماری حیثیت معمولی مسافروں کی سی تھی، لیکن مسٹر ہملٹن اور ان کے صاحبزادے ——— جیمس، جو اب گورنر ہیں ——— نیو کاسل سے فلاڈلفیا واپس چلے گئے، کیونکہ انھیں بہت بڑی فیس دے کر ایک ضبط شدہ جہاز کے مقدمے کی پیروی کے لیئے طلب کیا گیا تھا، اور جہاز کی روانگی سے ذرا پہلے کرنل فرینچ نمودار ہوئے، وہ میرے ساتھ بے انتہا تپاک اور گرم جوشی سے پیش آئے

اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکو گے،

اسٹیشنر کی طرح ہم دونوں بھی جان گئے تھے کہ ایڈسڈن جو اٹرنی تھا، حد درجہ بدمعاش شخص تھا، اس نے اپنی چال بازیوں سے مسٹر ریڈ کے والد کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا تھا، اس خط سے معلوم ہوا کہ ایک خفیہ اسکیم کے ماتحت یہ لکھا گیا تھا، جس کا مقصد ہملٹن کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانا تھا، کیونکہ بظاہر وہ ہمارے ساتھ اسی جہاز سے جا رہا تھا، اور کیتھ بھی اس سازش میں شریک تھا، ڈیتھم نے جو ہملٹن کا دوست تھا فیصلہ کر لیا، کہ وہ اس صورت احوال سے اسے مطلع کرے گا، چنانچہ جب ہملٹن انگلستان آیا اور جلد ہی آگیا، کچھ اس لیے کہ ڈیتھم کیتھ اور ایڈسڈن سے حد درجہ برہم اور متنفر تھا، اور کچھ اس لیے کہ ہملٹن کی دوستی کا بھی تقاضا تھا، میں اسکے انتظار ہی میں تھا، فوراً وہ خط میں نے اسے دے دیا، اس نے گرم جوشی کے ساتھ میرا شکریہ ادا کیا، اس خط کے مندرجات اس کے لیے اہم ثابت ہوئے، بس اسی وقت سے وہ میرا سچا دوست بن گیا، اور متعدد مواقع پر آگے چل کر میرے کام آیا۔

لیکن ایسے گورنر کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے، جو اس طرح کی چال بازیوں کا مظاہرہ کر سکتا تھا، اور ایک غریب نوعمر لڑکے کو ایسی مصیبت میں پھنسا سکتا تھا۔ اس کی عادت ہی کچھ اس قسم کی تھی، وہ ہر شخص کو خوش رکھنا چاہتا تھا، لیکن وہ کچھ دے نہیں سکتا تھا، اگر دے سکتا تھا تو صرف توقعات، اس کمزوری سے قطع نظر وہ ایک بھلا آدمی تھا، باشعور، عمدہ انشا پرداز، اور عوام کے لیے ایک اچھا گورنر، لیکن

خطوط بھی ہوں گے، خاص طور پر اس لیے کہ ان میں سے ایک خط ایک مالک مطبع کے نام اور دوسرا ایک اسٹیشنر کے نام تھا۔ ۲۴ دسمبر ۱۷۲۴ء کو لندن پہنچے میں نے اسٹیشنر کا انتظار کیا، اتفاق کی بات کہ سب سے پہلے یہی سامنے آیا، اُس نے خط دیکھتے ہی کہا،:

" اوہو، یہ تو ایڈلسٹن کا خط ہے، مجھے بخوبی اندازہ ہو چکا ہے، وہ چھٹا ہوا بدمعاش ہے، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں، نہ اس کا خط لینے کو تیار ہوں!

یہ کہکر وہ خط اس نے پھر میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ اور یہ جا وہ جا، مجھے شدید حیرت یہ معلوم کرکے ہوئی کہ درحقیقت یہ گورنر کے خط ہی نہیں تھے، میں نے خط سے دھوکا کھایا تھا، اب مجھے یقین ہو چکا تھا، گورنر صاحب چال باز قسم کے آدمی ہیں، سراسر غیر مخلص، میں اپنے دوست ڈینھم کے پاس گیا، اور اسے سارا ماجرا کہہ سنایا، اُس نے کینتھ کے کردار کی ساری داستان مجھے سنا ڈالی، اس نے کہا،

"اس بات کا ذرا بھی امکان نہیں ہے کہ اُس نے تمہارے لیے کسی کو بھی کوئی خط لکھا ہو، کیونکہ یہاں جو شخص معمولی طور پر بھی اس سے واقف ہے، وہ ذرا بھی بھروسہ اس پر نہیں کر سکتا، اور یہ سن کر تو وہ بے تحاشہ ہنس پڑا۔ کہ گورنر صاحب مجھے ہنڈی بھی دینے والے تھے، بھلا ان کی ہنڈی کون احمق یہاں قبول کر سکتا ہے، یہ سن کر میں چکرا گیا، میں نے پوچھا آخر اب مجھے کیا کرنا چاہیئے، اس نے مجھے مشورہ دیا، تمہارے لیے بہترین صورت یہی ہے کہ اپنے ہنر کو پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کرو، یہاں بھلا پریسوں کی کیا کمی؟ یہاں رہ کر تم اپنے فن میں کمال حاصل کر سکتے ہو، اور جب امریکہ واپس جاؤ گے تو واقعی باکمال بن کر جاؤ گے، اور بآسانی

اپنے منتخب کرنے والوں کا اچھا نمائندہ نہیں، بسا اوقات ان کے ہدایات کو بالکل نظرانداز کر جاتا تھا، ہمارے بہت سے بہترین قوانین اس کے وضع کیے ہوئے تھے۔ اور اس کے زمانہ گورنری میں منظور ہوئے تھے۔

میں اور رالف نہ جدا ہونے والے دوست اور ساتھی بن گئے تھے، ہم دونوں ایک ساتھ رہتے اور کھاتے تھے۔ ہمارا ہفتے وار خرچ تین شلنگ اور چھ پنس تھا۔ اس سے زیادہ کی اپنے اندر سکت بھی نہیں تھی، اس کے کچھ عزیز بھی یہاں تھے، لیکن وہ بھی غریب لوگ تھے، اور اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے، اس نے اب اپنا عندیہ مجھ پر ظاہر کر دیا تھا، کہ وہ انگلستان ہی میں مستقل طور پر مقیم رہے گا، یہاں سے فلاڈلفیا واپس نہیں جائے گا، وہ اپنے ساتھ کوئی رقم نہیں لایا تھا، جہاز کا ٹکٹ بھی نہ جانے کن مصیبتوں سے اس نے خریدا تھا، میرے پاس جو پونجی تھی، وہ بھی بہت تھوڑی تھی۔ اس میں سے بھی کبھی کبھی وہ کھانے پینے کے لیے قرض مانگ لیا کرتا تھا، ساتھ ہی ساتھ کوئی کام شروع کرنے کی جد وجہد میں بھی لگا ہوا تھا، سب سے پہلے اس نے ایک ناٹک گھر میں ملازمت کی کوشش کی، اس کا خیال تھا وہ بہت اچھا ایکٹر ہے، لیکن ولکس نے —— جسے اس نے ملازمت کی درخواست دی تھی، —— مشورہ دیا کہ وہ اس طرح کی ملازمت کا خیال دل سے نکال ڈالے، کیونکہ اس پیشے میں اس کا کامیاب ہونا قطعاً ناممکن ہے، بعد ازاں اس نے ایک پبلشر رابرٹس کے ہاں کوشش کی، کہ Spectator کی طرح کا اخبار وہ اسے مرتب کر دیا کرے گا، لیکن جو شرطیں رکھیں وہ رابرٹس نے منظور نہیں کیں۔ اس کے بعد اس نے اجرت پر اسٹیشنرس اور

وکیلوں کے لیے خطوط و مضامین لکھنے کی کوشش کی، لیکن یہاں بھی اسے کوئی کام نہیں ملا۔

مجھے پامر کے ہاں فوراً کام مل گیا۔ جو ایک مشہور پرنٹنگ ہاؤس تھا، یہاں تقریباً ایک سال میں کام کرتا رہا، میں خاصا کفایت شعاری سے کام لیتا تھا، لیکن میری رقم کا بڑا حصّہ رالف، ناٹک دیکھنے اور دوسری تفریحوں میں اڑا دیتا تھا، اب میری پونجی تمام کی تمام ختم ہو چکی تھی، اور معاملہ بس دال دلیا تک رہ گیا تھا، وہ اپنی بیوی اور بچے کو بالکل بھول چکا تھا، میں مس ریڈ کو بھلا تو خیر کہاں سکتا تھا، لیکن اسے صرف ایک خط لکھ سکا تھا، اور اس میں بھی یہ تحریر کیا تھا، کہ فی الحال میرا واپس آنا مشکل ہے، یہ میری زندگی کی ایک اور بہت بڑی غلطی تھی، بس میں ہوتا تو جس طرح بھی بنتا اس غلطی کو درست کر کے دم لیتا، لیکن روپے سارے خرچ ہو چکے تھے، واپس جانے کیلئے ٹکٹ کہاں سے خریدتا، اور جاتا کس طرح؟

پامرس کے ہاں میرے سپرد جو کام تھا، وہ یہ تھا کہ وولاسٹن Wollaston کی کتاب Riligion of Nature کی کمپوزنگ کروں، اس کے بعض استدلال ایسے تھے جن سے مجھے اتفاق نہیں تھا، میں نے مابعد الطبیعات کے بعض مسائل پر کچھ لکھا تھا اور ان استدلالات پر نکتہ چینی کی تھی، اس کا عنوان تھا، A Dissertation on Liberty and necessity, Pleasure and Pain یہ تحریر میں نے رالف کو بھی دکھائی تھی۔ اس کے کچھ نسخے بھی میں نے چھاپ لیے تھے، اس چیز نے مسٹر پامر کو بہت متاثر کیا۔

نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ میرے لیے کسی نہ کسی دن موقع فراہم کردیں گے، کہ میں سر آئزک نیوٹن کی زیارت کرسکوں۔ جس کی مجھے بے حد خواہش تھی۔ لیکن یہ وعدہ کبھی پورا نہیں ہوسکا۔

میں اپنے ساتھ کچھ نادر چیزیں بھی لایا تھا، یہ خبر کسی طرح سر ہنس سلون کو مل گئی، وہ میرے پاس تشریف لائے، اور اپنے گھر آنے کی دعوت دی، جو بلومسبری اسکوائر میں واقع تھا، جب میں ان کے ہاں گیا تو انھوں نے اپنے نوادرات میرے سامنے ڈھیر کردیے اور مجھے ترغیب دی کہ یہ چیزیں میں ان کے ہاتھ فروخت کردوں۔ انھوں نے مجھے بڑا معقول معاوضہ دیا۔

ہمارے گھر میں ایک نوجوان عورت رہتی تھی، یہ ایک چھوٹی سی دکان چلاتی تھی۔ یہ شریف، باوقار اور فہیم عورت تھی، باتیں بڑی دلچسپ کرتی تھی، شام کو رالف اسے ڈرامے سنایا کرتا تھا، رفتہ رفتہ یہ دونوں ایک دوسرے کی محبّت میں گرفتار ہوگئے وہ دوسری قیام گاہ پر اُٹھ گئی، رالف بھی اس کے پاس چلا گیا، کچھ عرصے تک دونوں ایک ساتھ رہے، لیکن رالف اب تک بیکار تھا، اور عورت کی آمدنی اتنی تھی نہیں کہ اپنا، اپنے بچّہ کا، اور رالف کا بوجھ اٹھاسکتی، چنانچہ رالف نے لندن سے باہر جانے کا فیصلہ کرلیا، کہیں مضافات کے کسی اسکول میں ملازمت کرنے کی دھن اسے سما گئی۔ اس کا خیال تھا، یہ کام بہت اچھی طرح سے انجام دے سکتا ہے، اس کا خط بھی بہت اچھا تھا، اور ریاضی اور حساب میں تو ہر طرح کی مہارت رکھتا تھا، اگرچہ اس کام کو وہ

اب میں انکی نظر میں ایک ہونہار اور تعلیم یافتہ نوجوان تھا۔ اگرچہ انھوں نے میری تحریر کے بعض پہلوؤں سے اختلاف کا اظہار بھی کیا اور ان پر تنقید بھی کی، اپنے اس پمفلٹ کو شائع کرکے میں نے ایک اور غلطی کا ارتکاب کیا، اس اثناء میں کہ میں لٹل برٹین میں قیام پذیر تھا، ایک شخص مسٹر ولکاکس سے میری شناسائی ہوگئی، یہ ایک کتب فروش تھے، اور پریس کے پاس ہی ان کی دوکان تھی، ان کے پاس سیکنڈ ہینڈ کتابوں کا بڑا اچھا اور نادر ذخیرہ تھا، اس زمانے تک گشتی کتب خانوں کا رواج نہیں ہوا تھا، لیکن ہم اس پر متفق ہوگئے تھے، کہ چند معقول شرائط پر ——— جواب مجھے یاد نہیں ——— میں موصوف کے کتب خانے سے کوئی کتاب لے سکتا، اور پڑھ کر واپس کرسکتا ہوں۔ یہ بہت بڑی سہولت تھی، جو مجھے حاصل ہوگئی تھی، اور اس سے میں نے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا۔

میرا پمفلٹ کسی طرح ایک سرجن Lyons کے ہاتھ پڑ گیا، یہ خود بھی ایک کتاب The Infallibility of human Judgment کے مصنف تھے۔ یہ ہم دونوں کے مابین ربط و تعلق کا ذریعہ بن گئی، وہ میرا بہت خیال رکھنے لگے، اکثر میری قیام گاہ پر آجاتے، اور فلسفیانہ مباحث پر بحث و گفتگو کیا کرتے، وہ مجھے ایک شراب خانے میں لے گئے، یہاں انھوں نے ڈاکٹر منڈیولی سے میرا تعارف کرایا، یہ بھی ایک کتاب کے مصنف تھے، جس کا نام Fable of The Bees تھا، یہاں وہ ایک کلب چلاتے تھے، وہ یہاں کے روح رواں تھے، بہت دلچسپ اور یار باش آدمی تھے، لیونس نے میرا تعارف ڈاکٹر پمبرٹن سے بھی کرایا۔ یہ ملاقات بیٹسن کے کافی ہاؤس میں ہوئی، انھوں

خلاف شان تصور کرتا تھا، اس کا خیال تھا، وہ اس سے بہتر مستقبل کا حامل ہے، اور بہتر مستقبل حاصل ہونے کے بعد یہ بات اس کے لیے باعث شرمساری ہوگی، کہ لوگ یہ جان سکیں کہ کسی زمانے میں وہ اتنا معمولی کام بھی کرچکا ہے، چنانچہ اس نے اپنا نام بدل لیا، اور مجھے یہ اعزاز بخشا کہ میرا نام منتخب کیا، کیونکہ کچھ ہی عرصے کے بعد مجھے اس کا ایک خط ملا، اس نے لکھا تھا کہ وہ ایک چھوٹے سے قصبے میں برسر روزگار ہوگیا ہے، غالباً وہ جگہ برکشائر تھی۔ یہاں وہ ایک درجن لڑکوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا کرتا تھا، اور ہر ایک سے چھ پنس ہفتے وار وصول کرتا تھا ـــــــ اس نے مجھ سے استدعا کی تھی کہ میں مسز ٹی ـــــــ کا خیال رکھوں اور فوراً خط کا جواب دوں، اپنا پتہ لکھا تھا، "مسٹر فرینکلن اسکول ماسٹر"، اس کے بعد جگہ کا نام تھا۔

رالف بڑی پابندی سے مجھے خط لکھتا رہا، اس نے مجھے ایک طویل رزمیہ نظم بھیجی، جسے وہ ابھی مکمل کر رہا تھا، اس نے میری رائے طلب کی تھی، اور یہ بھی چاہا تھا کہ کہیں غلطی نظر آئے تو اسے ٹھیک کردوں، وقتاً فوقتاً میں تعمیل کرتا رہا، ساتھ ہی ساتھ یہ کوشش کرتا رہا کہ وہ اس جنجال میں نہ پڑے، ینگ کے کی ایک جلد ابھی شائع ہوئی تھی، میں نے اس کا بڑا حصہ فوراً نقل کیا، اور اسے بھیج دیا، جس میں شعر کار بے کاراں کے فلسفے پر روشنی ڈالی گئی تھی، لیکن میری یہ ساری کوششیں رائیگاں گئیں، ہر ڈاک میں اس کے کھرّے کے کھرّے اشعار کے چلے آتے تھے، اسی زمانے میں مسز ٹی ـــــــ پر یہ افتاد پڑی کہ وہ جو کام کرتی تھیں، اس سے محروم ہوگئیں، دوستوں نے بھی کچھ التفات نہیں کیا، اکثر مبتلائے مصیبت

رہتیں، مجھے بلا بھیجتیں، اور کچھ نہ کچھ مجھ سے قرض لے لیتیں، میرا حال خود کچھ یوں ہی سا تھا، پھر بھی جو ہو سکتا دے دیتا، رفتہ رفتہ مجھے ان کی معیت میں لطف آنے لگا، اس زمانے میں چونکہ مذہب اور احکام شرعی کی میری نظر میں نہ کوئی اہمیت تھی، نہ میں ان کا پابند تھا، میں نے تعلق قائم کر لینا چاہا ——— یہ میری ایک اور بہت بڑی غلطی تھی، ——— انھوں نے حقارت کے ساتھ میرے دعوائے محبت کو ٹھکرا دیا، اور رالف کو میرا یہ واقعہ لکھ بھیجا، اس واقعہ نے ہم دونوں میں ایک خلیج پیدا کر دی، اور جب وہ دوبارہ لندن آیا، اس نے صاف صاف کہہ دیا، ہمارے مابین جو خلوص و محبت کے عہد تھے وہ سب ختم، اور جو رقمیں میری اس کے ذمے باقی تھیں، وہ ضبط، میں نے محسوس کیا ابھی مجھے اس سے ایک پائی بھی وصول ہونے کی توقع نہیں کرنی چاہیئے، جو بطور قرض اسے دے چکا ہوں، لیکن یہ کوئی زیادہ تکلیف دہ بات میرے لیے نہیں تھی، کیونکہ میں جانتا تھا اس کی جیب خالی ہے، یہ واقعہ نہ رونما ہوا ہوتا، تب بھی مجھے وہ کچھ نہیں دے سکتا تھا، رہا دوستی کا ختم ہوتا تو یہ میرے لیے اچھا ہی ہوتا، ایک بڑی مصیبت سے میں نے نجات پالی، اب میں نے کچھ روپیہ جمع کرنے کی کوشش کی، مجھے بہتر کام ملنے کی امید بھی پیدا ہو گئی تھی، میں نے پامر کی ملازمت ترک کر کے واٹ کی ملازمت اختیار کر لی تھی، یہ اس سے بھی بڑا پرنٹنگ ہاؤس تھا، لندن کی باقی ماندہ مدت قیام میں یہیں میں کام کرتا رہا۔

اس نئے پرنٹنگ ہاؤس میں مجھے پریس پر لگایا گیا، میرا خیال تھا ورزش نہ کرنے کے سبب میں کچھ کمزور ہو گیا ہوں، برعکس امریکہ کے، جہاں خوب ورزش کیا کرتا تھا۔

کیونکہ وہاں پریس کا کام اور کمپوزنگ کا کام ساتھ ساتھ کرنا پڑتا تھا، میں صرف پانی پیا کرتا تھا، میرے ساتھی جن کی تعداد پچاس کے قریب تھی، صبح سے شام تک بیئر کی کئی بوتلیں غٹا غٹ چڑھا جاتے تھے، بعض مرتبہ ٹائپ کے بڑے بڑے دو فرمے ایک ایک ہاتھ میں رکھ کر میں کئی مرتبہ اوپر نیچے چڑھا اترا کرتا تھا، برعکس ازیں دوسرے لوگ ایک فرمہ دونوں ہاتھ میں لے کر چڑھا اترا کرتے تھے، وہ میری یہ توانائی دیکھ کر حیران ہوا کرتے تھے۔ کہ یہ امریکی نوجوان ہم سے کہیں زیادہ مضبوط اور توانا ہے، حالانکہ ہم بڑی تیز بیئر بھی پیتے ہیں، قریب ہی ایک شراب خانہ تھا، اس کی طرف سے ایک لڑکا یہاں ہر وقت فرمائشوں کی تعمیل کے لیے موجود رہتا تھا، پریس پر میرے ساتھ جو شخص کام کرتا تھا یہ بھی شراب کا بڑا رسیا تھا، صبح ناشتے کے وقت سے لے کر شام کو کام ختم کرنے تک نہ جانے کتنے جام پی جاتا تھا، میرے نزدیک یہ غلط طریقہ تھا، لیکن میں کیا کر سکتا تھا، میرا ساتھی اسے لازمی تصور کرتا تھا، اس کا خیال تھا کہ تیز بیئر پینے سے کام کی قوت زیادہ پیدا ہوتی ہے، میں نے اسے سمجھایا کہ تیز میں جو قوت ہوتی ہے وہ اسی تناسب سے ہوتی ہے، جتنا اس میں جو یا کوئی دوسرا اناج شامل ہوتا ہے، حالانکہ ایک پینی کی روٹی میں اس سے زیادہ قوت ہوتی ہے، لہٰذا اگر پانی کے ایک گلاس کے ساتھ وہ صرف روٹی کھا لیا کرے تو اسے ایک گلاس بیئر کے مقابلے میں کہیں زیادہ قوت اور توانائی حاصل ہوگی، لیکن اس نے میری ایک نہ سنی، وہ چار پانچ شلنگ ہر سنیچر کو اس مشروب کے مصارف کے طور پر ادا کیا کرتا تھا، اور میں اس سے بالکل آزاد تھا، اس طرح یہ بیچارے لوگ ہمیشہ مقروض رہتے تھے۔

چند ہفتے کے بعد واٹسن نے مجھے کمپوزنگ کے کام پر لگا دیا، پریس پر کام کرنیوالوں سے میں الگ ہو گیا، یہاں کے کمپوزیٹروں نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں ان کی شراب کی دعوت کروں[1]، یا پھر پانچ شلنگ اس کی قیمت کے ادا کردوں، مجھے اس کام پر روپیہ صرف کرنا قطعاً غیر مناسب نظر آیا، مالک (واٹسن) کو بھی میری رائے سے اتفاق تھا اس نے یہ رقم ادا کرنے سے مجھے منع کر دیا، کئی ہفتوں تک مجھے زیادہ سے زیادہ پریشان کرنے کی کوشش کی گئی، میرا کمپوز کیا ہوا ٹائپ کھول دیا جاتا، یا اس کی سطریں اوپر نیچے کر دی جاتیں، یا اس کے حروف ادھر ادھر سے نکال دیئے جاتے یا میری کمپوز نہ کی ہوئی سطریں میرے فرمے میں لگا دی جاتیں، صفحے بگاڑ دیئے جاتے، پانی گرائے جاتے، میرا میٹر الٹ پلٹ دیا جاتا۔ یہ سب کچھ اس وقت ہوتا جب ذرا سی دیر کے لیے بھی میں کمپوزنگ روم سے باہر نکلتا، پھر مجھ سے کہا جاتا کہ یہ جناتوں کی حرکت ہے، اور جب تک شراب نہ پلاؤ گے یا رقم نہ دو گے یہی ہوتا رہے گا اگرچہ مجھے مالکِ مطبع کا تحفظ حاصل تھا، پھر بھی یہ سب کچھ ہو رہا تھا، آخر مجھے اس کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا کہ رقم ادا کر دوں، دل کو یہ کہہ کر سمجھانے کی کوشش کی کہ جو لوگ قاعدے اور سلیقے سے رہنا چاہتے ہیں، انھیں اس طرح کے ناخوش گوار حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

اب میری اور دوسرے کارکنوں کی بہت اچھی طرح نبھنے لگی، اور بہت جلد

---

[1] ہر نئے کاریگر کو پریس میں داخل ہونے کے بعد یہ جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا۔

میرا ان پر اثر بھی قائم ہوگیا، میں نے پریس کے قوائد کے سلسلے میں بعض معقول تجویزیں پیش کیں اور یہ بعض لوگوں کی مخالفت کے باوجود منظور ہو گئیں، میرا نمونہ دیکھ کر کئی لوگوں نے بیئر کی عادت چھوڑ دی اور اس کی بجائے پاس کے ایک ہوٹل سے روٹی اور پنیر منگا کر استعمال کرنے لگے، ساتھ ہی ساتھ ایک بڑے سے پیالے میں گرما گرم لیسی، جس پر سیاہ مرچ چھڑکی ہوتی، روٹی کے ٹکڑے چورا کر کے اس میں ڈال دیئے جاتے، کچھ تھوڑا سا نمک بھی ڈال دیا جاتا۔ یہ سب کچھ اتنے ہی داموں میں مہیا ہو جاتا، جتنے میں ایک گلاس بیئر کا آتا تھا، یہ نہایت لذیذ اور سستا ناشتہ ہوتا تھا، اور کام کرنے والوں کو تازہ دم رکھتا تھا، جو لوگ دن بھر بیئر کے جام چڑھایا کرتے تھے، انھیں جب شراب خانے سے ادھار نہ ملتا تو مجھ سے بیئر خریدنے کے لیے قرض مانگتے تھے، میں سنیچر کی شام کو ان لوگوں سے اپنے دیے ہوئے روپے واپس لے لیا کرتا تھا، بعض دفعہ یہ رقم تیس شلنگ تک پہنچ جاتی تھی، اب میرا بھرم قائم ہوگیا تھا، اور میں عزت کی نظر سے دیکھا جانے لگا تھا، میری غیر منقطع حاضری نے مالک مطبع کو مجھ پر بہت زیادہ مہربان کر دیا تھا، اور میں دوسرے لوگوں کے برعکس جس پھرتی سے کام کرتا تھا، اس کے باعث اب مجھے ذمہ داری کے دوسرے کام بھی سونپے جانے لگے تھے، مجھے ڈسپیچ کے کام پر لگا دیا گیا تھا، جس کا معاوضہ زیادہ تھا، اب میں بڑی آسائش سے بسر کر رہا تھا،

لٹل برٹین کی میری قیام گاہ بہت دور پڑتی تھی، میں نے اب ڈیوک اسٹریٹ میں قیام کا بندوبست کر لیا تھا، رومی کلیسا کے بالکل سامنے یہ ایک اطالوی گودام کا حصہ تھا، اس کے دو زینے تھے، ایک بیوہ عورت خاتون خانہ تھی، اس کی ایک

لڑکی تھی، اور ایک ملازمہ اور ایک مستری جو گودام کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ خاتون خانہ نے پہلے یہ تفتیش کر لی تھی کہ میری سابقہ قیام گاہ کہاں تھی، اور میرا چال چلن کیسا تھا اس کے بعد وہ مجھے رکھنے پر راضی ہوگئی تھی، اور کرایہ بھی وہی لیتی تھی جو میں دیتا چلا آرہا تھا اس نے بتایا وہ ایک شریف مرد کو گھر میں حفاظت کے خیال سے رکھنا چاہتی تھی، یہ ایک بیوہ اور معمر خاتون تھی، عقیدۃً پروٹسٹنٹ تھی، اور ایک پادری کی لڑکی تھی، لیکن شوہر کی وجہ سے اس نے اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا تھا، اور کیتھولک مذہب اختیار کر لیا تھا، شوہر کی یاد میں وہ بھی آنسو بہایا کرتی تھی، معزز اور شریف لوگوں سے اسے سابقہ رہا تھا، اور چارلس دوم کے وقت سے لے کر اب تک کے سینکڑوں تاریخی واقعات اس کے نوک زبان تھے۔ گٹھیا کی وجہ سے ایک پاؤں لنگ کرنے لگا تھا، اسی لیے اپنے کمرے سے باہر بہت کم نکلتی تھی، کبھی کبھی اکیلے پن سے اکتا جاتی، تو مجھے بلا لیتی، وہ اتنی دلچسپ باتیں کیا کرتی تھی کہ میں اس کا جویا رہتا تھا کہ کب وہ بلائے اور میں جاؤں۔

ہمارا رات کا کھانا بہت سادہ ہوتا تھا، روٹی، مکھن اور کوئی اور معمولی سی چیز، لیکن اصل لذت اس گفتگو میں تھی جو بڑی بی کیا کرتی تھیں، میں اس گھر میں بڑے سبھاؤ سے رہتا تھا۔ اور گھر والوں کو کسی طرح کی تکلیف دینے سے احتراز کرتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ بڑی بی نے مجھے جدا نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا، چنانچہ جب مجھے اپنے پرنٹنگ ہاؤس کے قریب ایک قیام گاہ مل گئی، تو میں نے ان سے اپنے وہاں سے اٹھ جانے کا ذکر کیا، جہاں مجھے فی ہفتہ دو شلنگ کی کفایت ہوتی، میں چونکہ روپیہ بچانے کی فکر میں تھا اس لئے یہ میرے لیے اچھی خاصی ترغیب تھی، لیکن وہ کہنے لگیں، ایسا کبھی سوچنا بھی مت۔ آئندہ سے میں تم سے دو شلنگ فی ہفتہ کرایہ کم کر دوں گی، اور صرف ایک شلنگ چھ پنس کرایہ لیا

دلیا کھا کر گزارا کرتی ہے، اسے ابالنے کے سوا کسی اور کام کے لیے آگ روشن نہیں کرتی اس بالاخانے پر برسہا برس سے یہ رہ رہی ہے، نیچے کے کیتھولک کرایہ داروں نے اس کا یہ رنگ ڈھنگ دیکھکر اسے اپنے لیے باعثِ رحمت سمجھا اور کرایہ کے بوجھ سے آزاد کر دیا، ایک پادری ہر روز آ کر اعتراف گناہ confession کرالیتا ہے[1] ! ،،

میری خاتون تھانہ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:۔

،، جو زاہدانہ زندگی تم بسر کر رہی ہو، اس کے بعد بھلا اعتراف گناہ کا تمہارے لیے سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے ؟ ،، ــــــ ایک دفعہ میں نے پوچھا،

وہ کہنے لگی،

،، لیکن خیالات فاسدہ سے تو مفر نہیں، وہ تو آتے ہی رہتے ہیں، ! ،،

ایک مرتبہ مجھے بھی اس خاتون سے ملنے کا شرف حاصل ہوا، میں نے اسے ہشاش بشاش اور مہربان پایا، اس کی باتیں بھی بڑی دل کو بھا جانے والی تھیں، کمرہ بہت صاف تھا، لیکن اس میں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی، سوا ایک چٹائی کے، ایک میز پر حضرت عیسیٰؑ کی تصویر تھی، جس میں وہ پھانسی پر چڑھے ہوئے نظر آ رہے تھے ۔

---

[1] پادری کے سامنے اعتراف گناہ کے بعد، گناہ معاف ہو جاتے ہیں، پادری کو حق ہے کہ وہ بخش دے خواہ گناہ کیسے ہی سنگین کیوں نہ ہوں۔

(مترجم)

کر دں گی، جب تک بھی تم لندن میں رہو، !

مکان کے سب سے بالائی حصے میں، جس کا کرایہ بہت کم تھا، تقریبًا ستر سال کی ایک عورت رہتی تھی، یہ بہت الگ تھلگ زندگی خاموشی کے ساتھ بسر کر رہی تھی، اس کے بارے میں میری خاتون خانہ land lady نے مجھے یہ بتایا:

یہ عورت رومن کیتھولک مذہب پر عامل تھی، جوانی کے زمانے میں باہر جانا پڑا، یہاں وہ ایک راہبات خانے[1] میں داخل ہو گئی، اس کا ارادہ تھا، کہ نن[2] بن جائے لیکن جس ملک میں گئی تھی، وہاں کے لوگوں نے اس کا رہنا اپنے ہاں گوارا نہیں کیا، چنانچہ انگلینڈ واپس آگئی، یہاں کوئی راہبات خانہ تھا نہیں، اس نے عہد کر لیا کہ ساری زندگی ایک نن کی طرح جہاں تک بھی ممکن ہو سکا، گزار دے گی، اس مقصد کے پیش نظر اس نے اپنی تمام جائداد و املاک خیراتی مقاصد کے لیے وقف کر دی، اپنے لیے صرف بارہ پونڈ سالانہ کی گنجائش رکھی، اور اس رقم سے بھی کچھ نہ کچھ نام خدا صرف کیا کرتی ہے، صرف

---

[1] راہبات خانہ nunnery یہاں وہ عورتیں (راہبات) رہتی تھیں، جو دنیا سے ترک کر چکی ہوتی تھیں،

(مترجم)

[2] nun وہ عورت جو یسوع مسیح کے نام پر زندگی بھر کنواری رہے، اور سخت ترین ریاضت کی زندگی بسر کر کے اپنے جذبات و احساسات کچل دے۔

(مترجم)

ایک کتاب انجیل بھی تھی اور ایک اسٹول بھی تھا، جو اس نے مجھے بیٹھنے کے لیے دے دیا، چمنی پر سینٹ ویرونیکا کی تصویر تھی، جس پر وہ اپنا رومال لیے ہوئے دکھا رہی تھیں، جس میں حضرت عیسیٰؑ کا خون سے تر بتر چہرہ دکھایا گیا تھا، اس تصویر کی معنویت اور کیفیت کو اس خاتون نے بڑی عقیدت اور تفصیل کے ساتھ میرے سامنے بیان کیا، چہرہ زرد تھا، لیکن بیمار نہیں، اور اس سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا، آدمی کی آمدنی خواہ کتنی ہی کم ہو، صحت اور زندگی اس سے برقرار رکھی جا سکتی ہے،

واٹس کے بورڈنگ ہاؤس میں میرے تعلقات ایک لائق نوجوان سے قائم ہو گئے، جس کا نام ویگاٹ تھا، اس کے عزیز خاصے دولت مند تھے، پریس کے دوسرے کارکنوں کے مقابلے میں یہ خاصا پڑھا لکھا تھا، لاطینی زبان اچھی طرح جانتا تھا، فرنچ خوب بول لیتا تھا، مطالعہ کا بے حد شوق رکھتا تھا، میں نے اسے اور اس کے ایک دوست کو تیرنا سکھایا۔ یہ دونوں ہفتے میں دو بار دریا پر تیرنا سیکھنے چلا کرتے تھے، بہت جلد بڑے اچھے پیراک بن گئے، ان دونوں نے بعض دوسرے لوگوں سے بھی مجھے متعارف کرایا جو چیلسی (Chelsea) بذریعہ کشتی جا رہے تھے، تاکہ ڈان سالیئرو Don Sallero کے نوادرات اور کالج دیکھ کر آئیں، واپسی میں ان لوگوں کے اصرار سے جنھیں ویگاٹ نے بہت زیادہ مشتاق بنا دیا تھا، میں نے پانی میں ڈبکی لگائی، اور چیلسی سے لے کر بلیک فرییرتک تیرتا ہوا چلا گیا، تیرنے کے دوران میں اپنے بہت سے کمالات بھی دکھاتا رہا، پانی کے اوپر بھی اور پانی کے اندر بھی، میرا یہ کمال ان لوگوں کو بہت پسند آیا، جو لوگ تنوع پسند ہوتے ہیں انھیں اس طرح کی چیزیں پسند آیا ہی کرتی ہیں۔

بچپن سے میں اس ورزش کا عادی رہا تھا، نسوں پٹھوں کو حرکت دینے اور قابو میں رکھنے کا فن اچھی طرح جانتا تھا، کچھ چیزیں اس سلسلے میں میں نے ایجاد کرلی تھیں، اور کچھ سیکھی تھیں، یہ ہنر نہایت سبک اور آسان تھا، اور ساتھ ہی ساتھ مفید بھی یہ سارے ہنر اور کمالات اس موقع پر میں نے دوستوں کو دکھائے، میرے اس مظاہرے کی خوب دل کھول کر انھوں نے داد دی، اور دیگاٹ نے جو خود بھی اس فن میں طاق ہونے کی آرزو رکھتا تھا، میرے ساتھ اپنی وابستگی اور ربط و تعلق میں اور زیادہ اضافہ کرلیا مطالعے کا شوق تو ہم میں مشترک تھا ہی، آخر اس نے مجھے مشورہ دیا کہ سارے یورپ کا گشت لگایا جائے، اور مصارف انہی کمالات کی آمدنی سے پورے کیے جائیں، پہلے پہل تو میں راضی ہوگیا، لیکن جب میں نے اپنے نہایت اچھے دوست مسٹر ڈینھم سے ذکر کیا، ——— جن کے پاس فرصت کے لمحات اکثر صرف کیا کرتا تھا ——— انھوں نے اس تجویز کی مخالفت کی، انھوں نے کہا صرف ایک ہی بات سوچو، یہ کہ تمہیں جلد از جلد پنسلوینا واپس چلنا ہے، وہ خود بھی اب وہاں جانے کے لیے پابہ رکاب تھے،

اس موقع پر اس نہایت اچھے آدمی کے کردار کا ایک نمونہ پیش کرنا چاہتا ہوں، پہلے یہ برسٹل میں کام کرتے تھے لیکن کاروبار نہ چل سکا، اور کئی آدمیوں کے مقروض ہوگئے آخر امریکہ چلے گئے، وہاں قسمت چمک گئی، اور چند ہی سال میں خوب کمایا، تو انگلستان ——— میں بھی ہم سفر تھا، ——— واپس آگئے، انھوں نے اپنے قرض خواہوں کو مدعو کیا، اس موقع پر انھوں نے ان کی مہربانی کا شکریہ ادا کیا، کہ انھوں نے نازک موقع پر ان کا ساتھ دیا۔ اور جب حاضرین میں سے کوئی بھی کھانے پینے کے سوا کسی اور چیز کا

پابندی سے کام کرنے لگا، مسٹر ڈینھم کے ساتھ مجھے متعدد تاجروں کے ہاں مال خریدنے کے لیے جانا پڑتا، مال خریدنے کے بعد اُسے پیک کرواتا، اٹھواتا۔ کارگوتک سے جاتا، وہاں اُسے چڑھواتا۔ مزدوروں سے کام لیتا، اور جب یہ سارا کام اچھی طرح انجام دے چکتا تو مجھے چند روز کی چھٹی مل جاتی۔ کیونکہ یہ کام جو میں نے انجام دے دیا ہوتا، بڑا محنت طلب تھا، اور اس میں مجھے شب و روز مصروف رہنا پڑتا تھا، اس زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک بہت بڑے آدمی نے مجھے طلب کیا، میں بہت متحیّر ہوا، ان صاحب کا صرف نام جانتا تھا، ان کا نام تھا سر ولیم ونڈھم، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے نہ جانے کس طرح چیلسی سے بلیک فرئیر تک میرے پیرنے کا واقعہ کہیں سن لیا تھا۔ اور یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ میں نے بہت مختصر مدت میں ویگاٹ اور اس کے دوست کو تیرنا سکھا دیا تھا، سر ولیم ونڈھم کے دو لڑکے تھے، جو عنقریب سفر پر روانہ ہونے والے تھے، ان کی خواہش تھی کہ قبل اس کے کہ وہ سفر پر روانہ ہوں، میں انہیں تیرنا سکھا دوں گا، اور وعدہ کیا کہ اگر میں نے یہ کام اچھی طرح کر دکھایا تو وہ بہت معقول معاوضہ مجھے دیں گے، یہ لوگ اب تک شہر میں نہیں آئے تھے، اور میرا قیام غیر یقینی تھا، چنانچہ میں نے یہ ذمہ داری قبول کرنے سے معذرت کی، لیکن اس واقعہ سے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر میں انگلینڈ میں رہ جاتا اور وہاں ایک پیراکی کا اسکول کھول لیتا، تو کافی روپیہ کما لیتا، یہ بات میرے دل میں کچھ اس شدّت سے بیٹھی کہ میں سوچنے لگا کہ اگر وہاں اس بات کا کوئی اشارہ کر دیتا تو شاید میں اس قدر جلد امریکہ واپس نہ آتا، پھر کئی سال کے بعد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے انھی سر ولیم ونڈھم کے ایک صاحبزادے ارل آف ایگریمانٹ سے ایک بہت خاص اور اہم معاملہ میں ربط پیدا

متوقع نہیں تھا ، ہر شخص نے اپنی پلیٹ ہٹاتے ہی اپنی تمام بقایا رقم کا چیک موجود پایا ، صرف باقی ماندہ رقم ہی کا نہیں اب تک کے سود کا بھی ۔

موصوف نے مجھ سے فرمایا کہ وہ بہت جلد فلاڈلفیا واپس جا رہے ہیں ، اور اپنے ساتھ بہت سی چیزیں لیے جا رہے ہیں ، کیونکہ وہاں ان کا ارادہ ایک بہت بڑی دوکان کھولنے کا ہے ، انھوں نے کہا میں تمہیں ایک کلرک کی حیثیت سے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں ، جس کا کام حساب کتاب کو قاعدے سے رکھنا ہوگا ، نیز ان کے خطوط کی نقل رکھنا ہوگی ۔ اور اسٹور میں باقاعدہ موجود رہنا ہوگا ، انھوں نے مزید کہا ، جیسے ہی تم تجارت اور کاروبار سے واقف ہو گئے تو وہ مجھے ترقی دے دیں گے ، اور ایک کارگو کے ساتھ ویسٹ انڈیز روانہ کر دیں گے ، اور دوسرے تاجروں سے مجھے کمیشن بھی دلائیں گے ، جس سے اچھی خاصی یافت ہو جایا کرے گی ، اور اگر میں نے اچھی طرح کام سنبھال لیا تو وہ مجھے اور بھی بہت سے فائدے پہنچائیں گے ، بلکہ کوئی کاروبار کرا دیں گے ، یہ بات مجھے پسند آئی کیونکہ اب میں لندن کی زندگی سے عاجز آ چکا تھا ، اور وہ دن مجھے یاد آ رہے تھے ، جو میں نے پنسلوینیا میں خوش خرمی کے ساتھ گذارے تھے ، اور وہاں واپس جانے کے لیے بے قرار ہو رہا تھا ، چنانچہ پچاس پونڈ سالانہ کی تنخواہ پر ، میں نے فوراً ہی آمادگی کا اظہار کر دیا ، یہ رقم میری لندن کی موجودہ آمدنی سے کم تھی ، لیکن اس سے بہتر توقعات وابستہ تھیں ۔

اب میں نے طباعت کا کام ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا ، اور مسٹر ڈینھم کی دوکان پر

کیا۔ جس کی تفصیل کسی اور جگہ آئے گی، !

غرض اس طرح میں نے ۱۸ مہینے لندن میں گزارے، وقت کا بڑا حصّہ میں نے جفاکشی کے ساتھ اپنے کام میں گزارا، اپنے اوپر کم سے کم مصارف کیے، کبھی کبھار کوئی ناٹک دیکھ لیا یا پھر کتابیں، میرے دوست رالف نے مجھے بالکل کنگال بنا کر چھوڑ دیا تھا، وہ میرا ۲۷ پونڈ کا مقروض تھا، کبھی بھی جن کے واپس ملنے کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی، میری معمولی سی آمدنی کا یہ بہت بڑا حصّہ تھا، میرے دل میں اب بھی اس کی محبت تھی، اس لیے کہ اس میں بہت سی خوبیاں بھی تھیں، میں وہاں اپنی قسمت تو نہیں بنا سکا لیکن کئی مخلص دوست بنانے میں کامیاب ہو گیا، جن کی باتیں میرے لیے قیمتی سرمایہ تھیں، وہاں مطالعے کے مواقع بھی مجھے زیادہ اور خوب ملے۔

۲۲، جولائی ۱۷۲۶ء کو گریوسینڈ (Gravesend) سے روانہ ہوا، راستے کے حالات و سوانح کے لیے میں تمہیں اپنے رسالے کا حوالہ دیتا ہوں، جس میں جزئی تفصیلات تک اس سفر کی موجود ہیں، اس کا سب سے اہم حصّہ وہ پلان ہے جو تم اس میں دیکھو گے جو سمندر کی لہروں پر زندگی کے آنے والے دنوں کے لیے تیار کیا گیا تھا، اس کی اہمیت اس لئے اور بڑھ جاتی ہے کہ عین عنفوانِ شباب میں میرے قلم نے یہ خاکہ تیار کیا تھا۔ اور اب بھی کہ بڑھاپے کی وادی میں قدم رکھ چکا ہوں، میرے لئے رہنما کی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۱۔ اکتوبر کو ہم فلاڈلفیا کے ساحل پر اترے، یہاں کچھ معمولی سی تبدیلیاں نظر آئیں، کیتھ اب گورنر نہیں رہ گیا تھا، اس کی جگہ میجر گورڈن اس منصب پر فائز تھے، کیتھ ایک مرتبہ معمولی آدمی کی طرح سڑک پر ٹہل رہا تھا، جب میری اس سے مڈبھیڑ ہوئی، شرم و ندامت کے ذرا بھی آثار اس کے چہرے سے ہویدا نہیں تھے، وہ ادھر ادھر دیکھے بغیر گزر گیا، مسٹر ریڈ سے مل کر میں نے بہت ندامت اور شرم محسوس کی، جن اسباب کے باعث میں واپس نہیں آرہا تھا، ان کی وجہ سے وہ میرا خط پاکر مایوس ہوگئی تھی، اسے ترغیب دی گئی کہ ایک دوسرے شخص راجرس سے شادی کرلے، جو ظروف سازی کا کام کرتا تھا، یہ واقعات میری عدم موجوگی میں پیش آئے، دونوں کی شادی ہوگئی، مس ریڈ اپنے شوہر سے خوش نہیں تھی، اور بہت جلد اس سے قطع تعلق کرلیا، اس سے ملنے یا کسی طرح کی راہ ورسم رکھنے، حتیٰ کہ اس کا نام تک سننے سے انکار کردیا، راجرس نے دوسری شادی کرلی، وہ ایک نکما آدمی تھا، اگرچہ اپنے فن میں طاق تھا، اسی چیز نے مس ریڈ کے ہوا خواہوں کو اس کی طرف مائل کیا تھا، وہ کافی مقروض ہوگیا تھا، ۱۷۲۷ یا ۱۷۲۸ء میں اس نے راہ فرار اختیار کی اور ویسٹ انڈیز پہنچ گیا، وہیں اس کا انتقال ہوگیا، کیمر نے ایک اچھا مکان لے لیا تھا۔ ایک دوکان بھی تھی، جس میں اسٹیشنری کا سامان تھا، اور کاروبار میں نمایاں کامیابی حاصل کرلی تھی۔

•

مسٹر ڈینھم نے واٹر اسٹریٹ میں ایک دوکان لے لی تھی، یہاں ہم نے سارا سامان قرینے سے سجالیا تھا، میں نہایت پابندی سے حاضری دینے لگا، اور حساب کتاب بھی سیکھنے لگا، مختصر سی مدت میں خاصی ترقی میں نے کرلی، اور مال بیچنے کے فن میں مہارت حاصل

لوگ کام کر رہے تھے ان میں سے ایک ہف میریڈتھ (Hugh Meredith) تھا، عمر تقریباً ۳۰ سال، ایمان دار، کارگزار، اور مفکر شخص تھا، مطالعے کا شوق بھی رکھتا تھا، لیکن شراب کا رسیا تھا، ایک دوسرا شخص سٹیفن پاٹس تھا، پختہ عمر کا ایک ملکی آدمی طنزیات و مضحکات میں طاق لیکن سست اور کاہل، کیمر ان دونوں کو زیادہ سے زیادہ کم اجرت فی ہفتہ دیتا تھا، ہر تیسرے مہینے ایک شلنگ کی ترقی بشرطیکہ کام اچھا ثابت ہو، میریڈتھ پریس پر کام کرتا تھا، پاٹس جلد بندی کا کام کرتا تھا، ازروئے معاہدہ یہ کام اسے دوسرے کارکنان کو بھی سکھانا تھا، لیکن اسے خود کیا آتا جو کسی کو سکھاتا، ایک اور شخص جان تھا یہ آئرش تھا، تند خو شخص تھا، اسے کیمر نے ایک جہاز کے کپتان سے خریدا تھا، اسے بھی پریس کے کام پر لگا دیا گیا تھا، ایک اور شخص جارج ویب تھا، یہ آکسفرڈ کا تعلیم یافتہ تھا اسے چار سال کے لیے کیمر نے معاہدہ کر کے رکھا تھا، اس سے وہ کمپوزیٹر کا کام لیتا تھا، ایک اور شخص تھا ڈیوڈ ھیری، یہ ایک ملکی لڑکا تھا جسے اس نے کار آموز کی حیثیت سے رکھا تھا

بہت جلد میں نے یہ محسوس کر لیا کہ کیمر نے جو مجھے اتنی زیادہ اجرت پر رکھا تھا، اس کا راز یہ تھا کہ میں ان نوآموز لوگوں کو اچھی طرح کام سکھا دوں۔ اور جیسے ہی یہ لوگ کام سیکھ لیں تو وہ ان کم اجرت والوں کو اپنے ڈھب پر لگائے گا اور مجھے رخصت کر دے گا، بہرحال میں نہایت سکونِ قلب کے ساتھ کام کرنے لگا، پرنٹنگ ہاؤس کو میں نے ایک مرتب اور منظم چیز بنا دیا، جس کی چیز تتر بتر تھی، اور کسی کا کوئی ٹھور ٹھکانا نہیں تھا، اور کیمر کے لوگوں کو کام بھی اچھی طرح سکھایا، اور انھیں ترغیب دی کہ اچھی طرح سے کام کیا کریں۔

کر لی۔ ہم دونوں ایک ساتھ ہی رہتے اور کھاتے پیتے تھے، وہ ایک باپ کی طرح میری رہنمائی کرتے تھے، اور میرا بہت زیادہ لحاظ کرتے تھے، میں ان کا احترام کرتا اور ان سے محبت کرتا تھا، ہم دونوں نہایت اطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے، فروری ۱۷۲۶ یا ۱۷۲۷ء میں جب میری عمر اکیس سال ہو چکی تھی، ہم دونوں بیمار پڑ گئے، میں ذات الجنب کے مرض مبتلا تھا، اور میری حالت بہت بگڑ گئی تھی، میں نے بڑی تکلیف اٹھائی، حافظہ جواب دے گیا، جب صحت ہوئی تو یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوا کہ اپنی غلطیوں کو درست کرنے کے لیے سارا کام از سر نو مجھے کرنا پڑے گا، مجھے نہیں یاد، مسٹر ڈینھم کس مرض میں مبتلا تھے، وہ کافی عرصے تک بیمار رہے، اور آخر کار اس دنیا سے چل بسے، اپنی لطف و عنایت کا یہ ثبوت مرتے مرتے دیتے گئے، کہ میرے لیے زبانی وصیت کر گئے اس طرح دنیا میں مجھے بالکل تنہا چھوڑ گئے، اسٹور اب ان کے مقرر کردہ متولیوں کے قبضے میں آ گیا تھا، اور مسٹر ڈینھم کے ماتحت میری ملازمت کا دور ختم ہو گیا۔

میرے بہنوئی ہومس اب فلاڈلفیا میں رہتے تھے۔ انھوں نے مجھے مشورہ دیا کہ اپنا پرانا کام شروع کر دوں، کیمر نے بھی مجھے ترغیب دی، اور بہت معقول اجرت کی پیشکش کی، اس کی خواہش تھی کہ میں اس کے پرنٹنگ ہاؤس کی ذمہ داری قبول کر لوں، وہ صرف اسٹیشنری کا کام کرتا رہے گا، میں نے لندن میں اس کی بدکرداری کے واقعات اس کی بیوی اور بیوی کے دوستوں کی زبان سے سنے تھے، اور اب میرا اس کے ساتھ کام کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا، میں نے کسی کاروباری فرم میں کلرک کی حیثیت سے ملازمت کرنے کی کوشش کی لیکن کہیں بھی جگہ نہ ملی، آخر پھر کیمر کے ساتھ مجھے کام کرنا پڑا، اس کے ہاں جو

جان بہت جلد بھاگ کھڑا ہوا، باقی لوگوں کے ساتھ میں دل جمعی کے ساتھ کام کرتا رہا
یہ سب لوگ میرا بہت زیادہ احترام کرتے تھے، جب انھوں نے محسوس کر لیا کہ کیمر تو انھیں
نہ کچھ سکھاتا ہے نہ سکھا سکتا ہے، اور مجھ سے وہ روزانہ کچھ نہ کچھ سیکھ لیتے ہیں، سنیچر ہماری
چھٹی کا دن ہوتا تھا، یعنی کیمر کے لیے یوم سبت، اس طرح مجھے پڑھنے اور مطالعہ کرنے
کے لیئے دو دن مل جایا کرتے تھے، شہر کے معقول اور سنجیدہ اور صاحب علم لوگوں سے
میرے مراسم خاصے بڑھ گئے، کیمر بھی میرے ساتھ بہت تہذیب اور معقولیت سے پیش
آتا تھا، میرا حد درجہ لحاظ کرتا تھا، میرے لیے اب یہاں کوئی بات بھی ناگوار اور تکلیف دہ
نہیں تھی، البتہ ایک چیز پریشان کرتی رہتی تھی، یعنی ورنن کا قرض جو اب تک میں ادا نہیں
کر سکا تھا، اور فی الحال ادا کرنے کی استطاعت بھی نہیں تھی، کیونکہ میری مالی حالت اب تک
سقیم تھی، لیکن اب تک ورنن نے از راہ کرم اپنی رقم کا مجھ سے مطالبہ نہیں کیا تھا۔

ہمارے پرنٹنگ ہاؤس میں اکثر حروف کم پڑ جایا کرتے تھے، اور ٹائپ ڈھالنے کا
کوئی کارخانہ امریکہ میں نہیں تھا، لندن میں جیمس کے ہاں ٹائپ ڈھالا جاتا تھا، لیکن کس
طرح؟ اس پر میں نے چنداں توجہ نہیں کی، بہرحال اب میں نے ٹائپ ڈھالنے کی کوشش
شروع کر دی، ٹائپ کے جو حروف ردی ہو کر ایک پیپے میں ڈال دیئے جاتے تھے، میں نے
انھیں از سر نو ڈھالنے کا ڈھب ڈال لیا، جو ہر نقص سے بری تھا، متعدد مواقع پر میں نے
کندہ کاری بھی کی، میں نے روشنائی بھی بنائی، میں گودام کا انچارج تھا، اور ہر چیز میرے
تصرف میں تھی، جو چاہتا کر سکتا تھا۔

یہ بہت پرانی ریت تھی کہ آکسفرڈ کا ایک تعلیم یافتہ ملازم کی حیثیت سے خریدا جائے اس کی عمر ۱۸ سال سے زیادہ نہیں تھی، یہ گلوسسٹر میں پیدا ہوا تھا، وہاں کے گرامر اسکول میں تعلیم پائی، اسکول میں جو ناٹک کھیلے جاتے تھے، ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا، اور اپنا پارٹ بڑی خوبی سے ادا کرتا تھا، اور اس فن میں اپنے تمام ساتھیوں پر فائق تھا، اور نمایاں حیثیت کا حامل تھا، یہ وہاں وٹی کلب [illegible] سے بھی وابستہ تھا، اُس نے چند نظمیں اور گیت بھی لکھے تھے، جو گلوسسٹر کے اخبارات میں شائع بھی ہوئے تھے، یہاں سے وہ آکسفرڈ بھی گیا، یہاں ایک سال تک اُس نے تعلیم حاصل کی، لیکن جی نہ لگا، لندن جانے کے لیے پر تولنے لگا، تاکہ وہاں جا کر کسی ناٹک کمپنی میں اداکار بن جائے، آخر کار اس نے جب اپنا سہ ماہی الاؤنس پندرہ گنی وصول کیے تو قرض ادا کرنے کے بجائے آکسفرڈ سے نکل بھاگا۔ اپنی گاؤن ایک جھاڑی میں چھپا دی اور سیدھا پا پیادہ لندن پہنچا، یہاں کوئی دوست تو تھا نہیں، جو کوئی مشورہ دیتا، بری صحبت کا شکار ہو گیا، بہت جلد وہ گنیاں ختم ہو گئیں، اداکاروں سے متعارف ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، تنگ آ کر اور ضروریات سے مجبور ہو کر اپنے کپڑے گروی رکھ کر روٹی خریدی، سڑکوں پر سخت بھوک کے عالم میں گھومتا ہوا اور آئندہ کے پروگرام سے بے خبر بھرتی کے ایک دلال کے جال میں آ گیا، اُس نے وعدہ کیا کہ اگر امریکہ چلو تو مالا مال ہو جاؤ گے، اور خوب کماؤ گے، اس نے معاہدہ پر دستخط کر دیئے اور امریکہ ایک جہاز پر روانہ کر دیا گیا، اور یہاں پہنچ گیا، اپنے دوستوں میں سے کسی کو بھی خط لکھ کر اس نے اپنے حالات سے مطلع نہیں کیا، یہ ایک زندہ دل ہنسوڑ اور اچھی فطرت کا نوجوان تھا، اور بہت دلچسپ ساتھی، لیکن کاہل الوجود، بے دماغ، اور حد درجہ ڈھیٹ۔

لیکن میری خدمت کیسی ہی بے لوث اور شاندار رہی، میں نے محسوس کیا کہ دن بدن میری اہمیت اور قیمت کم ہوتی جا رہی ہے، کیونکہ دوسرے نوآموز اب کام کرنا بخوبی سیکھ گئے تھے، اور جب کیمر نے میری دوسری سہ ماہی کی اجرت ادا کی، اس نے مجھ سے کہا کہ میں محسوس کر رہا ہوں، کہ مصارف بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں، لہٰذا اپنی اجرت میں کچھ تخفیف گوارا کر لو، اب رفتہ رفتہ اس کی تہذیب اور خوش خلقی کا ملمع اُترتا جا رہا تھا، سزا دینے اور کانٹ چھانٹ کرنے، ڈانٹ ڈپٹ کرنے اور غصّہ کرنے کے بہانے ڈھونڈا کرتا تھا، بہرحال صبر و تحمل کے ساتھ میں نے کام جاری رکھا، میرا خیال تھا، اس کی اس ذہنیت میں کچھ نامساعد حالات کا بھی دخل تھا، آخر کار ایک حادثہ رونما ہوا، جس نے ہمارے تعلقات کو متزلزل کر دیا میرے کانوں میں شور و غل کی آواز آئی، کھڑکی سے سر باہر نکال کر میں نے دیکھا کہ کیا ماجرا ہے، کیمر سڑک پر کھڑا ہوا میری طرف تک رہا تھا، اس نے زور سے چیخ کر مجھ سے کہا اپنا کام کرو، اِدھر اُدھر کیا تک رہے ہو، ساتھ ہی ساتھ اس نے نہایت نامناسب اور ناشائستہ الفاظ بھی استعمال کیے، آس پاس کے تمام لوگ کھڑے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے، کہ میرے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے، پھر وہ فوراً ہی دندناتا ہوا پرنٹنگ ہاؤس میں داخل ہوا، اور وہی جارحانہ طرزِ عمل جاری رکھا، ہم دونوں نے نامناسب الفاظ کا تبادلہ جاری رکھا، اس نے مجھے متنبہ کیا کہ اس سہ ماہی کے بعد تمہاری ملازمت ختم ہو جائے گی، میں نے اس سے کہا، تمہاری یہ خواہش کچھ غیر ضروری سی ہے، کیونکہ میں تو یہاں ابھی وقت جا رہا ہوں، میں نے اپنی ٹوپی اٹھائی اور دروازے سے نکل گیا، نیچے میریڈتھ سے ملاقات ہوئی اس سے میں نے کہا، میں تو چلا، لیکن اپنی بعض چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ان کا خیال رکھنا اور احتیاط سے انھیں میری قیام گاہ پر پہنچا دینا۔

شام کو میرپڈتھ میری قیام گاہ پر آیا، جب میں اسے ساری داستان سنا رہا تھا، تو اس نے میرے لیے عزت و احترام کے جذبات کا اظہار کیا، یہ بات اسے سخت تکلیف پہنچا رہی تھی، کہ میں تو وہاں سے چلا آؤں، اور وہ بدستور کام کرتا رہے، اُس نے مجھے ترغیب دی کہ میں وطن واپس چلا جاؤں، خود میرے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہو رہا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ کیمر کا بال بال مقروض ہے، اس کے قرض خواہوں میں بد اتحادی پیدا ہو گئی ہے، اور یہ کہ اس کی دوکان کا مال بھی ابتر ہے، بسا اوقات وہ لاگت کے دام پر چیزیں فروخت کر دیتا ہے، تاکہ روپیہ تو ہاتھ آئے، ایسا بھی کرتا ہے کہ امید کے سہارے حساب کھولے بغیر لوگوں کو ادھار بھی دے دیتا ہے، اب وہ میدان میں ٹک نہیں سکتا، اور اس طرح ایک موقعہ پیدا ہو جائے گا، جس سے آپ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، میں نے کہا، لیکن میرے پاس روپیہ کہاں؟ اس نے کہا میرے والد آپکے بارے میں بڑی اچھی رائے رکھتے ہیں، اور ان کے کان تک آپ کی اچھائیوں اور خوبیوں کی جو باتیں پہنچی ہیں، ان کی بنا پر مجھے یقین کامل ہے، کہ وہ ضرور آپ کو ضروری رقم دے دیں گے، اور اس طرح ہم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں گے، اور پارٹنر کی حیثیت سے کام کریں گے، وہ کہنے لگا اس موسم بہار میں میرا اس سے معاہدہ ختم ہو جائے گا، اتنی مدت میں لندن سے ہمارا پریس اور ٹائپ آجائے گا، اگر یہ بات اس نے منظور کر لی تو اس فن میں آپ کی مہارت اور کمال سے کام آگے بڑھانے میں بہت زیادہ مدد ملے گی، اور جو سرمایہ ان میں ہم پہنچاؤں گا، وہ ضائع نہیں ہو گا، نفع میں ہم دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔

تجویز معقول تھی، میں نے منظور کر لی، اس کے والد شہر میں تھے، اُنھوں نے بھی

برلنگٹن گئے، جس کی اجرت بہت اچھی اور توقع سے کہیں زیادہ ملی، اور اس کا دماغ کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔

برلنگٹن میں متعدد سربرآوردہ اصحاب سے رسم وراہ پیدا کرنے کا مجھے موقع ملا، ان میں سے متعدد وہ لوگ تھے، جن پر مشتمل اسمبلی نے ایک کمیٹی بنائی تھی، کہ یہ لوگ اس بات کا خیال رکھیں اب مزید بل جو خلاف قانون ہوں چھپنے نہ پائیں، ان کا یہ کام بھی تھا کہ پریس سے براہ راست رابطہ پیدا کریں، یہ لوگ باری باری سے پابندی کے ساتھ ہمارے پاس آنے لگے، آنے والا ممبر اپنے ساتھ دو ایک دوستوں کو بھی لے آتا تھا، میری ذہنی ساخت مطالعے کے باعث کیمر کے مقابلے میں زیادہ بہتر تھی، میرا خیال ہے شاید اسی وجہ سے میری گفتگو انہیں زیادہ معقول اور مدلّل نظر آتی تھی، یہ مجھے اپنے گھر بھی بلا لیا کرتے تھے اپنے دوستوں سے میرا تعارف کراتے تھے، اور میرے ساتھ زیادہ سے زیادہ خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے تھے، اس کے برعکس کیمر اگرچہ مالک مطبع تھا لیکن اس کی طرف کوئی رخ بھی نہیں کرتا تھا، امر واقع یہ ہے کہ وہ تالاب کا مینڈک تھا اور زندگی کے عام مسائل سے بالکل ناواقف، اور لاعلم، جارحانہ قسم کے مخالف افکار کا شائق، میلا کچیلا، گندگی سے بھرا ہوا، مذہب کے بعض پہلوؤں سے غیر معمولی دلچسپی رکھنے والا، ساتھ ہی ساتھ مکار اور دغاباز بھی۔

تین مہینے تک ہم مل جل کر کام کرتے رہے، اس زمانے میں میری دوستی جج ایلن، سیموئل بسٹل —— سکریٹری برائے صوبہ —— آئزک پیرسن، جوزف

منظوری دے دی، مزید برآں انھیں یہ معلوم تھا کہ ان کے بیٹے پر میرا گہرا اثر ہے، وُہ اس کی شراب نوشی سے عاجز آچکے تھے، اور روکنے کے تمام جتن کر چکے تھے، اب انھیں امید تھی کہ میرے ساتھ رہنے اور کام کرنے سے اس کی عادت چھوٹ جائے گی، کیونکہ اشتراک کی صورت میں ہمارے روابط اور زیادہ قوی ہو جائیں گے، میں نے اس کے والد کو ضروریاتِ مطلوبہ کی ایک فہرست دے دی، انھوں نے وہ ایک تاجر کے حوالے کر دی، اور ان چیزوں کا آرڈر دے دیا گیا، طے یہ ہوا کہ جب تک یہ چیزیں نہ آجائیں، بات پھوٹنے نہ پائے، اس اثنا میں کہیں اور میں کام شروع کر دوں، بشرطیکہ کوئی معقول کام کسی پرنٹنگ ہاؤس میں مل سکے، لیکن اتفاق کی بات کہیں کوئی جگہ خالی نہیں تھی، چنانچہ چند روز تک بالکل بے روزگار رہا، اس دوران میں نیوجرسی سے کیمر کو ایک اچھے کام کا آرڈر مل گیا، جس کے لیے خاص ٹائپ اور انجام دینے کے لیے خاص مہارت کی ضرورت تھی، اسے اندیشہ ہوا کہیں بریڈفورڈ یہ کام نہ جھپٹ لے اور مجھے اپنے ہاں نہ رکھ لے کیونکہ یہ کام میرے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ اس نے کمال خوش اخلاقی کے ساتھ پیام بھیجا کہ پرانے دوستوں کو چند الفاظ کے باعث جدائی نہیں اختیار کرنی چاہیئے، یہ چیزیں وقتی اور ہنگامی نوعیّت کی ہوا کرتی ہیں، لہٰذا مجھے اب پھر اپنے کام پر واپس آجانا چاہیئے، میریڈتھ نے مجھے ترغیب دی کہ یہ پیش کش قبول کر لوں، کیونکہ اس طرح روزانہ میرے زیرِ ہدایت کام کرنے سے اپنے اندر وہ مزید استعداد اور صلاحیت پیدا کرے گا، آخر میں پھر کیمر کے ہاں چلا گیا، اور ہم پہلے سے زیادہ بہتر طور پر رہنے لگے، نیوجرسی کا کام مل چکا تھا، میں نے اس کے لیے ایک کوپر پلیٹ پریس تیار کیا، یہ اپنی نوعیت کی اس ملک میں پہلی چیز تھی، کام بہت جلد اور بڑی خوبی سے تکمیل تک پہنچ گیا، ہم دونوں ساتھ ساتھ

کوپر اور اسمتھ خاندان کے متعدد لوگوں سے ہوگئی، یہ اسمبلی کے ممبر تھے، اور آئزک ڈیکو سرویئر جنرل کے منصب پر فائز تھا، موخرالذکر ایک سنجیدہ اور معمر شخص تھا، اس نے مجھے بتایا کہ وہ خود ساختہ آدمی ہے، جب ذرا بڑا ہوا تو اینٹیں بنانے والوں کی مشین چلانے لگا، لکھنا اس وقت سیکھا جب عمر کافی ہوگئی تھی، پھر سروے کا کام سیکھا، اور اب اپنے کام میں اتنی ترقی کر چکا ہے، کہ بڑی املاک وجائداد کا مالک ہے، سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے پھر اس نے کہا:۔

میری یہ پیشن گوئی یاد رکھو کہ وہ وقت جلد آنے والا ہے، جب تم دشمن کو چلتا کر دگے، خود ترقی کروگے، اور فلاڈلفیا میں نمایاں مقام حاصل کرلوگے،،!،،

آئزک ڈیکو کو بالکل نہیں معلوم تھا کہ میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی یہاں یا کہیں اور کوشش کر رہا ہوں، یہ دوست بعد میں میرے لیے بہت مفید ثابت ہوئے، جیسا کہ مجھے کبھی کبھی تجربہ ہوا، یہ سب مرنے سے پہلے تک میری عزت، اور میرا خیال کرتے رہے۔

قبل اس کے کہ کاروبار میں اعلانیہ طور پر میں نمودار ہوں بہتر ہوگا کہ تم پر یہ واضح کردوں کہ اس وقت میری ذہنی اور اخلاقی کیفیت کیا تھی، اور کون سے اصول تھے، جن پر میں عامل تھا، تاکہ تم اندازہ کرسکو کہ ان اصولوں نے میرے مستقبل پر کس حد تک اثر ڈالا، میرے والدین نے بچپن میں مجھے مذہبی بنانے کی پوری کوشش کی تھی، اور میری تربیت اس صالح ماحول میں کی تھی، لیکن ۱۵ سال کی عمر تک پہنچتے کئی ایسے مذہبی مسائل تھے جن کی صداقت پر مجھے شبہ ہونے لگا، اس کی وجہ یہ تھی کہ مختلف کتابوں میں جو میں نے

پڑھیں کی تعبیر و تاویل کافی مختلف اور متضاد تھی، وحی آسمانی تک میری نظر میں ناقابل یقین چیز تھی، بعض ایسی کتابیں بھی میری نظر سے گزریں، جن میں وجود الٰہی سے انکار کیا تھا بوائل Boyle کے لیکچروں کا خلاصہ ان کتابوں میں دیا گیا تھا، جو امور خطائی کی حیثیت میں تھے، لیکن ان کتابوں کا بالکل الٹا اثر مجھ پر پڑا، مثلاً ان میں وجود الٰہی سے انکار کیا گیا تھا، اور اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی گئی تھی، لیکن وجود باری تعالیٰ پر اس مطالعے کے بعد میرا عقیدہ کچھ زیادہ پختہ ہو گیا اور میں پکا خدا پرست بن گیا، میرے دلائل مباحث کا دوسروں پر جو اثر پڑا وہ یہ تھا کہ مثلاً کولنس اور رالف تو بالکل ہی گمراہ ہو گئے، ان میں سے ہر ایک نے بغیر کسی ندامت اور شرمندگی کے بعد ازاں مجھے اذیت پہنچائی، کیتھ نے میرے ساتھ جو طرز عمل اختیار کیا تھا، وہ بھی دل میں خلش پیدا کرنے کا موجب ہوا — کیتھ بھی آزاد مشرب آدمی تھا، — مس ریڈ سے بھی مجھے غیر معمولی صدمہ پہنچا تھا، میرے دل میں یہ شبہ انگڑائیاں لینے لگا، کہ گو یہ فلسفہ بجائے خود صحیح اور درست ہی کیوں نہ ہو لیکن کچھ زیادہ کارآمد نہیں ہے، میں نے اپنے لندن والے پمفلٹ میں ڈرائڈن کے یہ الفاظ موٹو کے طور پر لکھے تھے :-

جو کچھ بھی ہے وہ صحیح ہے،

اگرچہ نزدیک بین اس کا صرف ایک ہی حصہ دیکھتا ہے۔

جو قریب ترین نقطہ اتصال ہوتا ہے،

اور خدا کی خاص الخاص صفات میں، اس کی لامحدود حکمت، شفقت، اور قوت ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی چیز بھی غلط اور بے سود نہیں ہے، نیز کہ بدی اور نیکی کھوکھلے امتیازات ہیں، میں سوچنے لگا، کہیں اس فکر میں کوئی ایسی غلطی یا کوتاہی تو نہیں ہے جو

میری نظر سے اوجھل ہو، اور میرے دلائل میں شامل ہو گئی ہو، اس سے میرے ماننے والے گمراہ ہو گئے ہوں، جو مابعد الطبیعات کا ایک عام اصول ہے۔

مجھے یقین کامل ہو چکا تھا کہ سچائی، اخلاص اور دیانت کو انسانوں کے باہمی ارتباط اور زندگی کے نباہ میں غیر معمولی اہمیت اور خصوصیت حاصل ہے، میں نے یہ بات گرہ میں باندھ لی تھی، اور اسے اپنے جرنل میں لکھ بھی لیا تھا، اور اپنی زندگی بھر اس اصول کو کبھی بھی میں نے نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا، وحی آسمانی کا مسئلہ میرے نزدیک کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں تھا، لیکن میں مستحکم طور پر اس رائے کا تھا کہ گو بعض چیزیں اس لیے بری نہیں ہیں کہ وہ ممنوعات شریعت میں داخل ہیں، نہ محض اس لیے اچھی ہیں کہ وحی الٰہی نے ان کا حکم دیا ہے، تاہم ان اعمال کو اس وجہ سے ممنوعات میں شامل ہونا چاہیئے کہ بہرحال ان کا ارتکاب ہمارے لیے برا ہے، اور جن چیزوں کا حکم از روئے شریعت دیا گیا ہے، ان کا بجالانا اس لئے ضروری ہے کہ واقعی ہمارے لیے اپنی نوعیت کے اعتبار سے مفید ہیں، اعمال و افعال کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد نتیجہ یہی نکلتا ہے، اس عقیدے نے خدا کے فضل و کرم سے، یا آسمانی مدد سے، یا اتفاقی حوادث کے باعث، یا ہنگامی صورت احوال کے ماتحت، نوجوانی کے خطرناک زمانے میں مجھے ہر برائی سے محفوظ و مامون رکھا، اور پرخطر حالات کے گرداب سے بچا لیا، کبھی کبھی والد کی نظر اور نصیحت سے ایک اجنبی کی طرح بچنے کی کوشش کرتا تھا۔

اس میں کوئی ارادی بداخلاقی یا ناانصافی شامل نہیں ہوتی تھی، جسے میری مذہب سے لاتعلقی کا نتیجہ قرار دیا جا سکے۔ [۱]

کچھ مدت کے بعد ہم فلاڈلفیا واپس آ گئے، حالانکہ ابھی نیا ٹائپ اور ضروری چیزیں لندن سے نہیں آئی تھیں، کیمر سے بغیر کسی تلخی کے ہم نے علٰحدگی اختیار کر لی، اور قبل اس کے کہ وہ ہمارے آئندہ عزائم سے واقف ہوتا، ہم اسے چھوڑ گئے، مارکیٹ کے قریب ہمیں ایک مکان مل گیا، اسے ہم نے کرایے پر لے لیا، کرایے کا بوجھ کم کرنے کے لیے —— کرایہ ۲۴ پونڈ سالانہ تھا، —— ہم نے تھامس گاڈفرے کو جو ایک شیشہ ساز تھا، مع اس کے خاندان کے اپنا شریک بنا لیا، تھامس کرایے کا معقول حصّہ ہمیں ادا کرتا تھا۔ کھانے کا انتظام بھی ہم نے اسی کے ہاں کر لیا تھا، ہم نے ٹائپ کھول لیا تھا، اور پریس بھی فٹ کر دیا تھا، جارج ہاؤس میرا ایک جاننے والا تھا، وہ ایک ملکی آدمی کو ہم سے ملانے لایا، جس سے اس کی ملاقات سٹرک پر ہو گئی تھی، اور وہ کسی مطبع کی تلاش میں تھا، ہمارے پاس جتنی نقد رقم تھی، وہ سب ضروری چیزوں کی خریداری میں خرچ ہو چکی تھی، اس ملکی گاہک سے ہمیں جو پانچ شلنگ ملے، یہ خالص نفع تھا، اب تک کی ملازمت

---

[۱] میں نے ارادی کا لفظ خاص طور پر اس لئے استعمال کیا ہے کہ جن مثالوں کا میں نے تذکرہ کیا ہے، وہ بعض وجوہ سے یعنی میری نوجوانی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے اور بعض ساتھیوں کی چال بازی اور دغا بازی کے باعث ناگزیر تھیں، ورنہ ویسے اپنے اصول اور کردار پر میں قائم رہا، اس کی میری نظر میں قدر و قیمت تھی، اور میری کوشش تھی کہ اسے اپنے اندر قائم رکھوں۔

عمارتیں بن رہی تھیں، اوران کے کرایے بھی خوب چڑھے ہوئے تھے، بظاہر اس شخص کی یہ خیال آرائی مغالطہ انگیز معلوم ہوتی تھی، لیکن یہ بھی حقیقت تھی، کہ یہی وہ چیزیں تھیں، جو ہماری بربادی کی موجب بھی ہوسکتی تھیں "!

پھر اس شخص نے بڑی تفصیل سے ان آفتوں کو بیان کیا، جو اس بدقسمت شہر پر نازل ہوچکی تھیں، یا نازل ہونے والی تھیں، یہ باتیں کرکے وہ مجھے تشویش میں مبتلا کرکے رخصت ہوگیا، یہ باتیں اگر پہلے سے مجھے معلوم ہوتیں تو شائد یہ کاروبار میں شروع ہی نہ کرتا یہ شخص ایک خستہ عمارت میں رہتا تھا، کئی سال تک اس نے کوئی مکان نہ بنایا، نہ خریدا۔ کیونکہ سب کچھ بہت جلد تباہ ہوجانے والا تھا، لیکن آخر کار یہ دیکھکر مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے پانچ گنی قیمت دے کر ایک مکان خریدا، جس روز اس نے اپنی پیش گوئی مجھے سنائی تھی اس زمانے میں اگر اس نے ایسا کرلیا ہوتا تو شائد بہت کم داموں میں لے لیتا۔

اس سے قبل میں بتا چکا ہوں کہ پچھلے سال کے موسم بہار میں ایک کلب سے میرا رابطہ قائم ہوگیا تھا، جس میں باہمی فلاح کی باتیں زیادہ ہوتی تھیں، ہم نے اس کا نام "جنتو" (Junto) رکھ لیا تھا، ہر جمعہ کو ہماری ملاقات ہوا کرتی تھی، اس کلب کے جو قوائد میں نے مرتب کیے تھے، ان کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ ہر ممبر باری باری پر ایک یا ایک سے زیادہ سوالات، اخلاقیات، سیاسیات، یا فلسفۂ فطرت سے متعلق کرے گا، جس پر تمام حاضرین بحث و گفتگو کریں گے، ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ ہر تین مہینے کے بعد ہر ممبر اپنا لکھا ہوا ایک مقالہ سنائے گا، خواہ وہ کسی موضوع پر ہو، ہماری اس مجلس مباحثہ

اور اجرت پر کام کرنے کی مدت میں مجھے اتنی خوشی بھی نہیں ہوئی تھی، جتنی یہ پانچ شلنگ وصول کرکے ہوئی، ہاؤس کا میں دل سے شکر گزار تھا، اس کے اس عمل نے میرے دل میں یہ احساس پیدا کر دیا کہ نیا کام شروع کرنے والے نوجوانوں کی حتی الامکان حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے، یہ واقعہ نہ ہوتا تو شائد یہ خیال بھی کبھی میرے دل میں نہ آتا۔

ہر ملک میں، بدخواہوں اور حاسدوں اور بدشگونی کرنے والے موجود ہوتے ہیں۔ جنھیں تخریب ہی میں مزا آتا ہے، اسی طرح کا ایک آدمی فلاڈلفیا میں رہتا تھا، یہ ایک نمایاں شخصیت کا مالک تھا، معمر بھی تھا، چہرے پر متانت برستی تھی، باتیں بڑی عمدہ کرتا تھا، اس کا نام تھا سیموئل مکل michle یہ حضرت میرے لیے بالکل اجنبی تھے، ایک روز میرے گھر کے دروازے پر جب میں باہر جا رہا تھا، مل گئے، مجھے روک کر باتیں کرنے لگے، فرمایا!

"کیا تم ہی وہ نوجوان ہو، جس نے ابھی حال میں ایک پرنٹنگ ہاؤس قائم کیا ہے؟

جواب اثبات میں پاکر کہنے لگے،

"مجھے تم پر افسوس ہوتا ہے، اس لئے کہ پریس کا کام بڑا روپیہ چاہتا ہے، اور یہ خطیر رقم بھی ضائع ہو جائے گی، کیونکہ فلاڈلفیا ایک غریب شہر ہے، یہاں کے آدھے لوگ دیوالیہ ہو چکے ہیں، یا ہونے والے ہیں!،،

بظاہر یہ بات قرین قیاس نہیں تھی کہ شہر تباہی کے دھانے پر پہنچ چکا ہے۔ نئی

سے لگاؤ تھا، جس کا بعد ازاں وہ مذاق اڑایا کرتا تھا، یہ بھی سر دیر جنرل بن گیا تھا،

ولیم ماگرج، یہ نجار تھا۔ ٹھوس متوازن اور سنجیدہ آدمی تھا،

ہف میریڈتھ، اسٹیفن پاٹس، اور جارج ویب کا ذکر اس سے پہلے میں کر چکا ہوں۔

رابرٹ گریس ایک نوجوان اور دولت مند آدمی تھا، فیاض اور سخی بھی، چٹکلے بڑے اچھے چھوڑتا تھا، ضلع جگت کا ماہر تھا، دوستوں کا دوست۔!

ایک اور شخص تھا، ولیم کولمین۔ میرا ہم عمر، ایک تاجر کے ہاں کلرکی کا کام کرتا تھا، بہت ٹھنڈے دماغ کا آدمی تھا، اور صاف دماغ کا بھی، دل کا صاف اور اخلاق و کردار کے لحاظ سے نہایت اونچا، کم از کم میری نظر سے تو اس پایے کا آدمی نہیں گزرا تھا، بعد میں اس نے خود تجارت شروع کر دی، اور بڑی کامیابی حاصل کی، پھر ہمارے صوبائی ججوں میں شامل ہوگیا، اس کی وفات تک ہماری دوستی غیر منقطع طور پر جاری رہی، تقریباً چالیس سال کی عمر میں یہ دنیا سے رخصت ہوا، ہمارا کلب اس وقت تک جاری رہا، اور یہ بات بے اندیشۂ تردید کہی جا سکتی ہے، کہ یہ فلسفے اخلاقیات، اور سیاسیات کا بہترین مدرسہ بن گیا تھا، جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے صوبے بھر میں یکتا تھا، ہم بحث مباحثے کے لیے جو سوالات اٹھاتے تھے، یا جو مقالات مختلف موضوعات

کا ایک صدر بھی ہوتا تھا، وہی اس اجتماع کو ضابطے کے اندر رکھتا تھا، یہ مباحثے تلاشِ حق کے مخلصانہ جذبات کے ماتحت ہوا کرتے تھے، نہ کسی کے دل میں فتح حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوتا تھا، نہ خواہ مخواہ کی حجت بازی سے کام لیا جاتا تھا، اشتعال اور منازعت سے بچنے کی یہ تدبیر نکالی گئی تھی کہ کچھ عرصے کے بعد گذشتہ مباحث کے مثبت، یا منفی، یا متنازعہ پہلوؤں پر بحث و گفتگو ممنوع تھی، اور اس کی سزا و جرمانہ تھی۔

اس کلب کا پہلا ممبر جوزف برینٹنل Joseph Breintnal تھا، جو دستاویزوں کی نقل نویسی کا کام کیا کرتا تھا، یہ نیک خو، اور ادھیڑ عمر کا آدمی تھا، شاعری سے اسے بہت دلچسپی تھی، جو تحریر بھی نظر کے سامنے پڑ جاتی اُسے پڑھے بغیر نہ چھوڑتا، لکھ بھی لیتا تھا، مخلص آدمی تھا، اس کی گفتگو شیریں اور مدلل ہوتی تھی۔

تھامس گاڈفرے ایک خود ساختہ ریاضی داں تھا، اور اپنے فن میں ماہر، بعد میں اس نے زاویہ ناپنے کا آلہ ایجاد کیا تھا، لیکن اپنے فن کے سوا کچھ اور نہیں جانتا تھا۔ دلچسپ ساتھی بھی نہیں تھا، دوسرے بڑے ماہرین ریاضی کی طرح جن سے مجھے ملنے کا موقع ملا ہے، وہ ہر چیز میں صحت کا پہلو نکال لیتا تھا، یا مخالفت پر اتر آتا، تو کٹ حجتی سے بھی باز نہ آتا، جس سے محفل بے لطف ہو جاتی تھی، یہ ہمیں بہت جلد چھوڑ گیا۔

ولیم پارسنس ایک جفت ساز تھا، لیکن مطالعے کا شوقین، ذاتی مطالعے سے اس نے ریاضی میں کافی دستگاہ حاصل کر لی تھی، شروع شروع میں مقصد فلکیات

پر پڑھتے تھے، ان میں موضوع سے ہٹتے نہیں تھے، اور وہ ایک خاص مقصد کے ماتحت ہوتے تھے، اسی کلب میں بہتر انداز سے گفتگو کرنا، اور بحث کرنا آیا، کلب سے متعلق ابھی کچھ اور باتیں بھی کسی دوسری جگہ ذکر کروں گا،

لیکن اس جگہ کلب کا تذکرہ اس لیے میں نے کیا ہے، کہ اس فائدے کو ظاہر کردں جو اس سے مجھے حاصل ہوا، ممبران کلب میں سے ہر ایک اس کوشش میں لگا رہتا تھا، کہ ہمیں بزنس ملتا رہے، خاص طور پر برینٹال نے تو کوشش کر کے طائفہ خائفین کی تاریخ کے کافی صفحے ہمیں طباعت کے لیے دلوائے، باقی حصّہ اس تاریخ کا کیمر کو مل گیا تھا، ہمیں بڑی محنت کے ساتھ کام کرنا پڑتا تھا، کیونکہ اجرت طباعت اس زمانے میں کم تھی۔

یہ خاصی لمبی چوڑی تقطیع کی کتاب تھی، میں ایک ورق روزانہ کمپوز کر لیتا تھا اور میریڈتھ اسے پریس پر چھاپ لیتا تھا، دوسرے دن کے لیے ٹائپ کھولتے کھولتے تقریباً رات کے ۱۱ - ۱۲ بج جایا کرتے تھے، کیونکہ دوسری جگہ جو کام ہو رہا تھا، اس نے ہمیں پھر بھی پیچھے کر رکھا تھا، لیکن میں کام کے پیچھے اس بری طرح پڑ گیا تھا، کہ ایک رات میرے دو صفحے ٹائپ کیے ہوئے بکھر گئے، اور سارا ٹائپ گڈ مڈ ہو گیا، لیکن بستر پر جانے سے پہلے میں نے پھر سے کمپوز کر کے سب ٹھیک کر لیا، ہمارے پڑوسی اور مہربان اس کام کے بارے میں کچھ زیادہ پرامید نہیں تھے، مجھے بتایا گیا کہ اس نئے پرنٹنگ ہاؤس کے بارے میں "مرچنٹس ایوری نائٹ کلب"، میں گفتگو ہوا کرتی ہے، عام رائے یہ

ہے کہ یہ کام پھلے گا نہیں، ناکام ہوگا، کیونکہ یہاں پہلے ہی سے دو مطابع موجود تھے ایک کیمر کا، دوسرا بریڈ فورڈ کا، لیکن ڈاکٹر بیرڈ Baird —— جن سے بہت عرصہ ہوا، میں اور تم انکے وطن سینٹ اینڈریواسکاٹ لینڈ میں مل چکے ہیں،— اس رائے کے مخالف تھے، ان کا خیال تھا کہ اس صفت کے لیے فرینکلن سے بڑھ کر موزوں اور مناسب کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے، وہ اس فن میں سب سے بڑھ کر تھے، ان سب سے بڑھ کر جنھیں اب تک میں نے دیکھا ہے، کلب سے رات گئے جب میں گھر جاتا ہوں تو اُسے کام کرتا ہوا پاتا ہوں، اور صبح کو اس کے حریف قبل اس کے کام شروع کریں، وہ اپنے کام میں لگ جاتا ہے، اس بات نے دوسرے لوگوں کو بھی متاثر کیا، اور بہت جلد ان حضرات میں سے ایک صاحب نے اسٹیشنری کا ایک اچھا خاصا آرڈر ہمیں دیا، لیکن ابھی تک ہم اس قابل نہیں تھے کہ دوکان قائم کر سکتے۔

اس صفت طباعت کا ذکر میں نے خصوصیت اور تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اگرچہ بظاہر اس میں خود ستائی کا پہلو نظر آتا ہے، میرے اخلاف واحفاد میں جو لوگ یہ سطریں پڑھیں گے، اچھی طرح محسوس کریں گے کہ محنت اور جذبہ کار نے میری پوری زندگی پر کتنا گہرا اثر ڈالا ہے۔

جارج ویب نے ایک خاتون سے دوستی کر لی تھی، اس نے اس کی مالی امداد کی تھی کہ وہ فروخت شدہ محنت کا باقی حصہ کیمر سے خرید لے، اس نے ایک مستری کی حیثیت سے اپنے خدمات ہمیں پیش کیے، میں نے فی الوقت اسے ملازم نہیں رکھا، اور حماقت

اور معاملات کی ذمے داری صرف میرے ہی اوپر تھی، میرا پڈیٹر کمپوزیٹر دونوں تھا صرف معمولی سا پریس مین تھا، کبھی کبھی بھٹک بھی جاتا، میرے دوست اس کے ساتھ میرے روابط کو افسوس کی نظر سے دیکھتے تھے، لیکن میں بہت اچھی طرح بنھائے چلا جا رہا تھا۔

ہمارے اخبار کے نمبر، دوسرے اخبار کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر اور برتر ہوتے تھے، صوبے بھر میں اپنی نوعیّت کے اعتبار سے فرد، ٹائپ بہت اچھا، طباعت بہت عمدہ، لیکن میرے بعض مضامین جو گورنر برنٹ Burnet اور مساچیوسٹ اسمبلی کے مابین تنازعے پر شائع ہوئے، بافہم اور باشعور طبقہ پر بڑا اچھا اثر ڈالا۔ اور چند ہی ہفتوں میں یہ سب کے سب اخبار کے خریدار بن گئے،

اس مثال کی اور بھی کئی لوگوں نے پیروی کی، ہمارے اخبار کی اشاعت میں یوماً فیوماً اضافہ ہو رہا تھا، یہ پہلا خوشگوار اثر ہمارے اخبار پر پڑا، اس کا سبب ظاہراً یہ تھا کہ میں بے دھڑک لکھتا تھا، دوسرے یہ کہ سربرآوردہ اصحاب نے جب یہ دیکھا کہ اخبار ایسے شخص کے ہاتھ میں ہے جو اچھی طرح لکھنا جانتا ہے، تو انھیں مناسب یہ نظر آیا کہ میری حوصلہ افزائی کریں، بریڈفورڈ اب بھی قانون، ووٹ اور پبلک بزنس کی دوسری چیزیں اپنے اخبار میں چھاپ رہا تھا، اس نے ہاؤس کا ایک ایڈریس، جس میں گورنر کو مخاطب کیا تھا، شایع کیا، نہایت بھونڈے اور قابل اعتراض طور پر، ہم نے یہی چیز بڑے سلیقے اور خوبصورتی کے ساتھ شائع کی، اور ہر ممبر کو اس کی ایک کاپی بھیج دی، انھوں نے ہم دونوں کے اندازِ طباعت کا فرق بہت اچھی طرح محسوس کر لیا، اس سے

یہ کی کہ اسے ہم راز بناتے ہوئے بتا دیا کہ میں بہت جلد ایک اخبار نکالنے والا ہوں اس وقت رکھ لوں گا، میری کامیابی کی ساری امیدیں اب اس چیز سے وابستہ تھیں، کیونکہ یہاں سے صرف ایک ہی اخبار نکلتا تھا جس کا مالک بریڈ فورڈ تھا، یہ اخبار حد درجہ لغو اور بیکار تھا، کوئی کام کی بات نہ ہوتی، نہ دلچسپی کا کوئی ذریعہ قارئین کے لیے فراہم کیا جاتا، مزید براں انتظام نہایت ناقص تھا، پھر بھی نفع میں چل رہا تھا، لہذا میں نے سوچا ایک اچھا اخبار زیادہ کامیاب ہوگا، اس کے ناکام ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، میں نے ویب سے کہہ دیا تھا، خبردار اس بات کا چرچا نہ کرنا، لیکن اس نے جا کر کیمر سے لگا دیا، فوراً ہی مجھ پر سبقت لے جاتے ہوئے، اس نے اپنے مجوّزہ اخبار کا پروگرام شائع کر دیا، اور ویب کو اپنے ہاں ملازم بھی رکھ لیا، مجھے یہ بات بہت بری لگی، مجھ سے اور تو کچھ نہ ہو سکا، یہ ضرور کیا کہ بریڈ فورڈ کے اخبار میں کالم نویسی شروع کر دی جو کافی پسند کیا گیا، جسے بعد میں کئی مہینے تک بریزٹل نے جاری رکھا، اس طرح بریڈ فورڈ کا اخبار چل نکلا، اور کیمر کی اسکیم ٹھپ ہوتی نظر آنے لگی، پھر بھی اس نے اخبار نکالا۔ اور تقریباً ۹ مہینے تک جاری رکھا، بڑی مشکل سے وہ اب تک ۹۰ خریدار بنا سکا تھا، آخر اُس نے مجھے پیش کش کی کہ میں اسے معمولی قیمت پر لے لوں، میں نے فوراً اس کا چارج لے لیا، اور کام شروع کر دیا، چند سال میں یہ بڑا نفع بخش سودا ہوگیا اور میں نے اس سے کافی روپیہ کمایا۔

یہ تذکرہ جو میں کر رہا ہوں، اس میں واحد متکلم کا صیغہ میں نے استعمال کیا ہے اگرچہ ہماری شرکت (پارٹنرشپ) قائم تھی، اس کی وجہ یہ ہے کہ جن انتظامات

ممبران اسمبلی میں ہمارے جو دوست تھے، انہیں قوت ملی، اور انہوں نے کوشش کرکے یہ تجویز منظور کرالی کہ اگلے سال کا اسمبلی کا کام ہم چھاپیں۔ اسمبلی کے ممبران میں مسٹر ہملٹن کو میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا ان کا کچھ ذکر پہلے آچکا ہے، اب یہ انگلینڈ سے واپس آگئے تھے، اور اسمبلی کے ممبر منتخب ہو چکے تھے، یہ میرے لئے سراپا جوش و عمل تھے، بعد میں بھی جب تک زندہ رہے ان کی سرپرستی کا شرف مجھے حاصل رہا،

مسٹر ورنن نے اب اپنے روپے کا تقاضا کیا، لیکن سختی کے ساتھ نہیں، میں نے انھیں ایک شکرگزاری کا خط لکھا، اب تک جس تحمل کا ثبوت انھوں نے دیا تھا، اس پر ممنونیّت کا اظہار کیا، اور پھر جلد —— جیسے ہی حالات سازگار ہوئے —— ان کی رقم مع سود کے میں نے واپس کردی، خدا کا شکر ہے کہ اس نے ایک بہت بڑی غلطی کی تلافی کا مجھے موقع مرحمت فرمایا۔

اب ایک نئی مصیبت میرے لیے اٹھ کھڑی ہوئی، جس کا مجھے وہم و گمان بھی نہیں تھا، مسٹر میریڈتھ کے والد کو ان توقعات کے مطابق جو مجھے دلائی گئی تھیں، ہمارے پرنٹنگ ہاؤس کی چیزوں کی رقم ادا کرنی چاہیئے تھی، لیکن وہ صرف سو پونڈ دے سکے، جو صرف کر دیئے گئے، اور اب مزید ایک سو پونڈ اس تاجر کے باقی تھے، جس سے ہم نے سامان لیا تھا، وہ تقاضا کرنے لگا، اور ہم پر اس نے مقدمہ دائر کر دیا، ہم نے ضمانت دے دی، لیکن محسوس کیا کہ اگر وقت معینہ کے اندر رقم نہ ادا کی گئی، تو مقدمے کا فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے گا، اور اس پر عمل درآمد بھی کر دیا جائے گا، اور ہمارا درخشاں مستقبل ہمارے ساتھ برباد ہو جائے گا، کیونکہ پریس فروخت کرا دیا جاتا، اور

اس سے جو رقم وصول ہوتی، وہ اصل رقم کی نصف سے زیادہ نہ ہوتی،

مصیبت کے اس زمانے میں دو سچے دوست جن کی مہربانی کو نہ فراموش کر سکا ہوں، نہ کبھی فراموش کر سکوں گا، جب تک میرا حافظہ کام کر رہا ہے، یہ دونوں دوست فرداً فرداً میرے پاس آئے، ایک دوسرے سے ناواقف اور بغیر میری کسی استدعا کے، ان میں سے ہر ایک نے یہ پیش کش کی کہ وہ پوری رقم ادا کرنے کو تیار ہے، اگر اس سارے کاروبار کا مالک میں بن جاؤں، بشرطیکہ عملی طور پر ایسا ممکن ہو، بہرحال وہ میری پارٹنرشپ کو پسند نہیں کرتے تھے، کیونکہ میریڈیتھ سے خفا تھے، ان کا کہنا تھا، یہ شرابی ہے اور انھوں نے نشہ سے چور اسے کئی مرتبہ راستے میں دیکھا ہے، اور شراب خانے میں جوا بھی کھیلتا ہے، یہ چیز ویسے بھی اس کام کی ترقی میں خارج ہے، یہ دونوں دوست تھے، ولیم کولمین اور رابرٹ گریس، میں نے انھیں جواب دیا، اگر میریڈیتھ اپنے حصے کا بار ادا کر دیتا ہے، تو میں شرکت معاہدہ ختم کرنے کو تیار نہیں ہوں، اس لیے کہ جس طرح اس کی اعانت سے یہ کام چلا ہے، اس کی وجہ سے میں اس کا اور اس کے باپ کا ممنون ہوں اس صورت میں شرکت برابر جاری رہے گی، لیکن اگر میریڈیتھ نے اپنے حصے کا بار نہ اتارا اور ہماری شرکت ختم ہوگئی تو میں اپنے دوستوں کی اس پیش کش کو قبول کرنے پر غور کروں گا، اور مجھے ہر طرح کی آزادیٔ عمل حاصل ہوگی۔

کچھ عرصے تک معاملہ معلق رہا، پھر میں نے ایک روز میریڈیتھ سے کہا، :-

"غالباً تمہارے والد اس بات سے خوش اور مطمئن نہیں ہیں کہ اس

دو بڑے طویل خط لکھے، جن میں اُس نے اپنی کسی سر زمین کے احوال وکوائف بیان کیے تھے، اوراس کی زرخیزی کی تعریف کی تھی، وہاں کی فضا، آب وہوا، شادابی، مویشی ان سب چیزوں کا ذکر کیا تھا، ان معاملات میں اس کی رائے واقعی ایک ماہر کی رائے تھی، میں نے یہ خطوط اپنے اخبار میں شائع کر دیئے، اور انھیں پڑھ کر لوگوں کو بہت اطمینان ہوا۔

وہ جیسے ہی روانہ ہوا، میں اپنے دونوں دوستوں کے پاس گیا، چونکہ ان میں سے کسی کو میں ترجیحی حیثیت دینا نہیں چاہتا تھا، لہٰذا دونوں میں سے ہر ایک سے اُس کی پیشکش کی نصف رقم قبول کرلی، اس طرح مطلوبہ رقم سے کریٹی کمپنی کا سارا قرضہ اُتار دیا۔ اور اپنے نام سے کاروبار شروع کردیا، یہ بات بھی مشتہر کردی کہ اب پارٹنر شپ ختم ہو چکی ہے، یہ واقعہ غالباً ۱۷۲۹ء کا ہے۔

تقریباً اسی زمانے میں عوام کی طرف سے شدت کے ساتھ کاغذی سکے کا مطالبہ ہوا صوبے کے پاس صرف پندرہ ہزار پونڈ موجود تھے، اور یہ بھی بہت جلد ختم ہونے والے تھے۔ دولت مند طبقے کی طرف سے کسی اضافے کی شدید مخالفت ہوئی، کیونکہ اس کے نزدیک کاغذی سکے کا رواج خطرے سے خالی نہیں، اور اس کی قیمت کم ہوجائے گی جیسا کہ نیوانگلینڈ میں ہوچکا تھا، اور یہ چیز روپیہ لگانے والوں کے لیے مضر تھی، اس مسئلے پر اپنے "جنتو" میں ہم نے تفصیل سے بحث وگفتگو کی، میرا جہاں تک تعلق ہے، میں ایزاد کے حق میں تھا، میری دلیل یہ تھی کہ ۱۷۲۳ء میں جو رقم ایزاد کی گئی تھی اُس

کام میں تم حصّہ لے رہے ہو، اور غالباً وہ مزید کوئی رقم اس سلسلے میں دینے کو تیار نہیں ہیں، اور واقعی بات یہی ہے، تو صاف صاف بتا دو، میں الگ ہوا جاتا ہوں، تم سارا کام سنبھال لو، اور خود کوئی دوسرا کام شروع کروں گا، !،،

میریڈتھ نے میری یہ بات سن کر کہا ؛

"نہیں نہیں، میرے والد واقعی دل برداشتہ اور مایوس ہیں اس کام سے، اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ان میں روپیہ لگانے کی سکت نہیں اور میں انھیں مزید زیر بار کرنا یا پریشان کرنا نہیں چاہتا، میں محسوس کرتا ہوں کہ اس کام کے لیے میں موزوں نہیں ہوں میں ایک کسان خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، اور یہ میری حماقت تھی کہ دیہات چھوڑ کر شہر چلا آیا، اور تیس برس کی عمر میں ایک نیا کام سیکھنے کے درپے ہو گیا، ہمارے بہت سے ویلز کے لوگ شمالی کارولینا جا کر بس رہے ہیں، وہاں زمین سستی ہے، میں بھی وہاں جا کر بس جانا چاہتا ہوں، اور اپنا پرانا کام شروع کرنے کی آرزو رکھتا ہوں، اگر کمپنی کا قرضہ تم اپنے ذمے لے لو، میرے والد کو ان کے سو پونڈ واپس کر دو، میرا ذاتی قرض جو کچھ زیادہ نہیں ہے ادا کرنے کی ذمہ داری لے لو، اور مجھے تیس پونڈ اور ایک نئی زین دے دو، تو میں پارٹنر شپ سے دستبردار ہونے کو تیار ہوں، اور سارا کاروبار تمہیں سونپے دیتا ہوں، !،،

میں نے اس تجویز سے اتفاق کا اظہار کیا، اسی مضمون کی ایک دستاویز تیار کر لی گئی، جس پر فوراً دستخط کر دیئے گئے، اور مہر لگا دی گئی، اس نے جو معاہدہ کیا تھا، وہ میں نے پورا کر دیا، اور وہ فوراً کارولینا چلا گیا، وہاں سے اُس نے دوسرے سال مجھے

کاغذی سکے کی افادیت کو وقت اور تجربے نے بہت اچھی طرح ثابت کر دیا چنانچہ اس کے بعد یہ متنازعہ فیہ مسئلہ نہیں رہا، اور اب ۶۵ ہزار کے نوٹ بازار میں چلنے لگے، اور ۱۳۲۹ء میں یہ تعداد اسی ہزار تک پہنچ گئی، اس کے بعد جنگ کے زمانے میں یہ رقم تین لاکھ پچاس ہزار پونڈ تک پہنچ گئی، تجارت کو فروغ ہوا، رہائش کی سہولتیں میسر آئیں، عمارتیں خوب بنیں، ساتھ ہی ساتھ میرا یہ خیال بھی تھا، کہ کاغذی سکے کو حد کے اندر رکھنا چاہیئے، حدود سے تجاوز نقصان دہ ثابت ہو سکتا،

تھوڑی مدت کے بعد اپنے دوست ہملٹن کے ذریعہ نیو کاسل کے کاغذی سکے چھاپنے کا کام بھی مجھے مل گیا، یہ بھی کافی منفعت بخش کام تھا، محدود حالات میں معمولی سی چیزیں بھی کافی نفع بخش ثابت ہوتی ہیں، اور امر واقعہ یہ ہے، کہ ان متفرق کاموں سے میں نے کافی نفع کمایا، اور میری پریشانیوں میں بڑی حد تک تخفیف ہو گئی، ہملٹن نے میرے لیے قوانین اور دوڈس کا کام بھی حکومت سے لیا، اور یہ کام اس وقت تک میرے ہاتھ میں رہا، جب تک اس کاروبار کو میں چلاتا رہا۔

میں نے ایک چھوٹی سی اسٹیشنری کی دوکان بھی کھول لی، اس میں سادہ کاغذ کاپیاں پنسل، درسی کتابیں، غرض اس طرح کی جملہ چیزیں تھیں، میرے دوست بیر ٹنگل نے بھی کاپیوں وغیرہ کے سلسلے میں میری کافی مدد کی، چولی کا غذ اور جھلی بھی تھی جیب میں کی کتابیں بھی میں نے رکھی تھیں، لندن میں ایک کمپوزیٹر وہائٹ ماش سے میری شناسائی تھی، وہ بڑا اچھا کارکن تھا، وہ اب میرے پاس آگیا تھا، اور بڑی محنت اور خلوص

سے بہت فائدہ ہوا، تجارت اور کاروبار میں اضافہ ہوا، بے روزگاری کم ہوئی، بہت سے لوگوں کی رہائش کا بندوبست ہوا، بہت سی نئی عمارتیں تعمیر ہوئیں، مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ فلاڈلفیا کی سڑکوں پر جب پہلی مرتبہ میں نان پاؤ کھاتا ہوا نکلا تھا، تو بہت سے مکانات ولنٹ اسٹریٹ میں واقع تھے، یعنی دوسرے اور مقابل کے محلوں میں ہر دروازے پر گھنٹی بھی لگی ہوئی تھی، اور " کرایہ کے لیے خالی ہے"، کا بورڈ بھی آویزاں تھا، اسی طرح چسنٹ اسٹریٹ وغیرہ کا حال تھا، جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ شہر کے لوگ یکے بعد دیگرے اقامت ترک کرتے جارہے ہیں،

ہماری بحث و گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں اس موضوع پر اچھی طرح حاوی ہوگیا، چنانچہ میں نے گمنام طور پر ایک پمفلٹ لکھا، جس کا عنوان تھا The Nature & Necessity of paper currency اس پمفلٹ کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، لوگوں نے اسے بہت پسند کیا۔ لیکن دولت مند طبقے نے اس کو ناپسند کیا، کیونکہ اس پمفلٹ کے بعد سے کاغذی سکے کا مطالبہ زور پکڑ گیا، اور اس تحریک کو اس سے تقویت ملی، ان دولت مندوں کے پاس کوئی ایسا لکھنے والا نہیں تھا، جو جواب لکھ سکتا، آخر ان کی مخالفت رائگاں گئی۔ اور اسمبلی میں بکثرت آراء یہ تجویز منظور ہوگئی، میرے دوست جو اسمبلی کے ممبر تھے، ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ اس سلسلے میں میری خدمات فائدہ بخش ثابت ہو سکتے ہیں، ان کے نزدیک میں اس صلے کا مستحق تھا، کہ نوٹوں کی چھپائی کا کام مجھے سونپ دیا جائے، یہ ایک بے حد نفع بخش کام تھا، اور اس سے واقعی مجھے بہت مدد مل سکتی تھی، یہ ایک اور بہت بڑا فائدہ تھا جو مضمون نگاری اور مقالہ نویسی کے باعث مجھے پہنچا۔

کے ساتھ میرے ہاں کام کر رہا تھا، ایک اور نو آموز کو بھی میں نے رکھ لیا تھا، یہ امیو لارروز کا بیٹا تھا۔

میں نے رفتہ رفتہ قرض کا وہ بار دور کر دیا جو پرنٹنگ ہاؤس پر چلا آرہا تھا۔ تاکہ میری ساکھ قائم ہو جائے اور تاجروں کے حلقے میں ایک مقام حاصل کر لوں۔ میری پوری توجہ اس امر پر مرکوز تھی کہ حقیقی معنی میں کام چلاؤں، اور زیادہ سے زیادہ محنت اور احتیاط کے ساتھ اس سلسلے کو جاری رکھوں۔ اور کوئی بات ایسی نہ سرزد ہونے دوں، جو اس اصول کے خلاف ہو، سادہ زندگی بسر کرتا، غیر متعلق جگہوں پر جانے سے احتراز کرتا، نہ کبھی مچھلی کا شکار کھیلا، نہ کسی اور طرح کے شکار سے واسطہ رکھا، البتہ جو چیز کبھی کبھی مجھے کام سے کچھ دیر کے لیے غافل کر دیتی تھی، وہ کتاب تھی، لیکن ایسا شاذ و نادر ہوتا تھا، رہن سہن بھی معمولی تھا، کسی لڑائی یا جھگڑے سے کوئی تعلق نہ رکھتا، بس صرف اپنے کام سے کام رکھتا، کبھی ایسا کرتا کہ بازار سے کاغذ خرید کر سڑکوں میں گذرتا رھڑے پر گھر لے آتا، اس طرح ایک محنتی آدمی کی حیثیت سے میرا مقام استوار ہو گیا، جو کچھ خریدتا، اس کی قیمت ٹھیک وقت پر ادا کر دیتا، جو تاجر اسٹیشنری درآمد کرتے تھے، وہ اصرار کر کے میرے ہاتھ مال فروخت کرتے تھے۔ دوسرے مجھے کتابیں اپنے ہاں سے لینے پر آمادہ کیا کرتے تھے، اس طرح میں بہت اچھی طرح اپنا کام چلا رہا تھا، اسی اثناء میں کیمر کی ساکھ اور تجارت دونوں روز بہ روز رو بہ زوال ہوتی جارہی تھیں، آخر مجبور ہو کر اس نے اپنا پرنٹنگ ہاؤس قرض خواہوں کے ہاتھ فروخت کر دیا، پھر وہ بار باڈوس چلا گیا، وہاں چند سال تک زندہ رہا، لیکن نہایت خستہ حالت میں۔

کیمر کے ہاں کا ایک کارکن ڈیوڈھیری تھا، جب میں وہاں کام کرتا تھا، تو اسے میں نے بہت کچھ سکھایا تھا، اب وہ اس کی جگہ پر فلاڈلفیا میں بیٹھا کرتا تھا۔ اس کی بہت سی چیزیں بھی اس نے خرید لی تھیں، مجھے اندیشہ ہوا کہ میری ایک زوردار حریف ثابت ہوگا کیونکہ اس کے دوست بہت قابل تھے، اور اس کے کام سے دلچسپی بھی رکھتے تھے، چنانچہ میں نے اس کے سامنے ایک تجویز کی کہ ہم دونوں پارٹنر بن جائیں، اب تو میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ اس نے حقارت کے ساتھ میری یہ پیشکش رد کردی، وہ بڑا مغرور شخص تھا ٹھاٹھ دار لباس پہنتا تھا، امیرانہ شان کی زندگی بسر کرتا تھا، اپنے اصل کام سے ہٹ کر بھی اس نے بہت سی دلچسپیاں اور مشغولیتیں پیدا کرلی تھیں، قرض بڑھتا گیا، کاروبار سے اس کی دلچسپی بھی کم ہوتی گئی، آخر جب کوئی چارہ کار باقی نہ رہا تو وہ بھی بار باڈوس کیمر کے پاس چلا گیا، پرنٹنگ ہاؤس اپنے ساتھ لیتا گیا، یہاں اس نے اپنے سابق آقا کو ایک مستری کی حیثیت سے اپنے ہاں ملازم رکھ لیا، دونوں اکثر جھگڑ پڑتے، میری کے لچھن یہاں بھی وہی رہے، آخر سب کچھ بیچ باچ کر وہ پھر پنسلوریناواپس آگیا، جس آدمی نے یہ پرنٹنگ ہاؤس خریدا تھا، اس نے کیمر کو ملازم رکھ لیا کہ کام چلائے، لیکن چند ہی سال میں اس کا انتقال ہوگیا۔

اب فلاڈلفیا میں میرا کوئی کاروباری حریف بریڈفورڈ کے سوا باقی نہیں رہ گیا تھا یہ کافی دولت مند شخص تھا، اور عافیت پسند بھی، اب اس کی توجہ طباعت کے کام پر کچھ زیادہ نہیں رہ گئی تھی، بس ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتا رہتا تھا، سچ تو یہ ہے کہ اب اسے اس کاروبار سے رغبت ہی نہیں باقی رہ گئی تھی، پوسٹ آفس بھی اس نے سنبھال

سو پونڈ سے کم نہیں تھا، اس نے مجھے بتایا کہ اتنی رقم کا بندوبست مشکل ہے، میں نے تجویز پیش کی کہ لڑکی والے اپنا گھر قرض دفتر میں رہن رکھ لیں، چند روز کے بعد مجھے جواب یہ ملا کہ لڑکی والے شادی پر رضامند نہیں ہیں، بریڈفورڈ سے معلوم ہوا کہ تحقیقات سے پتا یہ چلا ہے کہ لڑکی والے اس کاروبار کو منفعت بخش نہیں خیال کرتے، ٹائپ بہت جلد ٹوٹ پھوٹ جائے گا، پھر مزید کی ضرورت ہوگی، نیز یہ کہ کیمبر اور ہمیری بکے بعد دیگرے اس کاروبار میں تباہ ہو چکے ہیں، غالبًا بہت جلد میرا حشر بھی یہی ہوگا، چنانچہ لڑکی کے گھر میں میرا داخلہ ممنوع قرار پایا، اور اسے مجھ سے ملنے سے روک دیا گیا۔

جذبات کی یہ تبدیلی خواہ حقیقی تھی، یا وقتی اور ہنگامی، میں نے یہ فرض کر کے کہ محبت کی وادی میں ہم اتنی دور تک آگے جا چکے ہیں، اور اب واپسی ممکن نہیں، یہ چاہا کہ ہم چوری چھپے شادی کر لیں، جسے لڑکی والے چاہے پسند کریں، ناپسند کریں، مجھے پورے طور پر تو نہیں معلوم، لیکن مجھے شبہ ہے، کہ میری اس تجویز کا بہت برا منایا گیا، ظاہر ہے پھر یہ آگے نہیں چل سکی، مسز گاڈفرے کچھ عرصہ بعد کچھ نئی اور خوش گوار خبریں لڑکی والوں کے بارے میں لائیں اور اس امر کی کوشش کی کہ میں پھر اس معاملے کو آگے بڑھاؤں، لیکن میں نے نہایت صفائی کے ساتھ اپنے اس فیصلے کا اعلان کر دیا، کہ اب اس خاندان سے میں کوئی واسطہ یا تعلق رکھنا پسند نہیں کرتا، یہ بات ان میاں بیوی کو بری لگی، ہم میں اختلاف پیدا ہو گیا، اور یہ لوگ سارا گھر مجھ پر چھوڑ کر کہیں اور اٹھ گئے، میں نے بھی یہ فیصلہ کر لیا کہ اب کسی اور کو شکمی کرایہ دار کے طور پر اپنے ساتھ نہیں رکھوں گا۔

رکھا تھا، خیال تھا کہ اب اسے خبریں حاصل کرنے کے بہتر ذرائع حاصل ہو گئے ہیں، اس کا اخبار اشتہارات سے بھرا ہوتا تھا، میرے اخبارات کے مقابلے میں کہیں زیادہ یہ چیز بھی اس کے لیے زیادہ سے زیادہ منفعت بخش تھی، اور میرے لیے اتنی ہی پریشانی کی موجب تھی، کیونکہ گو اخبارات بذریعہ پوسٹ میں بھیجا کرتا تھا، لیکن پبلک رائے کا رخ دوسرا تھا کیونکہ جو کچھ میں بھیجتا تھا، ڈاکیوں کو، رشوت دے کر وہ لے لیا کرتا تھا، بریڈ فورڈ کو یہ چسکا ایسا لگ گیا تھا کہ اسے چھوڑنے پر وہ بالکل تیار نہیں تھا، جس سے بعض وقت میں جھنجلا جاتا اور وہ میری نظر میں بہت زیادہ حقیر و ذلیل بن جاتا، بعد میں جب یہی سہولت مجھے حاصل ہوئی، تو میں نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی۔

میں گاڈفرے کے ہاں کھانا کھاتا تھا، جو میرے مکان کے ایک حصے میں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہتا تھا، دوکان کا ایک حصہ بھی اس کے پاس تھا، جہاں وہ شیشہ گری کا کام کیا کرتا تھا، وہ کام کم کیا کرتا تھا، کیونکہ ریاضی ہر وقت اس پر سوار رہتی تھی مسز گاڈفرے نے اپنے رشتہ داروں میں ایک لڑکی میرے لیے منتخب کی، وہ ہم دونوں کو ملنے اور ملاقات کا موقع بھی دیا کرتی تھی، یہاں تک کہ میں واقعی اس لڑکی سے محبت کرنے لگا۔ اور واقعہ یہ تھا کہ وہ تھی بھی محبت کیے جانے کے قابل، یہ میاں بیوی اکثر ہماری حوصلہ افزائی کی خاطر رات کے کھانے پر ہمیں مدعو کر لیتے، اور پھر ہمیں تنہا چھوڑ دیتے، کہ ہم ایک دوسرے سے زیادہ واقف ہو سکیں، یہاں تک کہ وہ ساعت سعید آ گئی، مسز گاڈفرے نے سارے انتظامات شادی کے کیے میں نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ اس لڑکی کے ہاں سے میں اتنے روپے کی توقع رکھتا ہوں، تا کہ اس سے باقی ماندہ رقم قرض کی ادا کر سکوں، جو کسی طرح

شادی میں بہت سی رکاوٹیں تھیں، مس ریڈ کا پہلا شوہر بالکل تباہ ہو چکا تھا، یہ بھی مشہور تھا۔ اس کی ایک اور بیوی ہے، جو انگلستان میں رہتی ہے، لیکن بُعد مسافت کے باعث اسے ثابت کرنا مشکل تھا، اور اگرچہ پہلے شوہر کی وفات کی خبر مشہور تھی، لیکن یہ بھی قطعی نہیں تھی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ مر گیا تھا تو بھی وہ بہت سارا قرض چھوڑ گیا تھا، جس کی ادائی نئے شوہر پر لازم تھی، بہرحال ان مشکلات پر ہم نے قابو پالیا، اور بالآخر مس ریڈ سے میں نے شادی کرلی، یہ واقعہ یکم ستمبر ۱۷۳۰ء کا ہے، جن دشواریوں کا اندیشہ ہمیں ستا رہا تھا، ان میں سے کوئی ہمارے راستے میں حائل نہیں ہوئی، وہ ایک وفادار، اور خدمت گزار بیوی ثابت ہوئی، دوکان کا کام بھی اس نے سنبھال کر میری بہت مدد کی، ہم ساتھ ساتھ گشت کو نکلتے، ہم میں سے ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی کہ دوسرے کو زیادہ سے زیادہ خوش رکھے، اس طرح میں نے ایک عظیم غلطی کی تلافی کرلی،

اسی زمانے میں ہماری کلب کی مجلس، جو اب مسٹر گریس کے چھوٹے سے کمرے میں منعقد ہوا کرتی تھی، جو اسی کام کے لیے وقف کر دیا گیا تھا، ایک مرتبہ میں نے ایک تجویز پیش کی، کہ چونکہ علمی سوالات اور مقالات کے سلسلے میں ہمیں حوالے کے لیے اکثر کتابوں کی ضرورت پیش آیا کرتی ہے، لہذا ضروری ہے کہ ہم اپنی کتابیں ایسی ہی جگہ رکھا کریں، جہاں یہ مجلسیں برپا ہوتی ہیں، تاکہ موقع ہی پر ان کے حوالے سے استفادہ کیا جا سکے لہذا ہمیں چاہیئے کہ اپنی کتابیں کلب میں لاکر جمع کر دیں، اور مشترک کتب خانہ قائم کر دیں، اس طرح ہم میں سے ہر ممبر دوسرے ممبر کی کتابوں سے استفادہ کرسکے گا۔ اور ہر ممبر یہ محسوس کرسکے گا، کہ یہ کتابیں گویا خود اس کی ہیں، میری یہ تجویز پسند کی

لیکن اس واقعے نے میرے دل میں تاہل کی زندگی بسر کرنے کی شدید خواہش پیدا کر دی، میں نے ادھر اُدھر نظر دوڑائی، اور کوشش کی کہ معقول خاندان سے کوئی ربط پیدا کر سکوں، لیکن بہت جلد محسوس کر لیا کہ طباعت کا کام عام طور پر اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا اسے خسارے کا کام سمجھا جاتا ہے، میں اپنی ہونے والی بیوی کیلئے روپے کی اس وقت تک توقع نہیں کر سکتا تھا، جب تک میں کوئی دوسرا واسطہ یا پیشہ نہ اختیار کر لوں، اسی اثناء میں ناقابل ضبط جوانی کے جوش نے بے کردار عورتوں سے مجھ ملوث کر دیا، اس طرح میرا روپیہ بھی خرچ ہوا، تکلیف و اذیت بھی میں نے برداشت کی، اور سب سے بڑھ کر جس چیز کو میں عزیز رکھتا تھا یعنی صحت، اس کے زیاں کا امکان بھی پیدا ہو گیا، اگرچہ خدا کا فضل ہے، میں بیماریوں سے بچا رہا، ایک دوست نے میرے اور مسز ریڈ کے خاندان کے درمیان ربط و تعلق پیدا کرانے کی مخلصانہ کوشش کی، یہ خاندان میرا اس وقت سے قدر دان تھا۔ جب پہلے پہل میں یہاں آ کر رہا تھا، میں اکثر مدعو کیا جاتا، اور یہ لوگ اپنے معاملات و مسائل پر مجھ سے مشورہ لیتے، مجھ سے بھی جو خدمت بن آتی، کرتا۔ مجھے بدقسمت مس ریڈ کے حال زار پر بہت ترس آتا تھا، جس کی زندگی تباہ ہو کر رہ گئی تھی، افسردہ و مغموم نظر آتی، اور ہماری صحبتوں میں قطعاً شریک نہ ہوتی، اس کی اس کیفیت کا ذمے دار میں اپنے آپ کو سمجھ رہا تھا، جب لندن سے اسے میں نے خط لکھا تھا، اگرچہ مس ریڈ کی والدہ کا خیال تھا کہ غلطی میری اتنی نہیں تھی، جتنی مس ریڈ کی تھی کیونکہ وہی تھی، جس نے میرے لندن جاتے وقت شادی کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اور میری عدم موجودگی میں ایک اور شخص سے رسم و راہ پیدا کر کے شادی کر لی تھی۔ اس آمد و رفت کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ ہماری دبی ہوئی محبت پھر جاگ اٹھی، لیکن ہماری

گئی، اور منظور کر لی گئی، اور ہم نے اس کمرے کا ایک حصّہ ان کتابوں کے لیے الگ کر دیا۔ تعداد تو کچھ ایسی زیادہ نہیں تھی، بلکہ ہماری توقع سے بھی کم تھی، لیکن ان کی افادیت اور اہمیت اپنی جگہ مسلّم تھی، لیکن ان کتابوں کی دیکھ بھال اچھی طرح نہیں کی جا سکی، جس سے دشواریاں پیدا ہونے لگیں، آخر ایک سال کے بعد یہ کتب خانہ ختم کر دیا گیا اور ہر شخص اپنی اپنی کتابیں اٹھا کر لے گیا۔

اب میں نے عوامی نوعیّت کا پہلا منصوبہ بنایا، اور کام شروع کر دیا، یعنی ایک ایسا کتب خانہ قائم کیا جس سے کرایہ دے کر لوگ کتابیں لے سکتے تھے، میں نے اس کتب خانے سے متعلق تجاویز کا ایک خاکہ تیار کیا، اور اپنے بہترین مسوّدہ نویس دوست بروکڈن سے انھیں ٹھیک کرایا، اور اپنے "جنتو" کے دوستوں کی مدد سے کام کا آغاز اس طرح کر دیا کہ پچاس چندہ دہندگان مہیا کر لیے، جن میں سے ہر ایک نے چالیس پونڈ دیے، اور دس پونڈ سالانہ دینے کا وعدہ کیا، اس طرح ہمارا یہ کام چل پڑا، بعد میں ہم نے سرکاری پروانہ بھی حاصل کر لیا، کمپنی کے ممبروں کی تعداد سنو تک پہنچ گئی، ہماری یہ لائبریری دراصل شمالی امریکہ کی تمام چندہ لائبریریوں Subscription libraries کی پیش خیمہ ثابت ہوئی، جن کا اس سارے ملک میں جال پھیلا ہوا ہے، یہ ایک بہت بڑا کارنامہ تھا، اور برابر فروغ پذیر رہا، ان کتب خانوں نے امریکنوں میں بحث و گفتگو کا مادہ پیدا کر دیا، اس ملک کے تجارت پیشہ لوگوں اور کسانوں کی ذہانت کو ابھارا اور انھیں دوسرے ممالک کے ذہین افراد کی سطح پر لا کھڑا کیا اور شائد یہ کہنا بھی غلط نہ ہو کہ ان سے اس موقف کو مدد ملی، جو نو آبادیات

کے باشندوں میں اپنے حقوق کے دفاع اور تحفظ کے لئے
برسر کار آیا تھا۔

نوٹ :

یہ سطریں اس مقصد کے ماتحت لکھی گئی تھیں، جس کا آغاز میں ذکر کر چکا ہوں۔
اس لیے اس میں بہت سے ایسے خاندانی احوال و واقعات درج ہیں، جن سے
دوسروں کو کچھ ایسی دلچسپی نہیں، یہ واقعات بہت دنوں کے بعد قلمبند کیے گئے
ہیں، جیسا کہ مندرجہ ذیل خطوط میں دیئے گئے، مشوروں سے اندازہ ہوگا،
انقلابی دور کے معاملات نے اس تحریر کے سلسلے میں بھی رکاوٹ پیدا کی۔

مسٹر ایبل کا خط
میری زندگی کے چند گوشے
(موصولہ پیرس)

میرے پیارے اور معزز دوست!

ایک عرصہ دراز سے آپ کو خط لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں، لیکن ان پر عمل نہ کر سکا، خیال تھا کہ کہیں میرا خط انگریزوں کے ہاتھ نہ پڑ جائے، اور کوئی اخبار والا لے اڑے، اور جہاں سے اس کا جتنا حصہ چاہے، شائع کر دے، جس سے میرے دوست کو اذیت پہنچنے کا اندیشہ تھا، اور خود میں بھی بد اعتمادی کا مرتکب ٹھہرتا۔

دو کچھ عرصہ ہوا، ۲۲ اوراق خود آپ کے لکھے ہوئے، مجھے دستیاب ہوئے جن میں آپ نے اپنے والدین، اور اپنی زندگی کی داستان سنائی تھی، یہ تحریر آپ نے اپنے صاحب زادے کے لیے لکھی تھی، جو ۱۷۳۰ء میں تمام ہوتی تھی، اس میں متعدد حواشی بھی تھے۔ یہ بھی آپ ہی کے لکھے ہوئے تھے۔ اس کی ایک نقل اس خط کے ساتھ ملفوف کر رہا ہوں اس امید کے ساتھ کہ اس مسودے کو دیکھ کر آپ کے اندر پھر خود نوشت لکھنے کا ولولہ تازہ ہو گا، اور آپ واقعات مابعد بھی قلمبند فرما دیں گے، اگر آپ نے خود نوشت کا باقی ماندہ حصہ لکھنا شروع نہیں کیا ہے، تو از راہ کرم جلد از جلد اس کا آغاز کر دیں، اور اب مزید تاخیر سے کام نہ لیں، زندگی غیر یقینی ہے، جیسا کہ علماء کا قول ہے، ذرا سوچیے تو سہی، دنیا کیا کہے گی، اگر نیک، شریف انسان دوست اور فیاض طبع بنجامن فرینکلن اپنے دستوں کو اس حالت میں چھوڑ کر دنیا سے سدھارے کہ اس نے دنیا کو اپنی اتنی عمدہ اور سبق آموز کتاب سے محروم رکھا ہو، یہ ایسی کتاب ہو گی، جس سے چند آدمی نہیں، بلکہ لاکھوں افراد مستفید ہوں گے، اثر انگیز تحریریں نوجوان طبقے پر بڑا گہرا اثر چھوڑتی ہیں، اور یہ بات اتنی ہی وضاحت کے ساتھ محسوس کرتے ہیں، وہ فقدان احساس ہی ہے، جو نوجوانوں میں یہ عزم پیدا کرتا ہے، کہ وہ ایک صحافی کی طرح کامیاب بننے کی کوشش کریں، مثال کے طور پر آپ نے اپنے عہد صحافت میں نوجوان کی رہنمائی کرتے ہوئے اور کوشش کرتے ہوئے کہ وہ بھی اتنے ہی محنتی اور نشہ سے بیزار بن جائیں، جتنے آپ اپنے عنفوان شباب میں تھے، تو اس طبقے پر اب بھی اس کا اثر پڑے گا۔ اور یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی سرگذشت حیات لکھ ڈالیں، میرے قلم میں زندہ یا مردہ کوئی ایسی شخصیت نہیں ہے، جس نے اتنی خود اعتمادی کا ثبوت دیا ہو، جتنا آپ محنت شاقہ برداشت

کرتے ہوئے ترک شراب اور کفایت شعاری کا مظاہرہ کر کے دے چکے ہیں،! اور امریکی نوجوانوں کو متاثر کر چکے ہیں، اس کتاب کی کچھ اور خصوصیتیں بھی ہیں، اور فوائد بھی، جن سے دنیا بہرہ ور ہو سکتی ہے،!''

مذکورہ بالا خط کے ساتھ وہ تاثرات بھی درج ہیں، جو ایک دوست نے ڈاکٹر صاحب کے یہ اوراق لے کر پڑھنے کے بعد ظاہر کیے تھے، ملاحظہ ہوں،

مسٹر بنجامن واگن کا مکتوب

پیرس،

۳۱ جنوری ۱۷۸۳ء

ڈیئر سر

جب میں نے آپ کی خود نوشت کے اوراق پڑھنے کا شرف حاصل کیا، جس میں آپ نے اپنی زندگی کے حالات وحوادث قلمبند کیے ہیں، تو فرقہ خائفین کے لوگوں سے آپ کے بارے میں بہت کچھ معلومات مجھے حاصل ہوئے، میں عرض کرنا چاہتا ہوں، کہ میں اسے کیوں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ اپنی خود نوشت مکمل کر ڈالیں؟ اور اس باب میں ڈاکٹر ایبل کا میں ہم نوا کیوں ہوں کہ اسے جلد از جلد مکمل کر کے شائع کر دیں، یہ خط ایک مدت سے لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا، لیکن کچھ مواقع ایسے پیش آئے کہ ارادہ ٹلتا رہا، میں نہیں کہہ سکتا، اس خط کے لکھنے کے بعد میں آپ سے کچھ توقع قائم کرتے ہیں

حق بجانب ہوں، یا نہیں ؟ بہر حال اب میں اپنی حسرت پوری کر رہا ہوں، اور یہ خط لکھ کر کم از کم اپنی ایک آرزو تو بہر حال پوری کر رہا ہوں، لیکن جس انداز میں، اور جو طرز میں اختیار کر رہا ہوں، شاید آپ کی گراں مایہ ہستی اس سے کسی قدر برہم ہو جائے۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں کسی دوسرے آدمی کو جو آپ ہی کی طرح عظیم و جلیل ہوتا، کس طرح مخاطب کرتا، آخر خود اعتمادی کا جوہر بھی تو رکھتا ہوں، میں اس سے کہتا ،:

"جناب والا، میں چاہتا ہوں کہ آپ کی تاریخ حیات تکمیل پا جائے، میری اس خواہش کے محرکات یہ ہیں،

؛ آپ کی تاریخ حیات معرکہ آرا ہے،

؛ اگر آپ نے اپنی سرگذشت نہ لکھی تو کوئی دوسرا یہ کام سرانجام دے گا،

؛ اور وہ جو کچھ لکھے گا اس میں غلطیاں اور خامیاں بھی ہو سکتی ہیں، برعکس اس کے آپ خود اپنی جو داستان لکھیں گے، وہ اس خامی سے پاک ہو گی،

؛ مزید برآں یہ کہ یہ تاریخ آپ کے ملک کے اندرونی حالات اور واقعات کی بھی مرقع کشی کرے گی، جس سے دوسروں کو قرار واقعی فائدہ پہنچے گا کہ وہ اس کے متمنی اور آرزومند ہیں۔

؛ ایسے لوگوں کے اشتیاق کو دیکھتے ہوئے جو اس طرح کے معلومات سے متعلق ان کے دل میں موجزن ہے، اور آپ کی شہرت کو دیکھتے ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ کی خود نوشت سے بڑھ کر کوئی اور اشتہار بھی کارگر ثابت ہو سکتا ہے، کہ وہی اس طرح کے معلومات کا ذخیرہ جو صحیح اور مستند ہو فراہم کر سکتی ہے۔

جو کچھ آپ پر گزرا، وہ ایک ابھرتی ہوئی قوم کے انداز و حالات کی تفصیل سے غیر متعلق نہیں کہا جا سکتا، اس سلسلے میں مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ سیریز وغیرہ کی تحریریں اس سے زیادہ دلچسپ اور سبق آموز اس شخص کی نظر میں نہیں ہوں گی، جو انسانی فطرت اور معاشرے کے اسرار و رموز سے بخوبی بہرہ ور ہو، لیکن جناب والا یہ اسباب کچھ زیادہ اہم نہیں ہیں، میری رائے میں اصل بات تو یہ ہے کہ آپ کی داستان حیات آنے والے عظیم انسانوں کے مستقبل کی تشکیل کا سبب بنے گی، اور آپ کی کتاب (جو غالباً اشاعت پذیر ہونے والی ہے) بھی اس کا ایک لاحقہ ثابت ہو گی۔ اور انفرادی کردار کی ترقی پذیری کا سبب بنے گی،

اور اس طرح اس سے خانگی اور ذاتی انبساط و نشاط کے دروازے کھل جائیں گے، دو باتیں اور گوش گزار کرنا چاہتا ہوں، جو یقیناً خود تعلیمی کے سلسلے میں بہترین مثال اور نمونہ ثابت ہو سکتی ہیں۔ مدرسوں اور اسی طرح کی تعلیم گاہوں میں جو سکھایا پڑھایا جاتا ہے، بلاشبہ اس کی بنیاد غلط اصولوں پر ہے، یہ ایک نکمے آلے کا غلط ہدف پر نشانہ ہے، لیکن آپ کی ہدف صحیح اور نشانہ درست ہے، اور اس اشارہ میں کہ والدین اور جواں عمر لوگ اس ابتلا میں پڑ جاتے ہیں کہ خود ہی زندگی کا ایک لائحہ عمل متعین کریں، اور اس کی تیاری کریں، آپ کا انکشاف یہ ہے کہ جو کچھ ہے وہ انسان کی خود اعتمادی میں ہے۔ اور یہ چیز حد درجہ گراں بہا ہے، انفرادی کردار کی زیادہ عمر میں اثر پذیری صرف یہی نہیں کہ زندگی دیر میں اثر پذیر ہوتی ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسا اثر اور تاثر کمزور ہوتا ہے وہ تو جوانی ہی کا زمانہ ہوتا ہے، جب ہم اپنے عادات اور ترغیبات کو تشکیل دیتے اور پختہ کرتے ہیں، وہ جوانی ہی کا زمانہ ہوتا ہے، جب ہم کوئی جماعت منتخب کرتے ہیں۔

اور اسی کو اپنی پسند، اپنا پیشہ، اپنی ترغیب اور اپنی اہلی زندگی بنا لیتے ہیں، لہذا زندگی جوانی ہی میں پلٹا کھاتی اور رخ بدلتی ہے، جوانی ہی میں آنے والی نسل کی تعلیم و تربیت کا سانچہ بنتا ہے، جوانی میں نجی اور اجتماعی کردار تشکیل پاتا ہے، زندگی کا صحیح اطلاق جوانی ہی پر ہوتا ہے، زندگی کا صحیح آغاز بھی جوانی ہی سے ہوتا ہے، خاص طور پر جب کہ ہم جماعت کو اپنا مقصد اور منتہا قرار دیتے ہیں، لیکن آپ کی خود نوشت صرف یہی نہیں کہ خود آگاہی کا گر بتائے گی، بلکہ اس امر میں بھی رہنمائی کرے گی کہ ایک فہمیدہ شخص اور ایک بہت زیادہ عقلمند شخص اس سے کس طرح روشنی حاصل کر سکتا، اور اپنی رفتار ترقی میں اضافہ کر سکتا ہے کیونکہ اس کے سامنے ایک اور فہمیدہ اور باشعور اور عقلمند کا تفصیلی طرز کار موجود ہوگا۔

اور میں تو یہ کہتا ہوں، کہ کمزور اور کم فہم لوگ بھی اس مدد سے جو حاصل ہو سکتی ہے، کیوں محروم رہیں، جب کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری موجودہ نسل تاریکی میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے، اور کوئی اس کی رہنمائی کرنے والا نہیں، پس جناب والا آپ بتائیے، کہ اولاد کے لیے اور والدین کے لیے لائحہ عمل کیا ہے، اور تمام بافہم لوگوں کو دعوت دیجئے کہ وہ آپ کے نقش قدم پر چلیں اور آپ کے   سے بن جائیں، جب ہم یہ کہتے ہیں، کہ وقت کے مدبرین اور جنگ آزما نسل انسان کے لیے کتنی بڑی مصیبت بنتے جا رہے ہیں، اور یہ مشہور و ممتاز لوگ کیونکہ اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے لیے نکمے بن چکے ہیں، اس چیز کے نافع ہونے میں کوئی شبہ نہیں کہ ان مثالوں پر غور کیا جائے، جنھوں نے امن و آشتی اور صلح و عافیت کی افزائش میں حصّہ لیا، اور یہ معلوم کرنا اور جاننا بھی حد درجہ موزوں اور مناسب ہے کہ کیونکر عظیم بننے کے لیے بامذاق اور معاملہ فہم ہونا ضروری ہے،

معمولی سے ذاتی حوادث جنھیں آپ اپنی خود نوشت میں یقیناً بیان کریں گے، وہ بھی حد درجہ سود مند ثابت ہوں گے، کیونکہ ہمیں جو چیز مطلوب ہے، اور جو ہماری نظر میں سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ عام معاملات و حالات سے دانش اور زیرکی کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت! اور یہ چیز یقیناً بڑی دلچسپ ہو گی کہ ہم دیکھیں ایسے احوال میں آپ نے کیا کیا؟ یہ ایک طرح کی کلیۂ حیات ہے، اور اس سے وہ چیزیں واضح ہوتی ہیں، جنھیں جاننے اور معلوم کرنے کی خواہش ہر شخص کو ہوتی ہے، کہ اس طرح دور بینی سے کام لیتے ہوئے ایک موقعہ اظہار کردار کا مل جاتا ہے، خود اپنے تجرباتی مشاہدے کے لیے قریب ترین چیز یہ ہے، کہ دوسرے لوگوں کے احوال و واقعات ہمارے سامنے اس طرح آئیں جو دلچسپ اور سبق آموز ہوں، اور یہ بات یقینی ہے کہ آپ کے قلم سے جو چیز نکل گئی، وہ ایسی ہی ہو گی، ہمارے واقعات و احوال کی سادگی اور خصوصیت اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی، اور میں اس باب میں بالکل مطمئن ہوں کہ آپ ان سے اتنی بے ساختگی کے ساتھ عہدہ برآ ہو نے میں جس طرح سیاسیات اور فلسفے کے مسائل پر آپ کی گفتگو بار آور ثابت ہوا کرتی ہے اور تجربے کے اصول کے لیے اس سے زیادہ قیمتی کیا چیز ہو سکتی ہے کہ (اہمیت اور غلطیوں کو نظر انداز نہ کرتے ہوئے، انسانی زندگی سامنے رکھی جائے!

•

کچھ لوگ آنکھیں بند کر کے نیکی کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں، کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اندھا دھند خیالی گھوڑے دوڑانے کے عادی ہوتے ہیں، اور کچھ لوگوں کی فراست برے اور پست مقاصد کے لئے وقف ہوتی ہے، لیکن جناب والا مجھے کامل یقین ہے کہ آپ کے قلم سے کوئی ایسی چیز نہیں نکل سکتی، جو دانش اور فراست سے بھرپور

نہ ہو، غلطی نہ ہو، اور بہتر نہ ہو، آپ کی کہانی خود اپنی زبانی (کیونکہ میرا خیال ہے، جو مماثلت میں نے ڈاکٹر فرینکلن میں پائی ہے، وہ نہ صرف کردار سے متعلق ہے، بلکہ اتنا ہی تعلق اس کا نجی داستانِ حیات سے بھی ہے،) سے یہ بات ثابت ہو جائے گی، کہ آپ نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے آپ کو شرمانا پڑے، اور یہ بڑی اہم چیز ہے، اور آپ نے یہ ثابت کر دکھایا ہے، کہ مسرت، ذوق اور بڑائی حاصل کرنے کے لیے کسی بڑے سہارے کی ضرورت لابدی نہیں ہے، اور یہ انجام اس وقت تک نہیں واقع ہو سکتا، جب تک کوئی وسیلہ نہ ہو، چنانچہ آپ کی خود نوشت سے یہ معلوم کریں گے جناب والا، کہ اگرچہ آپ نے خود ایک خاکہ تیار کیا، اور اس پر عمل کر کے ایک نمایاں اور ممتاز مقام حاصل کر لیا لیکن ساتھ ہی، ساتھ ہمیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ گو کوئی واقعہ اپنی جگہ کتنا ہی سازگار کیوں نہ ہو، لیکن وسائل کو اتنا ہی سادہ ہونا چاہیئے، جتنا عقل بآسانی انھیں محسوس کر سکتی ہے، یعنی دوسرے الفاظ میں ان وسائل کو مختصر ہونا چاہیئے، فطرت، ذوق، فکر اور عادت پر ایک دوسری چیز اور بھی توجہ طلب ہے، اور یہ کہ ہر آدمی کے لیے اس وقت خاص کا انتظار ضروری ہے، جب وہ دنیا کے اسٹیج پر نمودار ہو کر کچھ کر کے دکھا سکے، ہمارے احساسات زیادہ تر لمحاتی ہوتے ہیں، ہم اس بات کو فراموش کر دینے پر مائل رہتے ہیں کہ بہت سے لمحات پہلے لمحے کے تابع ہوتے ہیں، نتیجۃً انسان کو خود ہی اپنے لئے ایسا خاکہ مرتب کرنا چاہیئے، جو ساری زندگی کارآمد ثابت ہو، آپ کی خصوصیت کا تعلق آپ ہی کی زندگی سے ہے، اور اس کے لمحات گزرانِ قناعت اور سرخوشی کے باعث اور زیادہ چمک اُٹھے۔ بجائے اس کے کہ احمقانہ بے صبری اور صدمہ و افسوس کی نذر ہو جائے، یہ کردار ان لوگوں کے لیے سہل الحصول ہے، جو ذوق کے مالک ہوتے ہیں، اور صحیح معنوں میں

بڑے اور عظیم آدمیوں کی مثالوں اور نمونوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں، جن کے لیے صبر و تحمل ایک امتیازی خصوصیت بن چکا ہوتا ہے، جناب والا آپ کا حاتفی مقالہ نگار (یہاں پھر میں اپنے مکتوب کے موضوع کو ڈاکٹر فرینکلن سے مشابہ پا رہا ہوں،) آپ کی کفایت شعاری، تن دہی، مسکرات سے احتراز جسے وہ تمام نوجوانوں کے لیے ایک مثال تصور کرتا ہے، یہ ناممکن ہے کہ وہ آپ کی سیرت و کردار، اور بے لوثی کو فراموش کر دے، یہ خصوصیات آپ میں اگر نہ ہوئے تو آپ اتنا عروج نہیں حاصل کر سکتے تھے، جو ایک بہت بڑا سبق ہے، عظمت فکر کا - اور دماغ کو یکسوئی کے ساتھ ایک مقصد میں لگائے رکھنے کا اگر یہ مقالہ نگار آپ کی شہرت کی نوعیّت سے میری طرح واقف ہوتا، تو وہ بے ساختہ کہہ اٹھتا ودا آپ کی گذشتہ تحریریں آپ کی خود نوشت کی طرف اور زیادہ توجہ مندول کرانے کی باعث ہوں گی، اسی طرح ART OF VIRTUE بھی ایسی ہی چیز ہے، اور بالکل یوں آپ کی خود نوشت اور ART OF VIRTUE کا مطالعہ آپ کی دوسری تحریروں کی طرف توجہ مبذول کرانے کا سبب بنے گا، مختلف کرداروں پر بعض چیزیں واضح طور پر اثر انداز ہوتی ہیں، اور بعد میں ان کے اثرات ایک اہم رول ادا کرتے ہیں، اور یہ چیز اتنی ہی نافع ہے، جتنی یہ کہ بہت سے لوگ اپنے ذہن و دماغ کو ترقی دینے کے وسائل سے اتنے محروم نہیں ہوتے جتنے وہ اس رجحان اور رغبت سے محروم ہوتے ہیں، جناب والا اب میں اپنا ایک آخری تاثر پیش کرنا چاہتا ہوں، جو اس امر کا واضح ثبوت ہوگا، کہ آپ کی خود نوشت صرف ایک سوانح عمری ہی نہیں ہے بلکہ اس سے کچھ زیادہ اہمیت کی حامل ہے، تحریر کا یہ انداز کسی حد تک عام ڈگر سے ہٹا ہوا ہے، لیکن اثر و تاثیر کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتا، یہ ایک تقابلی مطالعہ ہوگا، مختلف النوع سیاسی اکھاڑ پچھاڑ، خود غرضی اور بے مغز تحریروں

کا آپ کی خود نوشت دوسرے اہل لوگوں کو بھی اکسائے گی کہ وہ اپنی سوانح حیات خود قلمبند کریں، آپ کی یہ چیز پلوٹارک کی (Lives) کے مقابلے کی چیز ہوگی، دنیا میں ایک ہی ہستی ایسی ہے جس کے ذکر سے اور جس کی مدح و ثنا سے میں کبھی نہیں تھکتا، اب میں اپنا یہ مکتوب ختم کر رہا ہوں، لیکن اس سے پہلے میرے پیارے ڈاکٹر فرینکلن ایک ذاتی استدعا آپکی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، میری دلی آرزو ہے کہ آپ اپنے کردار و سیرت کی اصل امتیازی خصوصیّت سے دنیا کو ضرور روشناس کرائیں، ورنہ سیاسی ہنگامہ آرائیاں اس کے اصل رنگ و روپ کو مدھم کر دیں گی، آپ کے عہد، کردار بلند، اور مخصوص طرز فکر کو دیکھتے ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص آپ کی داستان صحیح اور مکمل طور پر نہیں بیان کر سکتا، نہ آپ کے فکر و تعقل کی گرہ کشائی کر سکتا ہے، خاص طور پر یہ کہ موجودہ زمانے کا عظیم انقلاب لازمی طور اس کے اصل داعیا اور بانی کی طرف ہماری توجہ مبذول کرے گا، کیونکہ وہ اہم ترین اور بہترین اصولوں پر مبنی ہے، لہذا لازمی اور ضروری ہے، کہ دکھایا اور بتایا جائے کہ یہ اصول کس طرح اور کیونکر اثر انداز ہوئے اس سلسلے میں خود آپ کی شخصیّت ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے، یہ بالکل مناسب بات ہوگی کہ اس کے اثرات نہ صرف آپ کے ابھرتے ہوئے عظیم ملک پر، بلکہ انگلستان اور یورپ پر بھی اس کے تقدس اور دوام کو قائم رکھا جائے، انسانی سکون و طمینان میں وسعت اور اضافے کے لیے میں ہمیشہ سے اس رائے پر قائم رہا ہوں کہ اس بات کو واضح کرنا بسا ضروری ہے کہ انسان موجودہ حالات میں بھی طبعاً برا اور قابل نفرت جاندار نہیں ہے، اور اس سے بھی زیادہ اس بات کو واضح اور ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ اچھی تربیت اس میں حسب دل خواہ تبدیلیاں پیدا کر سکتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ میں

چاہتا ہوں کہ یہ خیال محکم اور مستحکم ہو جائے، کہ نسل انسانی میں بہت سے بلند و بالا انفرادی کردار موجود ہیں، اگر کوئی ایسا لمحہ آجائے کہ تمام آدمی بغیر کسی استثنار کے برے تصور کر لیے جائیں، اور اچھے لوگوں کی مساعی حسنہ بھی بار آور نہ ہوں تو بھی وہ کشمکش حیات میں اپنا حصہ لیتے رہیں گے، یا کم از کم اس سعی و جہد کو اصولی طور پر آسان بنا دیں گے لہذا جناب والا از راہ کرم اس کام کو جلد از جلد اپنے ہاتھ میں لیں اور پایۂ تکمیل تک پہنچا دیں، اپنے آپ کو بہترین انسان ثابت کیجئے! جب کہ حقیقت بھی ہے کہ آپ بہترین انسان ہیں، اور نظام حیات میں ضبط و نظم کا ثبوت دیں، عہد طفلی ہی سے آپ انصاف، آزادی اور مساوات کے پرستار اس انداز میں رہے کہ یہ بات آپ کے لیے فطری بن گئی، کہ کھل کر میدان میں آجائیں جب کہ گذشتہ ،اسال سے ہم آپ کو بر سر عمل دیکھ رہے ہیں، وہ چیز بن جائیے، کہ انگریز نہ صرف آپ کا احترام کریں بلکہ آپ سے محبّت بھی کرنے لگیں، وہ جب آپ کے وطن کے افراد کے بارے میں اچھی رائے قائم کریں گے تو وہ آپ کے نئے ملک کے بارے میں اچھی رائے قائم کرنے پر مجبور ہوں گے، اور جب آپ کے اہل ملک محسوس کریں گے، کہ انگریز ان کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہیں، تو وہ انگلستان کے بارے میں بھی زیادہ بہتر طور پر سوچ سکیں گے، اپنے خیالات کو اور وسعت دیں، اپنے آپ کو انہی لوگوں تک محدود نہ کریں، جو انگریزی زبان بولتے ہیں، بلکہ ساری نوع انسانی کی فلاح و بہبود کو اپنا مقصد اور شعار بنائیں، اگرچہ میں نے آپ کی خود نوشت کا ایک صفحہ بھی نہیں پڑھا ہے لیکن اس کردار سے تو واقف ہوں، جو اس کا موضوع ہے۔ معاف کیجئے گا، یہ باتیں دل بڑا کر کے میں نے لکھنے کی جرأت کی ہے، مجھے یقین ہے کہ آپ کی خود نوشت اور وہ تحریریں وغیرہ ART OF VIRTUE جن کا میں حوالہ دے چکا

ہوں، میری بہترین توقعات کے عین مطابق ہوں گی، بلکہ میں تو یہ توقع بھی رکھتا ہوں کہ اس مکتوب میں جن امور کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے، ان پر بھی آپ ضرور روشنی ڈالیں گے، اگر بہ فرضِ محال یہ تحریریں آپ کے مدّاح اور قدرشناس کی امید کے مطابق نہ ہوئیں، جو اس نے قائم کر رکھی ہے، تب بھی آپ کے قلم سے جو چیز نکلے گی وہ انسانی ذہن و دماغ کے لیے موجبِ دلچسپی ہوگی، اور جو بہرحال انسان گم گشتہ متاعِ نشاط و مسرت کو واپس لانے والی ہوگی، جس سے زندگی کا روشن رخ واضح ہو جائے گا، جسے اضطرابِ احوال نے تاریک تر کر دیا ہے، اور درد و الم نے مبتلائے مجروح و درماندہ کر رکھا ہے، لہٰذا استدعا ہے کہ اس مکتوب میں آپ سے جو التماس کی گئی ہے اسے توجہ سے سنیں۔

میں ہوں آپ کا انتہائی نیازمند اور معتقد

بنجامن واگن

پھر وہی خود نوشت

بہ مقام پیسی Passy، نزد پیرس،

۱۷۸۴ء

کافی عرصہ ہوا، مذکورہ بالا خط مجھے موصول ہوا تھا، لیکن اس وقت سے اب تک میں مصروفیتوں میں گھرا رہا، کہ اس کے مندرجات و مشمولات کی تکمیل نہ کر سکا، بہت اچھا ہوتا، اگر یہ سطریں لکھتے وقت میں وطن میں ہوتا، اور میرے کاغذات و مسودات

میرے سامنے ہوتے، اور حسب ضرورت واقعات کی تاریخوں کی تصحیح کرسکتا، لیکن میری واپسی غیر متیقن ہے، اور چونکہ آج کل فرصت کے کچھ لمحات میسر ہیں، لہٰذا دماغ پر زور دے کر جو کچھ یاد آتا جائے گا، لکھنے کی کوشش کرونگا، اگر میں زندہ رہا، اور وطن واپس گیا تو وہاں اس پر نظر ثانی کر کے ضروری تصحیح کر لوں گا، اور اس مسودے میں مزید کچھ اضافہ بھی کر سکوں گا،

اب تک جو کچھ میں لکھ چکا ہوں، اس کی کوئی نقل میرے پاس نہیں ہے، مجھے نہیں یاد کہ جن وسائل کو کام میں لا کر میں نے فلاڈلفیا میں ایک لائبریری قائم کی تھی جس کا آغاز بہت معمولی طور پر ہوا تھا، اور جو اب بہت وسعت اختیار کر چکی ہے ان ساری تفصیلات کا ذکر میں کر چکا ہوں یا نہیں البتہ اتنا دیا ہے کہ میں نے ۱۷۳۰ء تک کے واقعات قلمبند کئے تھے، اس میں جو حصہ ایسا پاؤں گا جسے پہلے لکھ چکا ہوں، اسے قلم زد کر دوں گا۔

پنسلوینیا میں جب میں نے کاروبار شروع کیا تو بوسٹن کے جنوبی علاقے کی نوآبادیات میں کسی کتب فروش کی کوئی دوکان نہیں تھی، نیویارک اور فلاڈلفیا میں جو مطبع والے تھے وہ درحقیقت اسٹیشنر تھے جو کاغذ، درسی کتابیں، کاپیاں، پنسل اور اس طرح کی چیزیں فروخت کیا کرتے تھے، جو لوگ مطالعہ کا شوق رکھتے تھے انہیں انگلستان آرڈر دے کر کتابیں منگانا پڑتی تھیں، "دجنتو" کے ممبران میں سے ہر ایک کے پاس کتابوں کا تھوڑا بہت ذخیرہ تھا، اب ہم نے اپنی پہلی جگہ چھوڑ دی تھی، اور کلب کے لیے

ایک کمرہ باقاعدہ کرایے پر لے لیا تھا، میں نے تجویز پیش کی کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی اپنی کتابیں لاکر کلب میں جمع کردے، جہاں نہ صرف مباحث اور سوالات کے وقت ان کے حوالوں سے مدد لی جاسکے گی، بلکہ ان کے عام مطالعہ کی سہولت بھی ہر ممبر کو حاصل ہوگی، ہر ممبر اپنی پسند اور ذوق کی کتاب عارضی طور پر اپنے ہاں لے جاسکے گا، یہ تجویز منظور ہوئی، اور عمل میں آگئی، کچھ عرصے تک یہ سلسلہ اچھی طرح سے جاری رہا۔

کتابوں کے اس تھوڑے ذخیرے کو زیادہ نافع اور مفید بنانے کے لیے میں نے تجویز پیش کی کہ ان کتابوں کے استفادے کا دائرہ اور وسیع کردیا جائے، اور ایک "چندہ لائبریری" (Subscription Library) کا آغاز کردیا جائے، مجوزہ لائبریریوں کا خاکہ اور قوائد وضوابط میں نے بنا رکھے تھے اور ایک ماہر دستاویز نویس مسٹر چارلس بروکڈن کو دے دیئے کہ انھیں قانونی طور پر مرتب کرلیں، اور معاہدے کا مسودہ تیار کرلیں، جس کی رو سے ہر ممبر خرید کتب کے لیے ایک متعین رقم ادا کرے، ساتھ ہی ساتھ سالانہ چندے کی رقم بھی متعین کردی جائے، تاکہ کتابوں میں برابر اضافہ ہوتا رہے، اس زمانے میں فلاڈلفیا میں ذوق مطالعہ رکھنے والے اتنے کم تھے اور ہماری اکثریت اتنی غریب تھی کہ انتہائی کوشش کے بعد میں نے کم وبیش پچاس آدمیوں کو اس میں حصہ لینے پر آمادہ کیا، یہ زیادہ تر نوجوان آرٹسٹی تھے، ان میں سے ہر ایک اس مقصد کے لیے چالیس شلنگ سالانہ، دینے پر تیار ہوگیا، چنانچہ انگلستان سے کتابیں درآمد کی گئیں، یہ لائبریری ہفتے میں ایک دن کتابیں دینے کے لیے کھلتی تھی، قواعد کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ اگر وقتِ مقررہ پر کتاب واپس نہ کی گئی تو دوگنی قیمت

ادا کرنی پڑے گی، اس ادارے کی افادیت نے لوگوں کا دل موہ لیا، دوسرے شہروں اور صوبوں میں بھی یہ سلسلہ چل پڑا، لائبریریاں چندوں سے کھولی جاتی تھیں، رفتہ رفتہ مطالعہ ایک فیشن بن گیا، اور ہمارے ہاں کے باشندوں کے لیے ، چونکہ دلچسپی کی کوئی اور ایسی چیز نہ تھی، جو انھیں مطالعہ سے بے رغبت کر دیتی، لہذا کتابوں کے مطالعے کا شوق یوماً فیوماً بڑھتا گیا، اور رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ باہر سے آنے والے لوگوں کو یہ احساس شروع ہو گیا کہ لائبریری سے استفادہ کرنے والے یہ لوگ اپنی ہی جیسی استعداد کے دوسرے ملکوں کے باشندوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ذہین اور روشن دماغ ہیں،

ہم نے یہ رقم دینے کا معاہدہ پچاس سال کیلئے کیا تھا، جب ہم اس معاہدے پر دستخط کرنے والے تھے، جس کی پابندی ہم سب پر، بلکہ ہمارے وارثوں تک پر لازمی تھی، قبالہ نویس مسٹر بروکڈن نے ہم سے کہا:

"تم لوگ نوجوان ہو، لیکن یہ بات مشکل سے تسلیم کی جا سکتی ہے کہ تم میں کا ہر فرد اس وقت تک (پچاس برس تک) زندہ رہے جو معاہدے میں درج ہے، ! "

لیکن خدا کا شکر ہے ہم دستخط کنندگان کی کافی تعداد ابھی زندہ ہے، لیکن چند سال بعد یہ معاہدہ عملاً بے کار ہو گیا۔ کیونکہ ایک فرمان کے مطابق اس طرح کے ادارے حکومت کی تحویل میں چلے گئے۔

چندہ وصول کرنے کے لیے مجھے جد و جہد کرنا پڑی، اور جن اعتراضات

اور خدشات کا مجھے مقابلہ کرنا پڑا اس سے بہت جلد مجھ پر یہ بات واضح ہو گئی، کہ کسی مفید مقصد کے لیے بھی اپنے آپ کو پیش کرنا ایک ناموزوں سی بات ہے، اس سے لوگوں کے دل میں اندیشے دور و دراز پیدا ہوتے ہیں، اور وہ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ یہ شخص اپنے آپ کو ہم سے آگے بڑھا رہا ہے اور شہرت حاصل کر رہا ہے، اور یہ خیال اس وقت اور بڑھ جاتا ہے، جب وہ منصوبے کی تکمیل کے لیے مالی امداد کا خواہاں ہو، لہٰذا میں نے اپنے آپ کو پیچھے رکھنا شروع کر دیا، اور بات یوں شروع کرتا کہ "یہ اسکیم چند دوستوں نے بنائی ہے،"، اپنا نام نہ لیتا، اور کہتا "ان دوستوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہ تجویز میں ان حضرات کے سامنے جا کر رکھوں جو علم اور مطالعہ کا شوق رکھتے ہوں،"، یہ طریقہ اختیار کرنے کے بعد میری دشواریاں بڑی حد تک کم ہو گئیں، اور کام ٹھیک سے چلنے لگا، آئندہ ہر موقع پر میں نے یہی روش اختیار کی، اور مجھے نمایاں کامیابی بھی ہوئی، آج اگر آدمی اپنی خود بینی کا ایثار کرتا ہے، تو کل اس کا بہت اچھا بدلہ پاتا ہے، اور اگر کچھ عرصے کے لیے یہ بات غیر یقینی سی بھی نظر آئے تو بھی یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ مقصد ذات سے اعلیٰ ہوتا ہے، اس تصور سے حوصلہ بلند ہو جاتا ہے، اور پھر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ حاسد تک انصاف کرنے اور سراہنے پر مجبور ہو جاتا، اور تحسین و توصیف کے اصل سزاوار کی مدح و ثنا میں بخل نہیں کرتا۔

اس لائبریری سے مجھے ایک فائدہ یہ پہنچا کہ مسلسل مطالعہ نے میرے علم اور معلومات میں گراں بہا اضافہ کیا، اس کام کے لیے میں نے تقریباً دو گھنٹے ہر روز

وقف کر رکھے تھے، اور اس طرح کسی حد تک میں نے تعلیمی کمی کی تلافی کر لی، جس کے لیے والد آرزومند رہا کرتے تھے، میری تفریح کا واحد مشغلہ صرف مطالعہ تھا، کسی قسم کا کھیل یا دوسرے تفریحات میں ایک لمحہ صرف کرنا بھی مجھے گوارا نہ تھا، اپنے کاروبار میں میری محنت بھی، اتنی ہی پیہم اور مستقل تھی، جتنی ضروری تھی، پرنٹنگ ہاؤس کے سلسلے میں میں مقروض تھا، میرے پاس ایک چھوٹا سا کنبہ تھا، جس کی تعلیم و تربیت میری ذمے داری تھی اور میں کاروبار میں **پوری تندہی** کے ساتھ مصروف رہتا تھا، کیونکہ دو پریس میرے کاروبار سے پہلے ہی سے موجود چلے آ رہے تھے، اور وہ بھی گویا بالکل آمنے سامنے، لیکن میرے حالات روز بروز ابتر ہوتے گئے، کفایت شعاری میری فطرت بن گئی تھی، وہ اپنا کام کرتی رہی، کیونکہ میرے والد نے مجھے جو نصیحتیں کی تھیں ان میں ایک وہ بھی تھی کہ جو ایک لڑکا حضرت سلیمانؑ کی مشہور مثل بار بار دھرایا کرتا تھا،

"تم ایک ایسے آدمی بن جاؤ جو اپنے فرض سے کبھی غافل نہ ہوتا ہو، جو بادشاہوں کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، وہ کم پایہ لوگوں کے سامنے کھڑا نہیں ہوتا!"

اس وقت میں نے یہ طے کر لیا کہ دولت اور شہرت حاصل کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے، ـــــ "محنت"! اگرچہ میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ کسی بادشاہ کے سامنے مجھے کھڑے ہونے کا موقعہ ملے گا، لیکن بہرحال یہ موقعہ بھی مجھے مل چکا ہے کیونکہ میں پانچ بادشاہوں کے سامنے کھڑا ہو چکا ہوں، اور ایک بادشاہ کے ساتھ تو بیٹھنے کا شرف بھی حاصل کر چکا ہوں، یعنی شاہ ڈنمارک کے ساتھ ڈنر پر۔!

ہماری انگریزی زبان میں ایک مثل زبان زد ہے، کہ "درخت پھلنا پھولنا چاہیے

اسے چاہیئے کہ اپنی بیوی سے بنائے رکھے ،!،، یہ میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے ایسی رفیقہ حیات میسّر تھی جو بالکل میری طرح ، محنت ، مشقت کی عادی اور کفایت شعار تھی ، وہ میرے کاروبار میں خوشی کے ساتھ ہر طرح کی مدد دیتی تھی ، جو پمفلٹ میرے ہاں چھپتے تھے ، اُن کی سلائی کرتی تھی ، ان کے تختے موڑ کر انھیں سائز میں لاتی تھی ، پھر ساتھ ہی ساتھ دوکان کا کام بھی کرتی تھی ، کاغذ سازوں کے لیے پرانے لینن اور کمبل کے ٹکڑے خرید لاتی تھی ، یہ اور اسی طرح کے بہت سارے کام اس نے اپنے ذمے لے رکھے تھے ، اور انھیں خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیتی تھی ، ہم نے کوئی ملازم نہیں رکھا تھا ، ہماری کھانے کی میز صاف اور سادہ تھی ، ہمارا فرنیچر کم تھا اور بے حد سستا ، مثلاً عرصے تک میرا ناشتہ روٹی اور دودھ رہا ، (چائے بالکل نہیں) یہ دودھ مٹی کے ایک بڑے پیالے میں ہم استعمال کرتے تھے ، چمچہ جست کا ، لیکن سوچو تو سہی تنعم کس طرح دبے پاؤں گھروں میں داخل ہو جاتا ہے ، اور اصول پرستی کے باوجود کیونکر اپنی جگہ بنا لیتا ہے ، ایک روز حسب معمول میں نے ناشتہ طلب کیا تو دیکھتا کیا ہوں ، چینی کے برتنوں کو سامنے رکھا گیا ، اور چمچے ، — چاندی کے ،! یہ چیزیں میری بیوی نے مجھے اطلاع دیے بغیر میرے لیے خریدی تھیں ، اور ان پر ۲۳ شلنگ صرف ہوتے تھے ، اس فضول خرچی کا میری بیوی کے پاس اس کے سوا کوئی عذر یا جواب نہیں تھا ، کہ انھوں نے سوچا کہ میرا شوہر چاندی کے چمچوں اور چینی کے برتنوں کو استعمال کرنے کا اتنا ہی مستحق ہے جتنے ہمارے دوسرے پڑوسی ، ٹھاٹھ باٹھ کی یہ پہلی نمود تھی ، ہمارے گھر میں جو بعد میں ، جیسے جیسے ہم مالدار ہوتے چلے گئے ، اتنی بڑھی کہ سیکڑوں پونڈ کے برتن ہمارے گھر میں خرید لئے گئے ۔

مذہبی طور پر میں پریسبیٹرئن PRESBYTERIAN تھا،[1] بچپن سے یہی چیز میری گھٹی میں پڑی تھی اگرچہ اس فرقے کے چند عقائد میرے نزدیک ناقابل فہم اور بعض مشکوک تھے، شروع شروع میں جماعتی عبادتوں میں شرکت کا بھی مجھے موقعہ نہیں ملا۔ کیونکہ اتوار کا دن میں نے صرف پڑھنے اور مطالعے کے لیے وقف کر رکھا تھا، بایں ہمہ مثلاً باری تعالیٰ کے وجود پر بھی مجھے کبھی شبہ نہیں ہوا، میرا یہ عقیدہ بھی رہا کہ یہ کائنات اسی نے بنائی ہے، اور اسے اپنی مرضی کا تابع رکھا ہے، نیز یہ کہ خدا کے لیے بندے کی سب سے بڑی اور مقبول عبادت یہ ہے کہ انسان، انسان کے کام آئے، نیز یہ کہ ہماری روح غیر فانی ہے، نیز یہ کہ سیئات کی سزا ملے گی، اور حسنات کا اجر عطا ہوگا، خواہ اسی دنیا میں یا آخرت میں، میرے نزدیک یہ ہر سچے مذہب کے لازمی اجزاء ہیں، اور ہمارے ملک میں جو ادیان پائے جاتے ہیں، ان میں یہ خصوصیات دیکھ کر میں تمام مذاہب کا احترام کرنے لگا، اگرچہ احترام کے مدارج مختلف تھے، کیونکہ انمیں کم یا زیادہ ایسی چیزیں بھی شامل تھیں، جن کے باعث وہ نظام اخلاق کو پیدا کرنے، ترقی دینے، یا مستحکم کرنے میں اتنا حصّہ نہ لے سکے، جتنا انھوں نے تفرقہ اور اختلاف پیدا کرنے میں لیا، اور ہمیں ایک دوسرے سے متنفر اور بیگانہ کر دیا، جملہ مذاہب کے احترام سے متعلق میری رائے کا مطلب یہ ہے کہ بعض دفعہ ناخوشگوار چیزوں کا اثر بھی اچھا پڑتا ہے، چنانچہ میں نے ایسے

---

[1] عیسائیوں کا ایک فرقہ جو کلیسا کو مقتدر اعلیٰ کی حیثیت سے تسلیم کرتا، اور اس کے حق حکمرانی کو مانتا ہے۔

(مترجم)

تمام مباحث سے احتراز کا فیصلہ کر لیا، کہ جن سے کوئی آدمی مذہب کے بارے میں جو اچھی رائے رکھتا ہو اس میں کچھ فرق پڑے، جیسے جیسے ہمارے صوبے میں آبادی بڑھنے لگی، نئی عبادت گاہوں کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اور ان کی تعمیر رضا کارانہ طور پر باہمی چندے سے شروع ہو گئی، اس طرح کے کاموں میں جو تھوڑا بہت ممکن تھا، میں نے حصہ ضرور لیا، کبھی انکار نہیں کیا، خواہ کوئی سا فرقہ بھی ہو۔ !

اگرچہ اجتماعی عبادتوں میں شریک ہونے کا مجھے شاذونادر ہی موقعہ ملتا تھا، لیکن اس کی افادیت کا بہرحال قائل تھا، بشرطیکہ صحیح طور پر اسے ادا کیا جائے۔ میں پابندی کے ساتھ اپنا سالانہ چندہ، فلاڈلفیا کے کلیسا کو ادا کیا کرتا تھا، یا پادری صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا کرتا تھا، کبھی کبھی ایک دوست کی حیثیت سے وہ میرے گھر بھی تشریف لایا کرتے تھے، اور مجھے ترغیب دیتے تھے کہ ان کے مواعظ میں شرکت کیا کروں، میں کبھی کبھی اس ارشاد کی تعمیل بھی کر دیتا تھا، ایک دفعہ تو مسلسل پانچ اتواروں تک یہ سعادت مجھے حاصل رہی، اگر موصوف ایک اچھے واعظ ہوتے تو شاید یہ سلسلہ میں برابر جاری رکھتا، اگرچہ یہ میں نے اپنے مطالعہ کے لیے مختص کر رکھا تھا، لیکن ان کے مواعظ یا تو نزاعی امور سے متعلق ہوتے تھے یا ہمارے فرقے کے مخصوص فلسفے کی تشریح و توضیح کے لیے وقف ہوتے تھے، میرے لیے یہ دونوں چیزیں غیر دلچسپ اور اکتا دینے والی تھیں، کیونکہ ان میں کوئی اخلاقی اصول بیان نہیں کیا جاتا تھا، ایک اچھا انسان بننے پر زور نہیں دیا جاتا تھا، بلکہ صرف پریسبیٹرین بننے کی تلقین کی جاتی تھی۔

آخر کار فلپینس کے چوتھے باب کی مندرجہ ذیل آیات کو موصوف نے طرازِ عنوان بنایا ،:-

"جو چیزیں ذرا بھی صداقت، دیانت، انصاف، عفت، جمال اور خوبی کا شائبہ رکھتی ہیں، ان میں اگر کوئی حسن یا صفت ہو تو ان چیزوں کو نگاہِ تعمق سے دیکھو، !!"

اور اسی طرح کی چند آیات پر جب وعظ کہا جا رہا تھا، تو میرے دل میں خیال آیا کہ ہمیں اخلاقی اصول کو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے، لیکن موصوف کے مواعظ صرف پانچ نکتوں تک محدود تھے۔

۱۔ مقدس یوم سبت کا قرار واقعی احترام

۲۔ صحیفہ الٰہی کی باقاعدہ تلاوت

۳۔ اجتماعی عبادت میں پابندی کے ساتھ شرکت۔

۴۔ اسم اصطباغ کی تعمیل،

۵۔ پیشوایان مذہب کا پورا پورا احترام

یقیناً یہ سب اچھی چیزیں ہیں، لیکن یہ خوبی اس قوم میں داخل نہیں ہے، جس کی میں توقع حوالہ آیات کی بنا پر کر رہا تھا، چنانچہ میں نے اجتماعی عبادت میں شرکت ترک کر دی، ایک حد تک مجھے مایوسی ہوئی، اور پھر کبھی موصوف کے وعظ میں شریک نہیں ہوا چند سال پہلے میں نے ایک طرح کی دعا مرتب کی تھی، جسے میں اپنے طور پر پڑھ لیا کرتا تھا (یہ ۱۷۲۸ء کا واقعہ ہے،) اُن کا عنوان میں نے رکھا تھا: (Articles of belief
And Acts of Religion)!"

اب میں نے پھر اسی دعا کا ورد شروع کر دیا تھا۔ اور اجتماعی عبادت سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی، ممکن ہے، میرا یہ طرزِ عمل قابلِ ملامت ہو، لیکن میں نے اسے اعتذار طلب کبھی تصور نہیں کیا، ان سطروں کے لکھنے کا مقصد تو حقائق کا بیان کرنا ہے، نہ کہ اپنی خطاؤں کی توبہ و استغفار۔

اسی زمانے میں تکمیلِ اخلاقیات کا ایک منصوبہ تیار کیا، میں نے کوشش کی، کہ کبھی بھی کسی غلطی اور خطا کا ارتکاب کیے بغیر زندگی بسر کر دوں، میں ان چیزوں پر غالب آسکتا ہوں، خواہ ان کی طرف طبعی میلان ہو، یا رسم و رواج کے باعث یہ جزوِ زندگی بن گئی ہوں، یا صحبت اور رفاقت کے باعث ان میں کشش محسوس ہوتی ہو، جیسا کہ میں جانتا تھا، یا کم از کم میرا خیال تھا کہ جانتا ہوں کہ اچھا کیا ہے اور برا کیا ہے، کوئی وجہ نہ تھی کہ میں ایک کو اختیار نہ کر لیتا اور دوسرے کو ترک نہ کر دیتا، لیکن بہت جلد میں نے محسوس کر لیا کہ میں نے ایک نہایت سخت و صعب کی ذمے داری لے لی ہے، پہلے جس کا مجھے وہم و گمان بھی نہیں تھا، اسی اثنا میں کہ میں ایک غلطی سے اجتناب کرنے کے لیے اپنی کڑی نگرانی رکھتا تھا، اکثر میں متحیر ہو کر رہ جاتا، کہ اس کے علاوہ دوسری غلطی سرزد ہو گئی، اس غفلت کا سبب عادت تھی، یا بعض دفعہ رغبت اتنی شدید ہوتی کہ وہ استدلال کی پرواہ نہ کرتی، آخر کار میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ محض یہ عقیدہ کہ مکمل طور پر نیک سیرت ہونا، خود ہمارے ہی فائدے میں ہے، لغزش سے بچانے میں کارگر نہیں ثابت ہو سکتا، ضرورت اس کی ہے کہ عادت کا طلسم توڑا جائے، اور اچھائی کو اختیار کیا جائے، اور اس پر قائم رہا جائے، جب تک ہم کوئی سہارا ایک محکم اور راست بازانہ زندگی بسر کرنے کا

نہ اختیار کریں، جس پر ہمارا انحصار ہو، اس مقصد کے لیے میں نے جو طریقہ اختیار کیا وہ یہ تھا، :

اخلاقی صفات کے متعدد اور مختلف پہلو میں نے دوران مطالعہ میں تلاش کیے تھے، لیکن میں نے محسوس کیا کہ یہ فہرست تو خاصی طویل ہے، اس لیے کہ متعدد مفکروں نے کم یا زیادہ اخلاقی تصورات کو ایک ہی عنوان کے ماتحت رکھا تھا، مثلاً ضبط و اعتدال TEMPERANCE برتا جائے، بعض دوسروں نے اسے یہاں تک وسعت دے دی تھی کہ ہر مسرت خواہش رغبت یا جذبے کو، خواہ وہ جسمانی ہو یا ذہنی، بلکہ حد یہ ہے کہ حرص اور ہوس تک کو اس میں شامل کر لیا تھا، میں نے صرف اپنی حد تک کے لیے یہ کیا کہ بجائے اس کے، کہ زیادہ عنوات کے ماتحت چند اخلاقی تصورات کو وابستہ کرتا، چند عنوانات کے ساتھ زیادہ اخلاقی تصورات کو شامل کر لیا، میں نے حسنات کے ۱۳ عنوانات قائم کیے، میرے نزدیک یہ تعداد حد درجہ ضروری اور قابل عمل تھی، ہر عنوان کے ساتھ مختصر سی تشریح بھی کر دوں، جس سے بالوضاحت یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ اس سے میں نے جو مراد لیا ہے اس کی وسعت کہاں تک ہے۔

صفات حسنہ کے یہ عنوانات مع ضروری تشریح کے حسب ذیل ہیں، :

۱ ضبط و اعتدال

اتنا نہ کھاؤ کہ سست بن جاؤ، نہ اتنا پیو کہ مدہوش ہو جاؤ،

۲ - خموشی

صرف اتنی بات کرو جس سے دوسروں کو یا تمہیں کچھ فائدہ پہنچے، فضول باتوں سے احتراز کرو۔

۳ - نظم و ضابطہ

اپنی تمام چیزیں ان کی جگہوں پر رکھو، اپنے کاروبار کے ہر حصّے کا ایک وقت مقرر کر لو۔

۴ - عزم

جو کچھ تم مناسب سمجھتے ہو، اسے انجام دینے کا عزم کر لو، اور جو عزم کر لو، اسے قطعاً انجام دو۔

۵ - کفایت شعاری

خرچ اسی وقت کرو، جب اس کی دوسروں کو یا تمہیں ضرورت ہو، بے کار ایک پیسہ بھی ضائع مت کرو۔

۶ - محنت

وقت ضائع نہ کرو، ہمیشہ کسی نہ کسی مفید کام میں مصروف رہو، تمام غیر ضروری

سرگرمیوں سے منقطع رہو۔

۷۔ اخلاص

کسی کو دھوکا دے کر نقصان نہ پہنچاؤ، انصاف اور سچائی کے ساتھ رائے قائم کرو
بات کرو تو بالکل برمحل، !

۸۔ انصاف

کسی کو نقصان پہنچانے کی غلطی نہ کرو، نہ اس فائدے کے پہنچانے سے احتراز کرو،
جو تمہارا فرض ہے۔

۹۔ میانہ روی

انتہا پسندی سے اجتناب کرو، اشتعال انگیزیوں پر جہاں تک ہو سکے، صبر
کرو۔

۱۰۔ طہارت

جسم کا، لباس کا، گھر کا، گندا پن ذرا بھی برداشت نہ کرو۔

۱۱۔ سکون

واہیات باتوں کی پرواہ نہ کرو، نہ ایسے حوادث سے گھبراؤ، جو عام ہیں یا جن

سے مفر ممکن نہیں۔

۱۲ ؟

درج کتاب نہیں۔

۱۳۔ عاجزی

مسیح اور سقراط کی تقلید کرو۔

میرا عزم یہ تھا کہ ان صفات کا خوگر ہو جاؤں، میں نے فیصلہ یہ کیا کہ اگر تمام پر بیک وقت عمل پیرا ہونے کی میں نے کوشش کی تو کامیابی نہیں ہو گی، بلکہ ایک ایک چیز کو معین کر کے اس پر عمل پیرا ہونے کی سعی کرنا چاہیئے، اور جب میں اس کا مکمل طور پر خوگر ہو جاؤں تو دوسری چیز پر عمل درآمد شروع کر دوں، اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھوں جب تک پوری ۱۳ خوبیاں اپنے اندر مکمل طور پر جمع نہ کر لوں، میں نے ان پر نمبروار عمل کرنے کا تہیہ کر لیا، پہلا نمبر ضبط و اعتدال کا تھا، میں نے اسی کو لیا، کہ اس پر عمل درآمد سے ذہن و دماغ کو جلا حاصل ہوتی ہے، اور یہ اس لیے اور بھی ضروری ہے کہ اس کے باعث مسلسل چوکسی آسان ہو جاتی ہے اور پرانی عادتوں کی ترغیب اور کشش کے خلاف مزاحمت کی قوت بھی پیدا ہو جاتی ہے، پہلے اسی کو لینا اور اسی کا خوگر ہونا چاہیئے، خموشی زیادہ آسان ہے، میں نے اسے دوسرا نمبر دیا ہے، میری خواہش یہ تھی کہ اس خوبی کو اپنانے کے زمانے میں معلومات بھی بڑھاؤں، میرا خیال تھا کہ گفتگو کے دوران میں زبان

کان معلومات حاصل کرنے میں مدد دیتے ہیں، لہذا کسی عادت کو ترک کرنے کے لیے ہنسی دل لگی سے کام لے کر فضول قسم کے لوگوں سے جان بچ سکتی ہے، اس کے بعد ضبط و نظم کی باری آتی ہے، اس سے مجھے توقع تھی کہ اس طرح میں اپنے منصوبے پر اور اپنے مطالعے پر زیادہ وقت صرف کر سکوں گا، اب عزم کی باری آتی ہے، اگر ایک مرتبہ یہ میری عادت بن جائے تو جملہ صفات کا حصول میرے لیے آسان ہو جائے گا، کفایت شعاری اور محنت سے کام لے کر میں اپنا باقی ماندہ قرض ادا کر سکتا ہوں، اس طرح دوسرے عنوانات قیاس کیے جا سکتے ہیں، اس کے بعد حکیم فیثاغورث PYTHAGORAS کی ایک نصیحت یاد آتی، جو اس نے Golden verses میں درج کی ہے، یعنی روز کے روز اپنا محاسبہ، میں نے محاسبے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا وہ یہ تھا،

میں نے ایک چھوٹی سی نوٹ بک تیار کی، اس میں ایک صفحہ ہر صفت virtue کیلئے مخصوص تھا، میں نے ہر صفحے پر سرخ روشنائی سے ایک لکیر کھینچی اور سات کالم بنا لیے، ایک کالم ہفتے کے ہر دن کے لیے، ہر کالم میں ایک نشان ہر روز کے لیے میں نے ان کالموں کو تیرہ سرخ لائنوں سے کراس کر کے ایک نقشہ بنایا ہر کالم کے پہلے خانے میں مذکورہ صفات میں سے ایک کا پہلا لفظ درج کیا، کہ اس لائن میں اور اس کالم میں ایک چھوٹا سا سیاہ نقطہ لگا کر نشان لگا سکوں، جو احتساب کے بعد میری اس دن اور اس خوبی سے متعلق غلطی کی نشان دہی کرے گا۔

نوٹ بک کا صفحہ

ضبط و اعتدال

اتنا نہ کھاؤ کہ سست بن جاؤ

نہ اتنا پیو کہ مدہوش ہو جاؤ،

	سنیچر	جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار
ض						.	.
خ		.				.	.
ن	.	.	.		.	.	..
ع					.		
ک				.	.		
م				.		.	
ا					.		
ان							
م ی							.
ط							
س							

	سینیچر	جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار
ظ ع ج							

مذکورہ صفات میں سے ہر ایک پر عمل درآمد کے لیے میں نے ایک ہفتہ کی مہلت مقرر کی، اسی طرح ہفتے میں میری سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ ضبط و اعتدال کے خلاف کوئی معمولی سی بات بھی سرزد نہ ہونے دوں، دوسرے صفات کو ان کے معمولی رخ پر رہنے دیا، البتہ ہر شام کو اس دن کی غلطی پر جو سرزد ہوتی، نوٹ بک میں نشان لگا دیتا، اب اگر پہلے ہفتے میں مثلاً میں نے پہلی لائن والی کوئی غلطی نہیں کی ہے، اور اس پر نشان لگانے کی ضرورت نہیں پڑی ہے، تو میں نے جان لیا کہ اس صفت کا اس حد تک خوگر ہو گیا ہوں، اور اس کے مقابل صفت میں ابھی کمزور ہوں، اب مجھے اپنی کوشش اس سے مجتنب رہنے کی کرنی چاہیئے، آنے والے ہفتوں میں ان دونوں صفات کو میں نے نظر میں رکھا کہ ان پر کوئی نشان نہ لگنے پائے، اس طرح ۱۳ ہفتے میں میرا کورس مکمل ہو سکتا ہے، گویا سال بھر میں چار مرتبہ اس کا اعادہ کیا جا سکتا ہے، میری مثال اس شخص کی سی تھی جو اپنے باغ کو خس و خاشاک سے پاک کرنا چاہتا ہے، وہ ایک ہی دفعہ میں سارا کا سارا جھاڑ جھنکاڑ نہیں نکال پھینکتا، کہ یہ بات اس کی گرفت اور قوت سے باہر ہوتی ہے، اور ایک ایک کر کے ان چیزوں کو اکھاڑ پھینکتا ہے، اسی طرح مجھے بھی کرنا چاہیئے، مجھے بھی امید تھی، ان صفات کے حصول میں میری

سعی وکوشش، نشانات کی لائن کو صاف دیکھ کر مسرت بخش اور حوصلہ افزا ہو گی، یہاں تک کہ چند کورس کے مکمل کرنے کے بعد، حصول صفات کا معاملہ پایہ تکمیل تک پہنچ جائے گا، اور پوری نوٹ بک کو سادہ اور نشانات سے صاف دیکھ کر ۱۳ ہفتوں کے روزانہ احتساب نفس کے بعد غیر معمولی مسرت حاصل ہو گی۔

ایڈیسن ADDISON کی CATS سے اپنی نوٹ بک کے لیے میں نے یہ فوٹو لیا تھا،

میرا عقیدہ ہے
اگر ہم پر بالا کوئی طاقت ہے
تو وہ صفات حسنہ سے خوش ہوتی ہے،
اور جو شخص صفات حسنہ میں مسرت
محسوس کرتا ہے، وہ یقیناً خوش وخرم رہے گا۔

ایسی ایک اور چیز میں نے مسٹر moen کے ہاں سے بھی نقل کی تھی، حضرت سلیمان ؑ کے امثال حکمت میں سے میں نے یہ اخذ کیا تھا:۔

دن کی لمبائی اس کے داہنے ہاتھ میں ہے،
اور بائیں ہاتھ میں دولت اور عزت،
اس کے راستے سرخوشی اور نشاط کے راستے ہیں،
اور اس کے تمام راستے امن وعافیت سے بھرپور ہیں،

III-16-17

ذات باری تعالیٰ کو سرچشمہ، حکمت اور دانش تصور کرتے ہوئے مجھے یہ چیز موزوں
اور ضروری نظر آئی، کہ ان صفات کے حصول میں اس کی امداد و اعانت کا خواہاں ہوں
اس مقصد کے لیے میں نے مندرجہ ذیل چھوٹی سی مناجات تیار کی، جو میرے تختۂ احتساب
روزانہ استعمال کے لیے آویزاں رہتی تھی،

اور سب سے زیادہ قوت والے پروردگار
فیاض باپ
رحم دل رہنما،

مجھے اس حکمت و دانش کی فراوانی عطا کر، جو مجھے راہ راست پر لے چلے،

مجھ میں وہ عزم اور حوصلہ پیدا کر کہ حکمت و دانش کے راستے سے منہ نہ موڑوں۔

میری حقیر خدمت جو تیرے بچوں کی مجھ سے بن آئے قبول فرمالے، کہ یہی ایک نذرانہ ہے، جو تیرے احسان بے پایاں کے صلے میں پیش کر سکتا ہوں،

کبھی کبھی وہ مناجات بھی وردِ زبان ہو جاتی تھی، جو میں نے تھامسن کی نظم سے یاد کی تھی۔

روشنی اور زندگی کے خالق

توسب سے بلند و بالا ہے،

اچھائی کی طرف میری رہنمائی کر، تو خود میرا رہنما بن،

مجھے برائی، گناہ اور فسق و فجور سے محفوظ رکھ،

اور میری روح کو علم، سکون قلب اور صفات حسنہ سے معمور کر دے۔

پاک، حقیقی، اور لازوال مقام عطا فرما۔

نظم وضبط کی تشریح سے واضح ہوتا ہے، کہ اپنے کاروبار اور مصروفیت کے ہر حصے کے لیے مجھے وقت مقرر کرکے اس پر عمل کرنا چاہیئے، اپنی نوٹ بک کا ایک صفحہ اس سلسلے میں درج کرتا ہوں، جو پانچ بجے صبح سے دوسرے دن چار بجے تک کے وقت پر حاوی ہے۔

وقت صبح

سوال :- آج کے دن مجھے کیا کرنا ہے؟

۵ بجے	
۶	بیداری، غسل، عبادت، کاروباری مصروفیت
۷	مقررہ مصروفیات پر عمل درآمد، مطالعہ
۸	ناشتہ۔
۹	معمولات یومیہ
۱۰	
۱۱	

دوپہر

	۱۲	مطالعہ، حساب کتاب کا معائنہ،
	۱	اور ظہرانہ،
	۲	
	۳	
	۴	
	۵	
شام	۶	بکھری ہوئی چیزوں کو ان کی جگہ پر رکھنا،
سوال :- آج میں نے کون سا کام ٹھیک کیا ہے؟	۷	عشائیہ، موسیقی یا تفریح یا بات چیت
	۸	یومیہ احتساب
	۹	
رات	۱۰	نیند
	۱۱	
	۱۲	
	۱	
	۲	
	۳	
	۴	

میں نے فوراً احتسابی کے منصوبے پر عمل درآمد شروع کیا۔ اور کافی عرصے تک اسے جاری رکھا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں نے اپنے آپ کو اپنے خیال وتصوّر سے کہیں زیادہ خطا وقصور سے معمور پایا، لیکن اس بات سے تسلی ہوئی، کہ وہ کم ہوتی جارہی تھیں۔ بار بار نوٹ بک تبدیل کرنے سے بچنے کے لیے ——— جن میں پرانی غلطیاں مٹانے، اور نئی غلطیوں پر نشان لگانے کے باعث نشانات کی کثرت سے سوراخ ہو گئے تھے، اب میں نے ایک مضبوط کاغذ کی میمورنڈم بک لے لی، جس پر سرخ روشنائی سے لکیریں کھینچیں۔ یہ نشانات آسانی سے مٹنے والے نہ تھے، غلطی کے نشانوں کے لیے میں نے سیاہ رنگ کی پنسل استعمال کی، یہ نشان بڑی آسانی سے ذراسی تری سے مٹائے جا سکتے تھے، ایک سال میں ایک کورس میں نے مکمل کر لیا، بعد ازاں متعدد سالوں میں صرف ایک، یہاں تک کہ یہ سلسلہ بند ہو گیا، کیونکہ بحری سفر اختیار کر کے مجھے ملک سے باہر جانا پڑا، حالات اور مشغولیات کے باعث پابندی سے یہ سلسلہ جاری رکھنا مشکل تھا، لیکن یہ چھوٹی سی نوٹ بک ہمیشہ اپنے پاس رکھتا ضرور تھا۔

میری نظم وضابطہ کی اسکیم نے مجھے بہت پریشان کیا، میں نے محسوس کیا، یہ صرف وہیں قابل عمل ہے، جہاں ایک آدمی کا کاروبار ایسا ہو کہ اپنا وقت وہ اس پر صرف کر سکے، مثلاً ایک پریس کا مستری یا کارکن، لیکن پریس کے مالک کے لیے پورے طور پر اس پر عمل درآمد کرنا مشکل ہے، کیونکہ ہر وقت ہر طرح کے لوگوں سے گھلنا ملنا پڑتا ہے، اور بسا اوقات تجارت پیشہ لوگوں کو ان کے اوقات کا پر اپنے ہاں بلانا بھی پڑتا ہے، غرض اسے نباہنا میں نے بہت مشکل پایا، پہلے تو میں اس سے بالکل

ہی مانوس نہیں تھا، میں نے بہت اچھا نظر پایا تھا، میں طرز کار کی بے ربطی سے متعلق کچھ زیادہ حساس بھی نہیں تھا، لہذا میری فہرست صفات میں سب سے زیادہ تکلیف اسی کو روبہ عمل لانے سے ہوئی، اس سلسلے میں بہت سی غلطیاں سرزد ہوئیں، اور میں ان کی اصلاح بہت کم کر سکا، مجھ سے مسلسل اتنی خلاف ورزیاں ہوئیں کہ میں اس سے دستبردار ہونے کو تیار ہو گیا، اور اس صفت سے متعلق اپنے آپ کو بے بہرہ رکھنے پر قانع ہو گیا۔ اس پر ایک واقعہ یاد آ گیا، جس نے لوہار سے ایک کلہاڑی خریدی، اور خواہش ظاہر کی کہ ساری کی ساری ویسی ہی شفاف بنا دی جائے، جیسا اس کا دھار والا حصہ ہے لوہار راضی ہو گیا، شرط یہ رکھی کہ مشین وہ چلایا کرے، یہ حضرت اس پر تیار ہو گئے، اور دونوں اپنے اپنے کام میں جُت گئے، یہ آدمی تھوڑے تھوڑے وقفہ سے آ کر دیکھا کرتا تھا، کہ اب کلہاڑی کے شفاف ہونے میں کیا کسر رہ گئی ہے، اور اس کی پہلی ہوئی صورت کب ٹھیک ہو گی، اور کب اسے یہ جیسی تھی، ویسی لے جا سکے گا، اور کب اسے حد درجہ تکلیف دہ مشقت یعنی مشین کا پہیہ گھمانے سے نجات ملے گی، لوہار کہا کرتا اپنا کام کیے جاؤ، ہم بہت جلد اسے آئینے کی طرح شفاف کر کے رہیں گے، اور اس کے سارے داغ دھبے دور کر دیں گے، آخر اس آدمی نے تنگ آ کر کہا،

"لیکن میرا خیال ہے کہ یہ یوں ہی زیادہ اچھا لگتا ہے،!"

میرا خیال ہے یہی کیفیت دوسرے بہت سے لوگوں پر گزرتی ہے، جو بے صبری سے گھبرا اٹھتے ہیں، اور بری عادتوں کو ترک کر کے اچھی عادتیں اختیار کرنے میں تکلیف

"محسوس کرتے ہیں، اپنی جدوجہد سے باز آجاتے ہیں،، اور "وہ کچلی ہوئی اور دھبے پڑی ہوئی کلہاڑی،، پر قانع ہوجاتے ہیں، کسی وجہ سے جس کا دلیل سے کوئی تعلق نہیں تھا رہ رہ کر یہ خیال میرے دل میں آتا تھا کہ اتنی سخت چیز کو اپنے اوپر عائد کرلینا محض ایک قسم کی خودنمائی ہے جس نے صفت کا لبادہ اوڑھ لیا ہے، یہ بات کھل گئی تو میں احمق ٹھہرایا جاؤں گا، آدمی کا کردار بالکل مکمل ہو تو اسے یہ دکھ جھیلنا پڑتا ہے، کہ لوگ اس کے حاسد ہوجاتے ہیں، اور نفرت کرنے لگتے ہیں، ایک شریف آدمی میں کچھ خامیاں ہونا ہی چاہئیں تاکہ وہ اپنے دوستوں کو اپنے سے بیزار نہ ہونے دے،

سچی بات یہ ہے کہ جہاں تک نظم وضابطہ کا تعلق ہے، میں نے اپنے آپ کو بالکل غیر اصلاح پذیر پایا اور اب کہ میں بوڑھا ہوچکا ہوں، اور حافظہ بھی اچھا نہیں رہا، میں نہایت شدت سے اس کمی کو محسوس کرنے لگا ہوں، لیکن بہ حیثیت مجموعی میں کبھی بھی اس باب میں اہل ثابت نہیں ہوا، حالانکہ یہ اہلیت پیدا کرنے کا ولولہ برابر موجود رہا، مگر ناکام۔ تاہم سعی وکوشش سے میں ایک اچھا اور مسرور آدمی بن گیا ہوں، اور اگر میں نے اپنی ناکام کوشش کا سلسلہ جاری نہ رکھا ہوتا تو شاید یہ بات نہ ہوتی، جو لوگ جو اپنی تحریر میں دوسروں کا رنگ اڑانے کی کوشش کرتے ہیں، اگرچہ وہ مطلوبہ کمال نہیں حاصل کرپاتے، لیکن سعی وکوشش سے ان کے قلم میں جان آجاتی ہے۔

بہتر ہوگا، اگر میرے اخلاف واحفاد کو میری اس تدبیر کا علم ہوجائے، کہ خدا کے فضل وکرم سے وہ شخص جس سے یہ نئی پود عالم وجود میں آئی ہے، اپنی زندگی

میں کامیاب رہا، اب تک کہ وہ ۹۷ سال کا ہو چکا ہے، اور یہ سطریں لکھ رہا ہے۔
اب اس کی کیا کایا پلٹ ہونے والی ہے، تو خدا ہی جانتا اور اسی کے ہاتھ میں ہے لیکن اس نے زندگی کی کٹھنائیاں صبر اور حوصلہ کے ساتھ جھیلیں، ضبط و اعتدال کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی لمبی زندگی ہمیشہ صحت سے ہم کنار رہی، اور جسمانی طور پر اب بھی وہ بہتر حالت میں ہے، محنت اور کفایت شعاری کے باعث اس نے سادہ اور با عافیت زندگی بسر کی، اپنی قسمت بنائی اور دولت کمائی، علم حاصل کیا، جس کے باعث وہ ایک مفید شہری بن سکا، عالموں اور فاضلوں کے مجمع میں بیٹھنے کی اسے جگہ ملی، اور شہرت بھی حاصل ہوئی، اخلاص اور انصاف کے صفات کا ناسامد حالات میں بھی اس نے دامن نہ چھوڑا، تحمل اور بردباری، خوش آئند اور ہشاش چہرے کے ساتھ بات چیت نے اس کی رفاقت کو ایک شئے مطلوبہ بنا دیا، اور اپنے سے کہیں کم عمر ملاقاتیوں میں بھی وہ ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے، لہذا مجھے امید ہے کہ میری اولاد میں کچھ میرے نقش قدم پر چلیں گے، اور جو کچھ میں نے بویا ہے، وہ اسے کھائیں گے، اور فائدہ اٹھائیں گے۔

یہ بات ناقابل لحاظ ہے کہ اگرچہ میرا منصوبہ مذہب سے بیگانہ نہیں تھا، پھر بھی اس میں کسی خاص فرقے کی ترجمانی بھی نہیں تھی، اس چیز سے میں نے ارادۃً احتراز کیا، چونکہ اپنے منصوبے کی افادیت اور اہمیت کا پورے طور پر قائل تھا لہذا میرے نزدیک یہ اسکیم ہر مذہب کے ماننے والوں کے لیے یکساں مفید اور نفع بخش تھی، اور چونکہ کبھی نہ کبھی اسے شایع کرنے کا ارادہ بھی تھا، میں اس میں کوئی ایسی بات نہیں رکھنا چاہتا تھا، جو کسی فرقے کے خلاف ہو، میں نے ہر صفت پر نشر پچا تھوڑا تھوڑا لکھا ہے تاکہ اس کی افادیت

واضح ہوجائے، اور اس سے احتراز کے عیوب و نقائص نظر سے مخفی نہ رہیں، میں نے اپنی اس کتاب کا نام ART OF VIRTUE تجویز کیا تھا، کیونکہ اس میں صفات حسنہ کے حصول کے طریقے اور ذریعے بتائے گئے ہیں، نہ کہ اچھا بننے کی صرف تبلیغ و تلقین کی گئی ہے، جس میں وسائل اور ذرائع کا ذکر نہیں ہوتا، جس طرح کسی داعی یا مصلح کی زبانی تلقین خیرات سے متعلق ہونگے اور بھوکے کو یہ بتائے بغیر کہ کہاں سے اسے روٹی اور کپڑا مل سکتا ہے، تبلیغ کرتا ہے کہ لباس پہنو اور کھانا کھاؤ۔ جیمس ۱۱-۱۵-۱۶

لیکن ہوا یہ کہ اس کتاب کو مکمل کرنے اور شائع کرنے کی نوبت نہ آسکی، اس میں کوئی شبہ نہیں، وقتاً فوقتاً اس کتاب کے لیے کچھ مختصر سے نوٹ اور اپنے دلائل قلمبند کرتا رہا، کہ انھیں حسب ضرورت استعمال کرسکوں، ان کا ایک معقول حصہ اپنے ساتھ رکھتا ہوں، لیکن زندگی کے ابتدائی دور میں کاروباری مصروفیات نے مجھے اپنی طرف متوجہ رکھا اور یہ کام نہیں کرنے دیا، پھر مصروفیات کے اضافے نے تو اس کام کو قریب قریب ملتوی ہی کرا دیا، اور اب میں یہ سوچنے لگا تھا کہ ایک اور عظیم اور وسعت پذیر منصوبہ (A GREAT AND EXTENSIVE) مرتب کروں، جو انسان کی پوری زندگی پر حاوی ہو۔ لیکن غیر متوقع اور مسلسل الجھنوں نے اس طرف بھی متوجہ نہ ہونے دیا، اور یہ کام نامکمل ہی رہ گیا۔

اس سلسلہ بحث میں یہ بات میں واضح کرنا چاہتا تھا، اور اس نظریے کی تشریح کرنا مقصد تھی، کہ گناہ و خطا اس لیے مضرت رساں نہیں ہیں کہ شرعاً ممنوع ہیں، بلکہ شرعاً اس لیے ممنوع ہیں کہ مضرت رساں ہیں، انسان کی فطرت کا تقاضا یہ ہے، کہ

وہ نیک سیرت بننے کا اس لیے خواہش مند ہوتا ہے، کہ خوشی اور مسرت اور اطمینان و عافیت کی زندگی بسر کر سکے، خواہ صرف اسی دنیا میں سہی، اس بات کو سامنے رکھ کر ——— اس دنیا میں ہمیشہ ایک تعداد ایسے دولت مندوں، عالی خاندانوں، جاگیرداروں اور شہزادوں کی موجود رہی ہے، جنھیں دیانت دار افراد کی اپنے معاملات کو سلجھانے اور کاروبار کو ٹھیک طرح سے چلانے کے لیے ضرورت رہتی ہے، اور ان خصوصیات صفات کے لوگ شاذ و نادر ہی ملتے ہیں ——— میں نے یہ کوشش کی تھی، کہ نوجوان طبقے کو یہ باور کراؤں کہ غریب آدمی کی قسمت بنانے میں جن چیزوں کو دخل ہے، ان میں سب سے بڑا حصہ صداقت اور دیانت کا ہے،

میری فہرست صفات ۱۲ کے عدد تک محدود تھی، لیکن ایک خالقی دوست نے از راہ عنایت مجھے متوجہ کیا کہ خود میرے اندر کبر و نخوت کا شائبہ موجود ہے، اور گفتگو کے دوران میں یہ زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے، اور جب کسی موضوع پر بحث و گفتگو کرتا ہوں تو تحکمانہ بلکہ توہین آمیز رویہ اختیار کر لیتا ہوں، میرے دوست نے کئی مثالیں پیش کر کے مجھے قائل بھی کر دیا، میں نے عزم کر لیا کہ اس روگ سے اپنے آپ کو نجات دوں گا، اور اپنے نقائص میں سے اس بدترین نقص کو دور کر کے رہوں گا، چنانچہ میں نے اپنی فہرست صفات میں ایک اور صفت حلم و انکسار کا اضافہ کر لیا، جس کی معنویت حد درجہ وسیع ہے،

میں یہ ڈینگ تو نہیں مار سکتا، کہ اس صفت کے حصول میں حقیقی طور پر مجھے

کامیابی ہوئی، لیکن میں نے اسے اپنانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش ضرور کی، میں نے یہ اصول بنالیا کہ دوسروں کے تاثرات اور واردات کی براہ راست تردید نہ کروں، اور اپنا خیال ٹھونسنے کی کوشش بھی نہ کروں، میں نے "جنتو کے پرانے قاعدے پر عمل درآمد شروع کردیا، کہ کوئی ایسا لفظ استعمال کرنے سے گریز کروں جو کسی مسئلے پر میری متعین اور طے شدہ رائے کا مظہر ہو، مثلاً "یہ بات تو یقینی ہے"! "اس بات میں تو کوئی شبہ نہیں"! ان الفاظ کے بجائے اب میں نے یہ کہنا شروع کیا، "میرا خیال ہے"! "مجھے یہ اندیشہ ہے"! "میرا خیال تو ایسا ہے"! "بہ ظاہر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے"! جب کوئی شخص مجھ سے یہ کہتا تم غلطی پر ہو تو معاً اس کی تردید نہ کر کے مجھے خوشی محسوس ہوتی، میں یہ ثابت کرنے کی کوشش نہ کرتا کہ تم خود بر سر غلط ہو، بلکہ جواب دیتے وقت میں سوچتا کہ متعدد معاملات و مسائل میں اس شخص کی رائے بھی صحیح ہو سکتی ہے، لیکن اس خاص مسئلے میں مجھے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھے کچھ اختلاف ہے، اس طرز گفتگو اور انداز بحث کے محاسن فوراً ہی مجھ پر ظاہر ہونے لگے، ہماری گفتگو بڑے خوش گوار انداز میں مسئلہ زیر بحث پر بغیر کسی تلخی کے جاری رہتی، جس ملائم انداز میں اپنی رائے میں پیش کرتا، مخاطب بخوشی اس کا خیر مقدم کرتا، اور تردید پر اڑ جانے کی کوشش نہ کرتا، یا کرتا بھی تو نرم لہجہ میں اپنی غلطی کے تسلیم کر لینے میں مجھے کوئی جھجک نہ ہوتی، اسی طرح دوسروں سے بھی بڑی آسانی کے ساتھ ان کی غلطی منوالیتا، اور اگر میں راستی پر ہوتا، تو وہ میرے شریک ہو جاتے۔!

حلم و انکسار کو اختیار کرنے اور کبر و نخوت کو دور کرنے میں مجھے اپنے طبعی رجحان سے جنگ کرنا پڑی، پھر یہی چیز میرے لیے آسان اور طبعی بن گئی، غالباً گذشتہ پچاس سال میں میری زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکلا ہوگا، جو ادعا یا تحکم پر مبنی ہو اور یہ اسی عادت کا نتیجہ تھا کہ میرے ہم شہر میری بات کان دھر کر سننے لگے، جب میں کسی نئے ادارے کی تجویز کرتا، یا کسی پرانی چیز کو بدلنا چاہتا تو مجھے کوئی دشواری نہ ہوتی، پھر جب میں کونسل کا ممبر بن گیا تو وہاں بھی یہی کیفیت تھی، حالانکہ میں نہایت بھونڈی تقریر کرتا تھا، الفاظ کا انتخاب بھی صحیح طور پر نہیں کر پاتا تھا، زبان کی غلطیاں بکثرت ہوتی تھیں، پھر بھی جو کہتا وہی ہوتا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ ہمارے فطری جذبات میں کوئی چیز بھی اتنی سخت اور بے لچک نہیں ہے، جتنا کبر و غرور، اس سے کشمکش برابر جاری رکھنا چاہیئے، اس کا زور توڑنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرنا چاہیئے، جہاں تک ہو سکے اسے دبانا چاہیئے، یہ بلا دب جاتی ہے، مرتی نہیں، اور کبھی نہ کبھی، یہ جھانکتی اور بعض اوقات برافگندہ نقاب نظر آجاتی ہے، غالباً تم اس کے مظاہر اس کتاب میں بھی کہیں کہیں دیکھو گے، کیونکہ جب میں تصور کرتا ہوں کہ میں مکمل طور پر اسے مغلوب کر چکا ہوں۔ تو اور کچھ نہیں تو اپنے حلم و انکسار ہی پر مغرور نظر آنے لگتا ہوں،

(یہاں تک PASSY (پیرس) میں لکھا گیا، ۱۷۸۴ء

• • •

اب اگست ۱۹۴۷ء ہے، میں گھر پر
ہوں، اور یہیں لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں
لیکن اپنے کاغذات سے جس امداد کی
توقع تھی وہ پوری نہ ہو سکی، ان کا
بڑا حصہ جنگ میں ضائع ہو گیا پھر
بھی درج ذیل اوراق مل گئے۔!،، ؎

"ایک بڑا اور عظیم منصوبہ"، میرے زیر غور تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ اس منصوبے کے کچھ اجزاء اور اس کے مقاصد درج کر دیے جائیں۔ پہلے پہل یہ خیال میں نے ایک کاغذ پر بایں الفاظ درج کیا تھا، جو اتفاق سے محفوظ رہ گیا۔

ایک خیال

۱۹ مئی ۱۹۴۳ء کو لائبریری میں تاریخ کا مطالعہ کر رہا تھا کہ یہ خیال ذہن میں آیا:

"یہ کہ دنیا کے اہم واقعات مثلاً جنگ اور انقلاب وغیرہ پارٹیوں اور جماعتوں کے ذریعہ روبہ عمل آتے اور اثر انداز ہوتے ہیں،

؎ یہ عبارت مسودے کے حاشیے پر درج تھی!

یہ کہ ان پارٹیوں اور جماعتوں کا نقطہ نظر ان کا موجودہ عام مفاد ہوتا ہے، یا جس چیز کو وہ ایسا تصور کریں۔

یہ کہ ان مختلف پارٹیوں اور جماعتوں کے مختلف افکار و نظریات ہی تمام پیچیدگیوں کا سبب ہوتے ہیں۔

یہ کہ جب ایک پارٹی جب تک ایک عام نقشے اور منصوبے پر عمل کرتی رہتی ہے، ہر شخص اپنا مخصوص نجی مفاد پیش نظر رکھتا ہے۔

یہ کہ ایک پارٹی جیسے ہی اپنا مقصد عمومی حاصل کر لیتی ہے، تو ہر شخص اپنے مخصوص مفاد کے پیچھے لگ جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز دوسروں کے مقاصد میں حائل ہوتی ہے، اور پارٹی میں تفرقہ پڑ جاتا ہے، اور پھر پیچیدگیاں رونما ہونے لگتی ہیں۔

یہ کہ بہت کم ایسے لوگ ہیں جو عوامی معاملات میں صرف ملک کی بھلائی پیش نظر رکھتے ہیں، اور اگرچہ ان کے اعمال و افعال ان کے ملک کی حقیقی فلاح و بہبود کا سبب بنتے ہیں، لیکن ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنا اور ملک کا مفاد مشترک تصور کرتے ہیں، اور کریم النفسی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔

"یہ کہ ایسے چند ہی لوگ ہوتے ہیں، جو عوامی معاملات میں اپنے فعل و عمل کی بنیاد صرف نوع انسانی کی صلاح و فلاح پر رکھتے ہیں۔

"میں محسوس کرتا ہوں کہ اب وقت آگیا ہے، کہ ایک مجلس متحدہ برائے صفات حسنہ "UNITED PARTY OF VIRTUE" کی تشکیل کی جائے، جس میں جملہ اقوام وملل کے نیک سیرت لوگ شامل کیے جائیں، اس کے مناسب اور موزوں قوائد وضوابط مرتب کر لیے جائیں، جن نیک سیرت اور پاک نہاد آدمیوں کا عام پر اتفاق ہو، اور وہ ان کی پیروی اپنے اوپر اس سے زیادہ لازم کریں۔ جتنے عام لوگ عام قوانین کی کرتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ جو بھی اس بلند اور ارفع مقصد کو لے کر اٹھے گا، وہ رضائے الٰہی کا سزاوار ٹھہرے گا، اور کامیابی حاصل کرے گا،!"

بنجامن فرینکلن،!

. . . .

یہ منصوبہ میرے ذہن ودماغ میں گردش کرتا رہا، میں نے طے کر لیا تھا کہ جیسے ہی حالات سازگار ہوئے اور مجھے فرصت کے لمحات میسر آئے، یہ کام شروع کر دوں گا، وقتاً فوقتاً کاغذ کے ٹکڑوں پر وہ خیالات نوٹ کرتا رہا، جو اس منصوبے کے سلسلے میں آتے تھے، ان کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا، لیکن ایک صفحہ جو بچ رہا، میرے خیال میں اس کے مندرجات مجوزہ مسلک کا جوہر ہیں، میرا یہ خیال بھی ہے کہ وہ ہر معلوم مذہب کے لوازم میں شامل ہیں، اور ان میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے، جو کسی مذہب کے عالم

اور پیشوا کے لیے کسی درجہ میں بھی دل آزاد یا تکلیف دہ ہو۔

وہ خیالات میں نے ان الفاظ میں قلمبند کیے تھے۔

- "یہ کہ خدا ایک ہے، اور وہی تمام چیزوں کا خالق ہے،
- "یہ کہ وہی ذات الٰہی ہے، جو ساری دنیا پر حاکم اور بالادست ہے۔
- "یہ کہ وہ ہستی باری تعالیٰ اس کی سزاوار ہے کہ اس کی پرستش کی جائے اس کی عبادت کی جائے، اور اس کا شکرانہ ادا کیا جائے،
- "یہ کہ خدا کی سب سے بڑی عبادت انسانوں کے ساتھ حسن سلوک ہے
- "یہ کہ روح غیر فانی ہے،
- "یہ کہ خدا ضرور نیکی کا اجر اور بدی کی سزا دے گا، خواہ اس دنیا میں خواہ آخرت میں۔

اس زمانے میں میرا خیال تھا کہ اس مسلک کی پہلے پہل تبلیغ نوجوان اور مجرد لوگوں میں کی جائے، نیز یہ کہ ہر شخص جو اس منصوبے کو تسلیم کرے، وہ نہ صرف اس عقیدے سے کامل اتفاق رکھتا ہو، بلکہ کامل ۱۳ ہفتے تک اس نے مذکورہ صفات حسنہ پر عمل بھی کیا اور اپنا احتساب بھی کرتا رہا ہو، مزید برآں یہ کہ اس جماعت کا وجود اس وقت تک راز میں رکھا جائے، جب تک معقول تعداد ممبروں کی نہ ہو جائے، اور اپنا ایک مقام نہ حاصل کرلے، تاکہ نامرغوب اشخاص اس میں شامل نہ ہو سکیں، البتہ ممبروں میں سے ہر ایک اپنے ملاقاتیوں اور شناساؤں میں سے ایسے مخلص، نیک طبع، اور خوش فکر نوجوانوں کی تلاش جاری رکھے، جن پر پوری احتیاط اور رازداری کے ساتھ

اس اسکیم کا رفتہ رفتہ انکشاف کر دیا جائے، نیز یہ کہ اس پارٹی کے تمام ممبر ایک دوسرے کو مفید مشورے دیں، ضروری اسے امداد کریں، اور اس کے کاروبار کو ترقی دینے کے وسائل پر باہمی غور و فکر کریں، اور زندگی کی شاہراہ پر کامیابی کے ساتھ باہم دگر رہبری کر سکیں اس جماعت کا نام میں نے جو تجویز کیا وہ یہ تھا THE SOCIETY OF THE FREE EASY یعنی اپنی عادت عمل، اور صفات حسنہ سے متصف ہونے کے باعث بدی سے آزاد، محنت اور کفایت شعاری کے باعث قرض سے آزاد جو ایک آدمی کو برباد کر دیتا، اور اپنے قرض خواہوں کا غلام بنا دیتا ہے۔

یہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، کہ اس منصوبے سے قسط دار دو نوجوان آدمیوں کو آگاہ کیا، جنھوں نے اسے گرم جوشی کے ساتھ قبول کیا، لیکن اس وقت میرے حالات ناسازگار تھے، اور حالات کا تقاضا یہ ہے کہ زیادہ وقت اور توجہ کاروبار پر صرف کروں لہذا مزید اقدام اس سلسلے میں نہ کر سکا، بعد میں میری حد سے زیادہ نجی اور عوامی مصروفیات نے مجھے اس طرف متوجہ ہونے کا موقعہ نہیں دیا۔ اور برابر ملتوی کرتا رہا، یہاں تک کہ یہ خیال ہی دل سے نکل گیا، اور اب عمر کی اس منزل پر ہوں، کہ نہ قوت ہے، نہ سکت، کہ ایسا بڑا کام ہاتھ میں لے سکوں، اگرچہ میری اب بھی یہ رائے ہے، کہ یہ ایک قابل عمل اسکیم ہے، اور بے حد مفید ثابت ہو سکتی ہے، اگر ایک بڑی تعداد باشندگان شہر کی اس سے وابستہ ہو جائے، میں حالات کی ناساعدت کے اندیشے سے کبھی بھی حوصلہ نہیں ہارا، کیونکہ میرا ہمیشہ یہ عقیدہ رہا ہے کہ ایک متحمل اور بردبار آدمی بہت بڑی تبدیلیاں پیدا کر سکتا ہے، اور نوع انسانی کے لیے عظیم

کارنامے انجام دے سکتا ہے اگر وہ پہلے سے ایک منصوبہ تیار کرلے اور ان تمام مشاغل اور تفریحات سے یکسو ہوجائے، جو اس راہ میں حائل ہو سکتے ہیں، اور اس منصوبے ہی کو اپنی عملی سرگرمیوں کا واحد مرکز بنالے، اور اسی کے لیے وقف ہو جائے۔

۱۷۳۲ء میں پہلی مرتبہ میں نے اپنی تقویم شائع کی، اس کا نام رکھا RICHARD SAUNDER اس کی اشاعت کا سلسلہ میں نے ۲۵ سال تک جاری رکھا عام طور پر اس کا نام Poor Richard Almanac پڑ گیا تھا، میں نے کوشش کی تھی کہ یہ دلچسپ بھی ہو اور نافع بھی، اس کی اتنی مانگ ہوئی کہ میں نے اس سے خوب نفع کمایا۔ تقریباً دس ہزار سالانہ کی اس طرح آمدنی ہو جاتی تھی، اسے عام طور پر خوب پڑھا جاتا تھا، شائد ہی کوئی گھر ایسا ہو جہاں اس کا ایک نسخہ موجود نہ ہو، اسے میں نے عوام تک پیام پہنچانے کا بھی ایک موثر ذریعہ بنالیا، جو عام طور پر کتابیں کم خریدا کرتے ہیں تقویم کے ہر حصے کی خالی جگہ پر کوئی مفید نصیحت، کوئی اچھی سی مثل، کفایت شعاری اور محنت کی برکت سے کوئی اثر انگیز جملہ جو دولت کمانے کا اور صفات حسنہ پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ بن سکتا تھا، ایک مفلس آدمی کے لیے یہ بہت مشکل ہے، کہ وہ ہمیشہ دیانت دار رہے، مثلاً ایسے موقعہ پر میں لکھتا تھا،،

"ایک مفلس آدمی کے لیے یہ بہت دشوار ہے کہ وہ ہمیشہ ایماندار رہے"!!

ایسے محاورے اور کہاوتیں، جو بہت سے زمانوں اور بہت سی قوموں کی حکمت و دانش سے معمور تھیں، ان سب کو میں نے ایک مقدمے اور عنوان کے ساتھ ۱۷۵۷ء کی تقویم میں شائع کیا، یہ ایک پیر مرد کا ایسا خطبہ تھا، جس کے مخاطب وہ لوگ تھے، جو نیلام میں شرکت کے لیے جا رہے تھے، دانش کی ان بکھری ہوئی باتوں کو اس طرح میں نے مرکز نگاہ بنا کر پیش کیا تھا کہ ان کے جذبات میں ایک طوفان برپا ہو جائے، اس کا ایک حصہ تو عالی طور پر بے حد پسند کیا گیا، براعظم کے تمام اخبارات نے اسے نقل کیا، برطانیہ عظمیٰ میں بھی اسے از سر نو وسیع پیمانے پر شائع کیا گیا، اسے گھروں میں لٹکایا گیا، فرانسیسی (فرینچ) زبان میں اس کے دو ترجمے ہوئے، علاوہ ازیں مذہبی حلقوں، اور تعلیم یافتہ حلقوں میں بھی اسے بڑی تعداد میں خرید کر عام طور پر تقسیم کیا گیا، پنسلوینیا میں تو زر بیارہ کہ فضول خرچ کرنے کی اس سے بڑی حوصلہ شکنی ہوئی جس سے مقامی سرمایے میں اضافہ ہوا، بہت سے لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ انھوں نے جو یہ خوب خوب کمایا ہے وہ نتیجہ ہے اسی کے مطالعے کا، تقویم کی اشاعت کے بعد کئی سال تک نفع کے یہ مظاہر واضح اور نمایاں رہے۔

میں نے اپنے اخبار کو بھی اس تعلیم و تلقین کا ایک ذریعہ بنا لیا تھا، اس نقطہ نظر کے ماتحت اس میں Spectater وغیرہ کی ایسی تحریریں کثرت سے نقل کیا کرتا تھا، دوسرے انشا پرداز جو اخلاقیات پر لکھا کرتے تھے، ان کے افکار بھی اپنے اخبار میں چھاپا کرتا تھا، کبھی کبھی اپنی تحریر کا بھی کوئی حصہ شائع کر دیتا تھا جو پہل پہل، "جنتو" میں سنانے کے لیے لکھا گیا تھا، یہ ایک طرح کے سقراطی مکالمات تھے، جن میں یہ بات ثابت

کرنیکی کوشش کی گئی تھی، کہ اس کا حصہ اور اس کی قابلیت خواہ کتنی ہی ہو ایک بدکردار آدمی بجا طور پر ایک مرد شریف کے خطاب سے نہیں یاد کیا جا سکتا، اور خود منفی گفتگو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صفات حسنہ اس وقت تک عادت اور فطرت ثانیہ نہیں بنتی، جب تک ان پر عمل درآمد ان سے مانوس نہ کردے، اور مخالف رجحان سے کامل یکسوئی نہ حاصل ہو جائے، یہ چیزیں میرے اخبارات کے سال ۱۹۳۵ء کے ابتدائی مہینوں میں مل سکیں گی۔

اپنے اخبار کے سلسلے میں یہ اصول میں نے سختی کے ساتھ ملحوظ رکھا کہ کسی کی دل آزاری اور توہین نہ کی جائے، نہ ذاتی حملے کیے جائیں، جو گذشتہ سالوں میں ہمارے ملک کی بدنامی کا سبب بن چکے تھے، جب کبھی مجھے اس طرح کی کوئی چیز شایع کرنے پر آمادہ کیا جاتا، اور لکھنے والے کی طرف سے یہ عذر پیش کیا جاتا کہ اس نے تو ایک عام بات لکھی ہے، پریس اور اخبار کی آزادی ایسی ہے، جیسے ناٹک گھر کی نشستیں، جن پر ہر وہ شخص متمکن ہو سکتا ہے جو دام دے کر ٹکٹ لے لے۔ میں جواب یہ دیتا کہ یہ تحریر اگر مرضی ہو تو میں الگ سے چھاپے دیتا ہوں، اور لکھنے والا جتنی کاپیاں درکار ہوں، تقسیم کے لیے حاصل کرلے، لیکن اس کے ان خیالات کی تبلیغ میں کوئی حصہ میں نہیں لینا چاہتا، اور چونکہ میرا اپنے خریداروں سے وعدہ ہے کہ ان کی خدمت میں وہی چیزیں پیش کروں گا جو نافع ہوں، یا دلچسپ، لہذا اخبار میں کوئی ذاتی چیز شائع نہیں کر سکتا، جس کا ان کی دلچسپی سے تعلق نہ ہو ایسا کروں تو یہ ان کے ساتھ صریحی بے انصافی ہوگی، ویسے ہمارے بہت سے تابع اور صحافی اس میں کوئی مضائقہ

نہیں سمجھتے کہ بہترین کردار کے لوگوں کے دامن پر غلط قسم کے ذاتی حملے کرکے داغ دھبے لگانے کی کوشش کریں، جس کا نتیجہ خواہ کتنا ہی خراب اور خطرناک کیوں نہ نکلے، ان کی بے احتیاطی اور زر پسندی کا یہ عالم ہے کہ پڑوسی حکومتوں کے خلاف بھی اوّل فول شائع کرنے میں کچھ حرج نہیں سمجھتے، اور ان میں ایسی ریاستیں بھی ہیں جنھیں ہم اپنا بہترین اتحادی قرار دیتے ہیں اور ان کا ذکر بہر حال شائستہ اور شستہ انداز میں آنا چاہیئے ان چیزوں کا ذکر میں نے نئے اصحافیوں کے لیے بطور انتباہ کیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ وہ اپنے اخبار اور اپنے پیشے کو اس طرح کی رسواکن حرکتوں سے نہ صرف بچائے رکھیں، بلکہ جرأت کے ساتھ نامناسب تحریروں کی اشاعت سے انکار کر دیں، جیساکہ انھیں میری مثال سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ ایسا طرز عمل بحیثیت مجموعی ان کے مفاد کے لیے قطعاً ضرر رساں نہیں ہے۔

۱۷۳۲ء میں اپنے ایک مستری کو میں نے چارلسٹن Charleston بھیجا۔ جو جنوبی کیرولینا میں واقع ہے، یہاں ایک پرنٹر کی ضرورت تھی، میں نے اس کے ساتھ ایک پریس اور ضروری ٹائپ کر دیا۔ اور پارٹنر شپ کا معاہدہ کر لیا، جس کی رو سے نفع کا ایک تہائی مجھے ملنا چاہیئے تھا۔ مصارف کا ایک تہائی حصہ بھی میرے ذمے تھا، یہ شخص پڑھا لکھا اور دیانت دار تھا، لیکن حساب کتاب کے فن سے بے پرواہ تھا، اور گو اس نے کبھی کبھی میری رقم مجھے بھیجی، لیکن فرد حساب کبھی نہیں بھیجی، نہ ہماری شرکت کا آمد و خرچ بھیجا، جب تک وہ زندہ رہا، یہی صورت رہی اس کے انتقال کے بعد اس کی بیوہ نے یہ کام جاری رکھا، وہ ہالینڈ میں پیدا ہوئی

تھی، اور وہیں پرورش پائی تھی، جہاں میرے علم کے مطابق تعلیم نسواں میں حساب کتاب کا علم بھی شامل ہے، اس نے نہ صرف نہایت باقاعدگی اور باضابطگی سے پارٹنرشپ کا حساب بھیجنا شروع کیا، بلکہ اسی پابندی سے رقمیں بھی بھیجتی رہی، بلکہ گذشتہ حساب بھی کیا، اس نے کاروبار کو اس خوبی سے سنبھالا کہ اس نے نہ صرف چھوٹے اور کم عمر بچوں کے اس خاندان کو عزت اور وقار کے ساتھ پالا، بلکہ مدت شرکت ختم ہونے کے بعد اس قابل ہوگئی کہ اسنے وہ پرنٹنگ ہاؤس مجھ سے خرید لیا۔ اور اپنے لڑکے کو اس کا انتظام سونپ دیا۔

اس واقعہ کا ذکر خاص طور پر میں نے اس لئے کیا ہے کہ ہمارے ہاں تعلیم نسواں کا شعبہ، نوخیز اور نوجوان لڑکیوں کی بہت زیادہ مدد کرسکتا ہے، اگر اس طرف بھی توجہ کرے اس صورت میں بیوہ ہونے کے بعد ان عورتوں کو اس قابل بنا سکتا ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہوسکیں، اپنا گھر سنبھال سکیں، اپنے کاروبار کو دوسرے قریبیوں اور موقع پرستوں کے ہاتھوں ضائع نہ ہونے دیں، یہاں تک کہ ان کا کوئی لڑکا نوجوان اور باشعور ہوجائے، اور کام سنبھالنے کی اہلیت پیدا کرلے، اس طرح مشقت کا یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا، اور خاندان کے سرمایے میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

غالباً ۱۷۳۴ء میں ہمارے ہاں آئرلینڈ کے ایک پرسبیٹیرین مبلغ کا ورود ہوا اس کا نام ہمفل (Hemphil) تھا، اس کی آواز میں بلا کا اثر تھا، برجستہ خطبہ دیتا تھا اور بڑے زوردار انداز میں اپنا پیغام پیش کرتا تھا، بہت جلد مخ[illegible]ت فکر و نظر کے

لوگ بڑی تعداد میں اس کے مداح اور ثنا خواں بن گئے، دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی اس کے مستقل سامعین میں تھا، اس کا وعظ مجھے متاثر کرتا تھا، اس لیے کہ مناظرانہ طرز بیان گو وہ اختیار نہیں کرتا تھا، لیکن ان صفات پر عمل کی پرزور تبلیغ کرتا تھا، جنھیں مذہبی زبان میں صفات حسنہ کہا جا سکتا ہے، ہمارے ہاں جو لوگ قدامت پرست اور تند مذہبی خیالات رکھتے تھے، انھوں نے ہمفل کے افکار و نظریات پر ناک بھوں چڑھاتی، ان میں سے اکثر اس کے حریف ایک پرانے پادری کے آستانے پر رجوع ہونے لگے، اور وہاں اس کی زباں بندی کی ترکیبیں سوچی جانے اور اسکیمیں بننے لگیں، میں ہمفل کے قدردانوں اور مداحوں میں تھا، میں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اس کی حمایت میں ایک پارٹی بنانے کی کوشش کی، ہم اس کے لیے فضا ہموار کرنے کی جد و جہد کرتے رہے، ہمیں یقین تھا کہ ہمیں کسی نہ کسی حد تک ضرور کامیابی ہوگی، اس موقع پر حامیوں اور مخالفوں میں اچھی خاصی چپقلش شروع ہو گئی، اور مضامین و مقالات کا سلسلہ شروع ہو گیا ہمفل اگرچہ بہت اچھا خطیب تھا، لیکن اتنا ہی ناکام انشا پرداز، میں نے اپنا قلم اسے مستعار دے دیا، یعنی اس کے نام سے کئی پمفلٹ لکھ ڈالے، جیسا کہ اختلافی تحریروں کا حال ہوتا ہے، وقتی طور پر یہ بڑی دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں، لیکن کچھ ہی عرصے بعد ذہن و دماغ سے ان کے نقوش مٹ جاتے ہیں، یہی حال میری تحریروں کا بھی ہوا، جو چھپتے وقت بڑے اشتیاق اور جوش سے پڑھی گئی تھیں، ان کا ایک حصہ اپریل ۱۷۳۷ء کے گزٹ میں بھی شایع ہوا تھا، لیکن اب میں پوچھتا ہوں کہ ان تحریروں میں کسی ایک کی بھی کوئی کاپی موجود ہے؟

اس جنگ و جدل کے زمانے میں بد قسمتی سے ایک واقعہ ایسا پیش آیا، جس نے ہمفل کے مقصد کو بڑا نقصان پہنچایا، ہمارے حریفوں میں سے ایک شخص نے اس کا وعظ سنا اس وعظ کو خاص طور پر بہت پسند کیا گیا تھا، اسے خیال گزرا۔ اس سے پہلے بھی اس وعظ کو وہ کہیں پڑھ چکا تھا، مزید کدوکاوش کے بعد اسے پتا چلا کہ اس وعظ کا بڑا حصّہ برٹش ریویوز میں شایع ہو چکا ہے، جو ڈاکٹر فوسٹر کے ایک خطبے کا خلاصہ تھا، اس انکشاف نے ہماری پارٹی کے بہت سے لوگوں کو بد دل کر دیا، اور اس سے ترک تعلق کر لیا، اور کلیسائی مذہبی مجلس میں ہمیں اس سلسلے میں شکست فاش ہو گئی، میں پھر بھی ہمفل کا ساتھ دیتا رہا، کیونکہ اس نے ہمارے سامنے دوسرے کا لکھا ہوا بہرحال بہترین وعظ پیش کیا تھا، لیکن ایسا تو نہیں کیا تھا کہ اپنا لکھا ہوا بدترین وعظ ہمیں سنانے بیٹھ جاتا، جیسا کہ ہمارے پیشواؤں کا عام دستور ہے۔ بعد میں ہمفل نے مجھ سے اقرار کیا کہ جتنے وعظ بھی ہمیں اس نے سنائے، ان میں سے ایک بھی اس کا نہیں تھا، اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کا حافظہ ایسا ہے کہ ایک مرتبہ اگر کسی وعظ کو پڑھ لے تو وہ اسے ازبر ہو جاتا ہے، ہماری شکست فاش کے بعد ہمیں چھوڑ کر وہ کسی اور جگہ قسمت آزمائی کے لیے چلا گیا، اس کے بعد پھر میں نے مذہبی اجتماعات میں شرکت ترک کر دی، اگرچہ سالہا سال تک پادری صاحب کو جو رقم پیش کیا کرتا تھا وہ دیتا رہا۔

۲۲-۱۷۲۳ء میں میں نے مختلف زبانیں سیکھنے کی کوشش کی، فرینچ میں بہت جلد میں نے اتنی دستگاہ حاصل کر لی کہ بہ آسانی کتابیں پڑھنے لگا، اس کے بعد اطالوی کی باری آئی، ایک شناسا جو خود بھی یہ زبان سیکھ رہا تھا، مجھے ترغیب

دے کر اپنے ساتھ شطرنج کھلانے لگا، یہ محسوس کر کے کہ اس میں اتنا وقت صرف ہو جاتا ہے کہ مطالعے کے لیے وقت نکالنا مشکل ہو جاتا ہے، میں نے آخر تنگ آکر کہا اب میں اس وقت تمہارے ساتھ کھیل سکتا ہوں کہ تم میری ایک شرط مان لو، وہ یہ ہے کہ جیتنے والا ہر کھیل پر یہ حق رکھے گا کہ وہ ایک کام سپرد کرے، یا تو گرامر کا ایک حصہ زبانی یاد کرا دے یا ترجمے کی مشق کرائے، ہارنے والے کو یہ کام کرنا پڑے گا، اس کے بعد ہی دوسرا کھیل کھیلا جائے گا، چونکہ ہم دونوں شطرنج کھیلنا اچھی طرح جانتے تھے، اس طرح ہم ایک دوسرے کو زبان سیکھنے کے معاملے میں آگے بڑھ کر شکست دیتے رہتے تھے، اس کے بعد میں نے اسپینی زبان پر توجہ کی کہ کم از کم اتنی آجائے کہ کتابیں پڑھ لیا کروں۔

میں کہیں بیان کر چکا ہوں کہ میں نے لاطینی گرامر اسکول میں صرف ایک سال تک تعلیم حاصل کی تھی، اس کے بعد یہ زبان بالکل بھول گیا، لیکن جب میں نے فرنچ، اطالوی اور اسپینی زبانوں کو سیکھ لیا، ایک روز یہ دیکھ کر متحیر رہ گیا، جب کہ لاطینی کی ایک انجیل پر میری نظر پڑی کہ میں تو اس زبان کو اچھی طرح، اپنے خیال سے کہیں زیادہ بہتر طور پر سمجھ لیتا ہوں، اس حوصلہ افزائی سے متاثر ہو کر میں پھر لاطینی کی طرف متوجہ ہوا، اور مجھے خاصی کامیابی ہوئی، کیونکہ دوسری زبانوں کے حصول نے یہ منزل میرے لیے آسان کر دی تھی،

ان واقعات سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ زبانیں سکھانے کے معاملے میں ہم ایک

عام تضاد کا شکار رہیں، ہمیں بتایا جاتا ہے کہ سب سے پہلے ہمیں لاطینی سیکھنی چاہیئے، یہ جب آجائے تو ان زبانوں کا سیکھنا بہت آسان ہو جائے گا، جو اسی سے نکلی ہیں، لیکن تاہم یونانی زبان سے ہم آغاز نہیں کرتے، جو لاطینی کا حصول بہت آسان بنا دیتی ہے، یہ سچ ہے کہ اگر تم کٹھنائی جھیل کر کسی طرح زینے طے کیے بغیر آخر تک پہنچ جاؤ تو تمہارے لیے نیچے اترتے وقت ان کا استعمال کرنا بہت آسان ہو جائے گا، لیکن یقیناً جب تم آخری سیڑھی سے شروع کرو گے تو بڑی آسانی سے اوپر پہنچ جاؤ گے، لہٰذا میں اس امر پر غور کرنے کی دعوت ان حضرات کو دیتا ہوں، جو ہمارے نوجوانوں کی تعلیم کے ذمہ دار ہیں، کہ خواہ ان میں سے کتنے ہی زیادہ اصحاب جو لاطینی سے آغاز کرتے ہیں، بغیر کسی نمایاں کامیابی کے چند سال صرف کرنے کے بعد اس کی عدم افادیت محسوس کرنے لگتے ہیں اور جو کچھ انھوں نے حاصل کیا ہوتا ہے، وہ بیکار ثابت ہوتا ہے، اس طرح ان کا اب تک کا وقت ضایع ہو جاتا ہے، اطالوی زبان سیکھنے کے لیے فرنچ سے آغاز کرنا کوئی بہتر صورت نہیں ہے کیونکہ گو اتنی مدت صرف کرنے کے بعد وہ مطالعہ السنہ ترک کر دیتے ہیں، پھر لاطینی کی نوبت نہیں آتی، وہ کوئی ایک یا دو زبانیں سیکھ کر جو جدید ضروریات کو کفایت کرتی ہوں، اپنے لیے زیادہ مفید اور بہتر تصور کرتے ہیں،

بوسٹن سے دس سال غیر حاضر رہنے کے بعد اور اپنے حالات سدھار لینے کے بعد، اپنے عزیزوں سے ملنے کی آرزو لے کر میں سفر پر روانہ ہوا، واپسی میں، نیو پورٹ اترا تھا کہ اپنے بھائی سے بھی مل لوں، جہاں وہ مستقل بود و باش اختیار کر چکے

تھے، اور اپنا پرنٹنگ پریس چلا رہے تھے، ہمارے ساتھ اختلافات ختم ہو چکے تھے اور ہماری ملاقات محبّت و پیار کے ماحول میں ہو گئی، ان کی صحت گرتی جا رہی تھی، انھوں نے مجھ سے استدعا کی کہ ان کی وفات کی صورت میں جو ان کے نزدیک کچھ زیادہ دور نہیں تھی، میں ان کے بیٹے کو گھر لے جاؤں جس کی عمر دس سال کی تھی اور اسے تربیت دے کر پریس کے کام پر لگا دوں، میں نے ان کی یہ بات پوری کر دی، چند سال اسے اسکول میں زیر تعلیم رکھا، پھر اسے کام پر لگا دیا، جب تک وہ بڑا نہیں ہو گیا، اس کی ماں کام چلاتی رہی، جب وہ کام پر لگ گیا تو اس کے باپ کے زمانے کے گھسے پٹے ٹائپ کی جگہ میں نے نیا ٹائپ دے کر اس کی مدد کی، اس طرح بھائی کی خدمت کا ایک موقعہ میں نے حاصل کر لیا، جنھیں اپنی خدمت سے محروم کر کے بچپن میں انھیں چھوڑ گیا تھا۔

۱۷۳۶ء میں میرا ایک بیٹا وفات پا گیا، چار سال کا پیارا سا بچہ، چیچک اس کی جان لے کر ٹلی، بہت مدت تک دکھ اور صدمے کے ساتھ اس بات پر میں کڑھتا رہا، اور اب بھی کڑھتا ہوں، کہ اسے انجکشن نہ دے سکا، اس واقعہ کا ذکر میں نے ان والدین کے لیے کیا جو اس کی پرواہ نہیں کرتے اور یہ سوچ کر اس سے گریز کرتے ہیں کہ اگر اس طرح بچہ مر گیا تو اس کی موت کی ذمے داری ان کے اوپر ہوگی، اور پھر وہ اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکیں گے، میں اپنی مثال سے یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ تاسف کا امکان دونوں طرف ہے، لہذا پہلو وہ لینا چاہیئے، جو نسبتاً محفوظ ہو

ہمارا کلب "جنتو"، بڑی کامیابی سے چل رہا تھا۔ اور بہت مفید ثابت ہو رہا تھا، اور ممبران اس سے اتنے خوش اور مطمئن تھے کہ کئی اس بات کے آرزومند تھے کہ اپنے دوستوں کو بھی یہاں متعارف کرادیں، یہ اس وقت تک ممکن نہیں تھا جب تک ہم اپنے ممبروں کی تعداد میں اضافہ نہ منظور کرلیں، یہ تعداد ۱۲ تک محدود تھی۔ شروع ہی میں ہم نے یہ اصول بنالیا تھا کہ اپنے اس ادارے کو عام نہیں ہونے دیں گے، اس پر برابر عمل درآمد چلا آرہا تھا، مقصد یہ تھا کہ نامرغوب لوگ یہاں بار نہ پالیں، ان میں کئی ایسے تھے، جن سے انکار کرنا بڑا مشکل تھا، میں ان لوگوں میں تھا جو ممبروں کی تعداد بڑھانے کے مخالف تھے، اس کی متبادل تجویز میں نے یہ پیش کی کہ ہر ممبر جداگانہ طور پر ایک ماتحت کلب اسی طرح کا اپنے فوائد کے ساتھ قائم کرلے، لیکن "جنتو"، سے اپنا تعلق کسی پر ظاہر نہ کرے، اس سے جو فوائد مدنظر تھے وہ یہ تھے کہ اور بھی بہت سے نوجوان ہمارے کلب کی افادیت سے بہرہ ور ہو سکیں گے، ہم زیادہ بہتر طور پر لوگوں کے جذبات کے تاثرات سے واقف ہو سکیں گے، کیونکہ جنتو ممبر کے لیے ضروری تھا کہ وہی تجویز کرے، کہ کون سے سوالات اٹھائے جائیں اور پھر جنتو کو رپورٹ دے کہ اس نے جداگانہ کلب میں کیا منظور ہوا؟ یہ اضافی کلب یہ فائدہ بھی پہنچا سکتے تھے، کہ کاروبار میں ہمارے مخصوص مفادات کو وسیع پیمانے پر سہولتیں بہم پہنچائی جائیں، اور عوامی معاملات پر ہمارا اثر درسوخ بڑھے، اور صفات حسنہ سے زیادہ لوگوں کو متصف کرنے میں یہ اضافی کلب قائم کرکے ہم جنتو کا ایک اہم مقصد پورا کرسکتے تھے۔

اس نئے ممبر کی مخالفت میں پسند نہیں کرتا تھا، یہ ایک شریف اور خوش قسمت شخص تھا، تعلیم یافتہ بھی، اس میں صلاحیت تھی کہ ترقی کرے، اور ہاؤس کی سرکردہ شخصیتوں میں شمار ہونے لگے، اور بعد میں ایسا ہی ہوا بھی، مجھے یہ بات بھی پسند نہ تھی کہ اس شخص کا لطف وکرم خوشامد اور چاپلوسی سے حاصل کروں، لیکن میں نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا، مجھے معلوم ہوا کہ اس کی لائبریری میں ایک نادر و نایاب کتاب کا نسخہ ہے، میں نے اسے خط لکھا کہ اگر کچھ عرصے کے لیے از راہ کرم وہ کتاب مجھے مطالعہ کے لیے مستعار مل جائے تو میں بے حد ممنون ہوگا، اس نے وہ کتاب فوراً مجھے بھیج دی، میں نے شکریے کے ساتھ کوئی ایک ہفتے کے ساتھ اسے واپس کر دیا، اور شکر و سپاس کا بھی ایک خط لکھا، دوبارہ جب ہاؤس میں ملا، تو اس نے پہلی مرتبہ مجھ سے گفتگو کی اور وہ بھی از حد اخلاق اور شائستگی کے ساتھ اس کے بعد وہ ہمیشہ میرے کسی بھی کام آنے کے لئے مستعدی کے ساتھ تیار رہا، نتیجہ یہ نکلا کہ ہم دوست بن گئے، اور ہماری دوستی اس کی وفات تک قائم رہی۔ یہ واقعہ ایک حکیمانہ قول کی صداقت کا ایک اور ثبوت تھا۔

"جس نے تم پر ایک مرتبہ مہربانی کی ہے وہ تمہارے زیر بار احسان کے مقابلے میں زیادہ آمادگی کے ساتھ دوبارہ تم سے حسن سلوک کا برتاؤ کرے گا"۔

اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دانش اور حکمت کا تقاضا یہ ہے، کہ دوسرے کے مخاصمانہ جذبات کو برہمی، جواب الجواب اور معاندانہ کارروائیوں

یہ تجویز منظور کرلی گئی اور ہر ممبر نے یہ ذمہ داری لی کہ وہ اپنی سیادت میں ایک کلب قائم کرے گا، لیکن اس میں سب کو کامیابی نہیں ہوتی، صرف پانچ یا چھ آدمی کلب قائم کر سکے، جن کے نام بھی جدا تھے، مثلاً، ،، دی یونین ،، وغیرہ۔ یہ کلب بجائے خود مفید ثابت ہوئے، اور ان سے ہمیں تفریح، معلومات اور ہدایات کے مواقع ملے علاوہ ازیں مخصوص مواقع پر، اپنے افکار نظریات سے عوام کو بڑی حد تک متاثر کرنے کا موقعہ ملا، اس کی چند مثالوں کا آگے چل کر جیسے جیسے وہ پیش آتی گئیں، تذکرہ کروں گا۔

میری ترقی کا پہلا زینہ یہ تھا، کہ ۱۷۳۶ء میں جنرل اسمبلی کا مجھے کلرک منتخب کیا گیا، یہ انتخاب بلا مقابلہ ہوا، لیکن دوسرے سال جب پھر میں اس جگہ کے لئے کھڑا ہوا (ممبران اسمبلی کی طرح یہ انتخاب بھی ہر سال ہوا کرتا تھا،) ایک نئے ممبر نے بڑی لمبی چوڑی تقریر میرے خلاف کرڈالی، تاکہ دوسرے امیدوار کے لیے تائید حاصل کرسکے، لیکن بہر حال میں انتخاب میں کامیاب ہوا، یہ جگہ میرے لیے بہت پسندیدہ تھی، اس لئے نہ صرف یہ کہ مجھے اپنی کارگزاری کے صلے میں تنخواہ ملتی تھی، بلکہ اس منصب نے مجھے یہ موقع بھی فراہم کیا کہ ممبران اسمبلی سے ربط ضبط قائم رکھ سکوں، جس سے بہت بڑا فائدہ یہ تھا کہ ووٹس، قوانین، کاغذی سکہ، اور دوسرے متفرق کام مجھے چھاپنے کے لیے مل جاتے تھے، جو مجموعی حیثیت سے میرے لیے بے حد نفع بخش تھے۔

کے بجائے معقولیت سے دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

۱۷۳۷ء میں کرنل اسپاٹس ووڈ Spots wood سابق گورنر ورجینیا نے جو اس وقت پوسٹ ماسٹر جنرل تھے، وہ اپنے نائب متعینہ فلاڈلفیا سے غیر مطمئن تھے اس لیے کہ حساب کتاب کے معاملے میں اس کا طرز عمل قابل اعتراض تھا، انھوں نے اپنے نائب کو برطرف کر دیا، اور یہ منصب مجھے پیش کیا، میں نے بخوشی یہ پیش کش منظور کرلی، اور اسے بہت زیادہ سودمند پایا، کیونکہ اگرچہ تنخواہ کچھ زیادہ نہیں تھی، اس کی وجہ سے میرے اخبار کو ترقی کے اچھے مواقع ملے، تعداد اشاعت میں اضافہ ہوگیا، اور اشتہارات بھی ملنے لگے، اور اس سے مجھے اچھی خاصی آمدنی ہونے لگی، اسی تناسب سے میرا حریف اخبار روبہ زوال ہوتا چلا گیا، یہی وہ شخص تھا، جس نے اپنی پوسٹ ماسٹری کے زمانے میں میرے اخبار کو ترسیل سے سوار ڈاکیوں کے ذریعہ انکار کر دیا تھا، میں نے اس سے کوئی انتقام نہیں لیا، لیکن مجھے بدلہ مل گیا۔ اس طرح اس نے بہت زیادہ نقصان حساب کتاب کی خرابی کے باعث اٹھایا۔ اس واقعہ کا ذکر میں اس لیے کررہا ہوں کہ ہمارے نوجوان اس سے سبق لیں، اور دوسروں کے ہاں ملازمت کے دوران میں اس طرح کی کوتاہیوں سے بچیں، انھیں حساب کتاب ہمیشہ صاف رکھنا چاہیئے، آمد و خرچ میں بھی کوئی کانٹ چھانٹ نہ ہو اس چیز کو پیش نظر رکھ کر کام کرنا بڑی سفارشوں سے زیادہ موثر ہوتا ہے، اور فروغ و کامرانی کا سبب بن جاتا ہے۔

اب میں نے اپنے خیالات عوامی معاملات کی طرف موڑ لئے، آغاز چھوٹے پیمانے پر کیا، رات کو شہری نگرانی کا کام پہلی چیز تھا، جس کی بے اصولی پر میں نے توجہ کی، قاعدہ یہ تھا کہ ہر وارڈ کے لوگوں کو باری باری یہ کام تفویض کیا جاتا تھا کانسٹیبل نے متعدد مالکان مکانات کو مطلع کیا کہ شب گشت میں اس کے ساتھ شریک ہوں، جو لوگ اس زحمت سے بچنا چاہتے تھے، وہ سالانہ چھ شلنگ دے کر اپنی جان چھڑا لیتے تھے، کہ کوئی دوسرا آدمی تلاش کر لیا جائے، لیکن حقیقتاً یہ رقم ضرورت سے زیادہ تھی، اور اس نے کانسٹیبلی کو ایک نفع بخش چیز بنا دیا۔ اور کانسٹیبل تھوڑی سی شراب پر کسی میلے کچیلے غریب کو اپنے ساتھ لگا لیتا تھا، جس سے معزز صاحبان خانہ مخلوط ہونا پسند نہیں کرتے تھے، اور شب گشت سے اس کی وجہ سے گریز بھی کیا جانے لگا، اور رات کا بڑا حصہ شراب کی نذر ہو جاتا تھا، میں نے "جنٹو" میں پڑھنے کے لیے اس موضوع پر ایک مقالہ لکھا، جس سے میں ان بے قاعدگیوں کو زیر بحث لایا، اور سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا کہ یہ جو چھ شلنگ کا تاوان عدم شب گشت کے باعث وصول کیا جاتا ہے، خاص طور پر غیر مساویانہ ہے، کیونکہ ایک غریب بیوہ عورت جس کے سارے مال و جائداد کی حفاظت کانسٹیبل کرتا ہے، اس کی مجموعی قیمت پچاس پونڈ سے زیادہ نہیں، اس سے بھی وہی رقم وصول کی جاتی ہے جو لکھ پتی تاجروں اور دولت مندوں سے لی جاتی ہے۔

میں نے یہ تجویز کیا کہ نگرانی شب کا کام زیادہ موثر طور پر انجام دیا جائے جو لوگ کانسٹبل کے ساتھ اجرت دے کر شب گشت کے لیے حاصل کیے جاتے

ہیں، انھیں معقول ہونا چاہیئے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر شخص سے چھ شلنگ وصول کرنے کے بجائے املاک وجائداد کے تناسب سے رقم اتنی یا اس سے کم وصول کی جایا کرے، اس تجویز کو "جنتو" والوں نے سراہا، پھر دوسرے ذیلی کلب جو تحفے وہاں بھیجی گئی، اور گو یہ منصوبہ فوراً برسر عمل نہیں آیا، لیکن اس تجویز نے فضا کو ہموار کرنے میں بڑی مدد دی، اور چند سال کے بعد جا کر قانون پاس ہو سکا۔ جب ہمارے ممبر زیادہ اکثر در سوخ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، !

ٹھیک اسی زمانے میں ایک مقالہ میں نے لکھا، (یہ پہلا مقالہ تھا جو "جنتو" میں پڑھا جانے والا تھا اور بعد میں شائع بھی ہوا، اس مقالے میں ان مختلف حادثات اور بے پروائیوں کی طرف نشان دہی کی گئی تھی، جن کے باعث مکانات آتش زدگی کا شکار ہو جایا کرتے ہیں، اس مقالے میں کچھ احتیاطی تدابیر بھی بتائی گئی تھیں اور وہ وسائل بھی زیر بحث لائے گئے تھے، جو اس مصیبت سے بچا سکتے تھے اسے بہت پسند کیا گیا، اور لوگ اس کا چرچا کرنے لگے، اسی کے باعث ایک منصوبہ تیار ہوا، جس کے مطابق ایک کمپنی کا قیام عمل میں لایا گیا، جس کا کام یہ تھا کہ آتش زدگی کی خبر ملتے ہی بجھانے کے لیے آمادہ عمل ہو جائے، اور باہمی امداد کے ماتحت خطرے کے وقت مال محفوظ جگہ پر منتقل کر دیا جایا کرے، اس اسکیم کے شرکاء کی تعداد فی الحال تیس رکھی گئی، ہمارے شرائط معاہدہ کے مطابق ہر ممبر کو ہر وقت ایک معقول تعداد چرمی بالٹیوں اور مضبوط تھیلوں اور ٹوکریوں کی اچھی حالت میں اور استعمال کے لیے بالکل تیار رکھنی چاہیئے، (تاکہ سامان و اسباب

کو بآسانی پیک کر کے کہیں منتقل کر دیا جا سکے،) ان چیزوں کو آتش زدگی کے ہر موقعہ پر لیکر پہنچ جانا چاہیئے، ہم نے یہ بھی طے کر لیا تھا کہ ہر مہینے ہمارا ایک اجتماع ہوا کرے گا، اور وہ شام میل جول کے ساتھ بسر کیا کریں گے، موضوع بحث و گفتگو صرف یہ ہوگا کہ وہ نئے خیالات پیش کریں، جو آتش زدگی سے متعلق ہمارے دماغ میں آئے ہوں اور جن پر عمل کرنا ایسے مواقع پر سود مند ہو۔!

اس ادارے کی افادیت بہت جلد ظاہر اور نمایاں ہو گئی، اتنی زیادہ تعداد میں لوگوں نے شرکت کی خواہش ظاہر کی، جو ہمارے خیال میں ایک کمپنی کے لیے بہت زیادہ تھی، ان لوگوں کو مشورہ دیا گیا کہ ایک دوسری کمپنی قائم کر لیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ سلسلہ برابر جاری رہا، ایک کے بعد دوسری نئی کمپنی کا قیام عمل میں لایا جانے لگا، آخر یہ تعداد اتنی بڑھ گئی کہ اس میں ان لوگوں کی بڑی تعداد شریک ہو گئی جو صاحب املاک جائداد تھے، اور اب کہ میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں، اور اس کمپنی کو کم و بیش پچاس سال کی مدت گزر چکی ہے، جسے میں نے سب سے پہلے "یونین فائر کمپنی،، کے نام سے قائم کیا تھا، یہ کمپنی اب بھی موجود ہے، اور مفید کام کر رہی ہے، اگرچہ اس کے ابتدائی ممبران سب کے سب وفات پا چکے ہیں، بس ایک میں ابھی تک زندہ ہوں، یا ایک اور صاحب جو مجھ سے ایک سال بڑے ہیں ماہوار اجتماع میں غیر حاضری پر ہر ممبر کو بطور جرمانہ ایک چھوٹی سی رقم دینا پڑتی تھی، اس رقم سے فائر انجن سیڑھیاں، اور دوسری کارگر اور مفید چیزیں کمپنی کے لیے خریدی جاتی تھیں، میں پوچھا کرتا تھا، کیا دنیا میں آگ فرو کرنے کے لیے

کسی دوسرے شہر میں بھی اتنے عمدہ اور اچھے انتظامات ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ جب سے ہمارے ہاں یہ کمپنیاں قائم ہوئی تھیں، شہر کی کسی آتش زدگی کے موقع پر ایک یا زیادہ سے زیادہ دو مکانات سے زیادہ ضائع نہیں ہوئے، اور آگ کے شعلے آدھے مکان تک بھی پہنچنے نہیں پاتے تھے، کہ بجھا دیے جاتے تھے۔

۱۷۳۹ء میں آئرلینڈ سے ایک پادری مسٹر وہائٹ فیلڈ ہمارے شہر میں آئے جو ایک گشتی واعظ اور مبلغ کی حیثیت سے کافی شہرت حاصل کر چکے تھے، پہلے پہل انھیں ہمارے چند کلیساؤں میں وعظ کہنے کی اجازت دی گئی، لیکن کلیسا کے اسقف نے انھیں پسند نہیں کیا، اور انہیں کلیسا کے منبر پر وعظ کہنے کی ممانعت کر دی، وہ مجبور ہو کر میدانوں میں وعظ کہنے لگے، تمام فرقوں اور جماعتوں کے لوگ اس کثرت کے ساتھ ان کا وعظ سنتے تھے، کہ ایک انبوہ جمع ہو جاتا تھا، میرے لیے یہ بات تعجب خیز تھی کہ میں خود بھی ان لوگوں میں سے ایک تھا، جو موصوف کے کمال خطابت کو مانتا اور سامعین پر ان کے غیر معمولی اثر کا قائل تھا، لوگ ان کی تعریف کرتے نہیں تھکتے تھے، اور حد درجہ احترام کرتے تھے، حالانکہ وہ انھیں نوید سنایا کرتے تھے کہ تم لوگ آدھے جانور اور آدھے شیطان ہو، یہ بات دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی تھی، کہ ہمارے شہر کے لوگوں میں کیسی عظیم تبدیلی واقع ہو گئی تھی، یا تو مذہب سے بیگانہ اور بے پرواہ تھے، اور یا اب یہ معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے ساری دنیا نے مذہبی کا لبادہ اوڑھ لیا ہے، حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ شام کے وقت کسی بھی محلے سے گزرتے ہوئے ناممکن تھا، کہ ہر گلی کے مختلف مکانوں سے مذہبی گیت نہ سنائی دیتے ہوں

کھلے میدان میں جمع ہو کر وعظ سننا موسم کی شدت کے باعث لوگوں کیلئے تکلیف دہ تھا اس مقصد کیلئے کوئی عمارت حاصل کرنے کی تجویز زیر غور آئی، اور چندہ جمع کرنے کے لئے ایک کمیٹی بن گئی، لیکن بہت جلد اتنی زیادہ رقم جمع ہو گئی کہ زمین خرید کر اس پر عمارت بنانے کی تیاری شروع ہو گئی، یہ ایک ہال تھا، جو سَو فیٹ لمبا، اور ستّر فیٹ چوڑا تھا، تقریباً ویسٹ منسٹر ہال کے برابر، کام اتنی تیزی سے شروع ہوا، اور اس قدر جلد خوبی کے ساتھ اتمام تک پہنچ گیا جو بالکل خلاف توقع تھا، زمین اور عمارت ٹرسٹیوں کی ایک جماعت کی تحویل میں دے دی گئی، مقصد یہ قرار پایا کہ فلاڈلفیا میں کسی فرقے کا بھی کوئی شخص وعظ کہنا چاہے تو وہ اسے استعمال کر سکتا ہے، یہ عمارت کسی خاص فرقے کے لئے نہیں تھی، بلکہ لوگوں کے عام استعمال کیلئے تھی، حتیٰ کہ اگر قسطنطنیہ کا مفتی تبلیغ اسلام کے لئے اپنے کسی مبلغ کو بھیجتا تو اس ہال کا منبر وہ بھی اپنے خطبے کے لئے استعمال کر سکتا تھا۔

مسٹر وہائٹ فیلڈ جب رخصت ہوئے تو جملہ نو آبادیات میں وعظ کہتے ہوئے جارجیا پہنچے، اس صوبے کی نو آبادکاری کا کام کچھ عرصے پہلے شروع ہو چکا تھا، لیکن بجائے اس کے کہ یہ کام مضبوط، تنومند، اور محنتی لوگوں سے لیا جاتا، جو ایسے کاموں کے عادی ہوتے ہیں، یہ کام نکمے، مقروض، کمزور، دیوالیہ، خاندانوں کے لوگوں سے لیا جانے لگا، ان میں سے اکثر کام سے ناواقف، کچھ سست اور بے پرواہ، ایک معقول تعداد جیل سے رہا ہو کر آنے والوں کی جنہیں نہ زمین کھودنے کا فن آتا تھا، نہ ایک نئے شہر کو بسانے کا کام محنت اور شہ زوری کے ساتھ کر سکتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے کافی تعداد مر گئی، اور اپنے پیچھے بھوکے ننگے لاوارث بچے چھوڑ گئی، ان معصوموں کی خستہ حالی دیکھ کر مسٹر وہائٹ فیلڈ کا حساس دل تڑپ اٹھا، انہوں نے سوچا یہاں ایک یتیم خانہ بنانا چاہیئے، جہاں ان بچوں کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا جائے

اب وہ پھر شمال کی طرف واپس آئے، انہوں نے خیرات کی تبلیغ کی، اور بہت بڑی رقم جمع کرلی، ان کی خوش بیانی اور خطابت جادو کا کام کرتی تھی، سامعین اپنی جیبیں خالی کر دیتے تھے، ـــــ جس کی ایک مثال میں خود ہوں، !

یتیم خانے کی تجویز سے مجھے اختلاف نہیں تھا، لیکن چونکہ جارجیا میں مزدوروں اور عمارتی ساز و سامان کی حد درجہ کمی تھی، لہٰذا تجویز یہ کی گئی کہ یہ چیزیں فلاڈلفیا سے وہاں کثیر رقم خرچ کر کے بھیجی جائیں، میری تجویز یہ تھی کہ اس کے بجائے یتیم خانہ فلاڈلفیا میں کیوں نہ تعمیر کیا جائے، میرے اس مشورے کو مسٹر وہائٹ فیلڈ نے ماننے سے انکار کر دیا، اور اپنے پہلے منصوبے پر بضد رہے اپنی تجویز مسترد ہو جانے کے بعد میں نے چندہ دینے سے انکار کر دیا، اس واقعہ کی تھوڑی ہی مدت کے بعد میں موصوف کا وعظ سننے گیا، دوران وعظ میں، میں نے محسوس کیا کہ اب چندہ طلب کیا جانے والا ہے میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ میں تو کچھ دینے سے رہا، میری جیب میں مٹھی بھر تانبے کے سکے تھے، تین یا چار چاندی کے ڈالر تھے، اور پانچ سونے کے سکے تھے، لیکن تھوڑی ہی دیر میں میں نے فیصلہ کر لیا کہ تانبے کے سکے تو چندے میں دے ہی دوں، موصوف کے ایک اور خطیبانہ وار نے مجھے ایسا بے قرار کیا کہ میں نے چاندی کے سکے دینے کا بھی فیصلہ کر لیا، اور جب وعظ ختم ہوا تو میرے تاثر کا یہ عالم تھا کہ سونے کے سکے دینے کا فیصلہ بھی کر چکا تھا، چندہ وصول کرنے والا جب میرے سامنے آیا تو میں نے پوری جیب اس کی جھولی میں الٹ دی، اس وعظ میں ہمارے کلب کا ایک ممبر بھی تھا، وہ بھی جارجیا کے بجائے فلاڈلفیا میں یتیم خانہ بنانے میں میرا ہم نوا تھا، وہ موصوف کی سحر طرازی سے اتنا خائف تھا کہ جانتا تھا مزاحمت نہیں کر سکے گا لہٰذا جب گھر سے وعظ سننے چلا تو جیب خالی کر کے آیا لیکن وعظ ختم ہوتے ہوتے وہ اتنا متاثر ہوا کہ چندہ دینے کے جذبے پر قابو نہ رکھ سکا پاس کھڑے ہوئے پڑوسی سے قرض

لے کر اس نے چندہ ادا کیا، سارے لوگوں میں بس ایک ہی آدمی ایسا تھا جو اپنے ارادے میں اٹل رہا، اور واعظ کی جادو بیانی سے متاثر نہیں ہوا، اس کا جواب یہ تھا :

"کسی دوسرے وقت، دوست ہاپکنس میں تجھے جو مانگے گا دے ڈالونگا، لیکن اس وقت نہیں، کیونکہ تو اس وقت برسر حق نہیں ہے، !"

مسٹر وہائٹ فیلڈ کے بعض دشمنوں کا خیال تھا کہ وہ چندے کی یہ رقم اپنے ذاتی استعمال میں لائیں گے، لیکن میں کہ ان سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا، (ان کے مواعظ اور کتابچے میں ہی اپنے پریس میں چھاپا کرتا تھا،) ان کے خلوص پر کبھی شک و شبہ کی جرأت نہ کر سکا، اور اب تو نہایت قطعیت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں، کہ وہ اپنے تمام معاملات میں بحد درجہ دیانت دار آدمی تھے، اور ان کے بارے میں میری یہ شہادت اس لئے وزنی ہے کہ ہمارے مذہبی خیالات میں وحدت نہ تھی، بعض دفعہ وہ میرے لیے دعا کرتے تھے کہ میں ان کے فرقے سے وابستہ ہو جاؤں، لیکن ان کی یہ دعا کبھی قبول نہیں ہوئی، ہمارے مابین صرف دوستی کا رشتہ تھا، دونوں جانب سے حد درجہ مخلصانہ، اور جب تک وہ وفات نہ پا گئے برابر قائم رہا۔

حسب ذیل مثال سے وہ اقدار واضح ہوں گے، جو ہمارے پیش نظر تھے، انگلستان سے بوسٹن آتے ہوئے موصوف نے مجھے تحریر فرمایا کہ وہ بہت جلد فلاڈلفیا آ رہے ہیں، لیکن سمجھ میں نہیں آتا، قیام کہاں کریں، کیونکہ ان کے پرانے دوست اور میزبان مسٹر بینزٹ Benzet جرمن ٹاؤن منتقل کر دیے گئے ہیں میں نے جواب دیا، ،

"آپ میرا گھر جانتے ہیں، اگر غریب خانے پر ٹھہرنا گوارا فرمائیں، تو میں

بہ مسرت خیر مقدم کے لیے حاضر ہوں ۔ !،،

موصوف نے جواب دیا :

،،اگر یہ کریمانہ پیش کش یسوع مسیح کے لیے آپ نے کی ہے تو اس کا اجر ضرور ملے گا ۔ !،،

میں نے پھر جواب دیا ؛

،،براہ کرم مجھے غلط نہ سمجھئے ، میری دعوت یسوع مسیح کی وجہ سے نہیں ، آپ کی وجہ سے ہے ۔ !،،

ہمارے ایک مشترک شناسا جو کوسلی نے میرے اس جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ؛

،،پادریوں اور اسقفوں کا یہ معمول ہے کہ جب ان سے کوئی سلوک کیا جاتا ہے تو ممنونیت کا بار اپنے کندھوں سے اتار کر جنت معلیٰ پر رکھ دیتے ہیں ، لیکن تم نے اسے زمین کا زمین ہی پر رہنے دیا ۔ !،،

آخری بار مسٹر وہائٹ فیلڈ کو میں نے لندن میں دیکھا ، انھوں نے مجھ سے اپنے یتیم خانے کے بارے میں مشورہ لیا ، اور کہا کہ وہ اسے ایک کالج بنا دینا چاہتے ہیں ۔

مسٹر وہائٹ فیلڈ کی آواز صاف اور گونج دار تھی وہ اپنے الفاظ اور جملوں کو اس خوبی سے ادا کرتے تھے، کہ وہ کافی مسافت سے بڑی آسانی سے اور مکمل طور پر اور سنے جا سکتے تھے، خاص طور پر ان کے سامعین وعظ، خواہ ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو، ایک ایک حرف بہ آسانی سن لیتے تھے، ان کا وعظ سب گوش ہوش سے سنتے، اور بالکل خاموش رہتے تھے، ایک روز انھوں نے چوک کی ایک عمارت کے زینے کی آخری سیڑھی پر کھڑے ہو کر وعظ کہا، یہ عمارت مارکٹ اسٹریٹ کے عین وسط میں اور سیکنڈ اسٹریٹ کے مغرب کی جانب داہنے زاویے کو کاٹتی ہوئی واقع ہوئی تھی، دونوں گلیاں ان کے سامعین سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں، اور یہ خود ان سے کافی فاصلے پر تھے، میں مارکٹ اسٹریٹ میں بالکل آخری جگہ کھڑا تھا، میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا، کہ ان کی آواز کتنی صاف سننے میں آرہی تھی، پھر میں پیچھے ہٹتا ہوا گلی سے نکل کر، دریا کی طرف آگیا، یہاں بھی ان کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی، پھر میں سامنے کی اسٹریٹ پر آیا، یہاں کے لوگوں کے شور وغل کی وجہ سے بیشک آواز کے سننے میں ذرا دقت ہوگئی، میں نے ایک نیم دائرے کا تصور کرتے ہوئے جہاں سے میرا فاصلہ نصف قطر ہو، اور یہ سارا حصہ حاضرین سے بھرا ہوا ہو، ہر شخص کے لیے میں نے دو مربع فیٹ جگہ مقرر کی، تو میں نے حساب لگا کر معلوم کیا کہ موصوف کی آواز بڑی آسانی کے ساتھ تیس ہزار سے زیادہ آدمی سن سکتے ہیں، اب میں مطمئن ہوگیا کہ اخبار کا حساب ٹھیک ہے، کہ وہ بآسانی کھلے میدان میں ۲۵ ہزار سامعین تک اپنی آواز پہنچا سکتے ہیں، میں بعض تاریخی روایات پر شبہ کیا کرتا تھا کہ بعض جنرلوں کی آواز پوری فوج تک پہنچ جایا کرتی تھی۔ وہ اب دور ہوگیا۔

مسٹر وہائٹ فیلڈ سے اکثر چونکہ سابقہ رہا تھا، اس لیے کہ وہ اکثر گشت پر رہتے تھے، اور آتے جاتے رہتے تھے، میں بآسانی یہ امتیاز کرنے لگا تھا کہ یہ وعظ نیا مرتب کیا ہے، یا سابقہ مواعظ میں سے ہے، ان کا انداز تلفظ بار بار کی تکرار و اعادے سے اتنا منجھ گیا تھا کہ ہر جملہ، ہر نقطہ، کسی خاص لفظ پر زور دینے کا طور، اور آواز کا اتار چڑھاؤ اتنا برمحل اور باموقع ہوتا تھا، کہ موضوع سے دلچسپی رکھتے ہوئے بغیر آدمی موصوف کی لذت تقریر سے لطف اندوز ہونے پر مجبور تھا، بالکل اسی طرح جیسے آدمی موسیقی کی مدھر تان سن کر بے خود ہو جاتا ہے، مشاق واعظوں کو یہ ایسی خصوصیت حاصل ہے، جو کبھی کبھار کے واعظوں کو نہیں حاصل ہوتی، کیونکہ انھیں مشق و تمرین کے اتنے مواقع نہیں حاصل ہوتے۔

وقتاً فوقتاً موصوف کی تحریریں دشمن کو مخالفت کے اظہار کا اچھا خاصا موقع فراہم کر دیا کرتی تھیں، غیر محتاط انداز بیان غلطیہائے مضامین پر مبنی اظہار رائے ہوا عظ اور تقاریر سے مخالف فائدہ اٹھاتے تھے، اور پھر پادری صاحب کو بعد میں اپنے ارشادات کی شرح کرنا پڑتی تھی، کہ میرا مطلب یہ نہیں، یہ تھا۔ یا سرے سے تردید کرتے یا دوسروں کو غلط فہمی کا مرتکب قرار دیتے، لیکن یہ مشتے بعد از جنگ یاد آید والا معاملہ تھا، نقاد اور نکتہ چین بڑی بے دردی سے ان کی تحریروں پر لے دے کرتے تھے، اور ان کے دلائل اتنے مضبوط ہوتے تھے، کہ اس کا اثر ان کے عقیدت مندوں اور ہم نواؤں کی کمی کی صورت میں ظاہر ہونے لگا تھا، چنانچہ میری رائے ہے کہ اگر موصوف نے قلم اُٹھانے کی زحمت کبھی نہ برداشت

کی ہوتی تو وہ اپنے پیچھے بہت بڑی جماعت معتقدوں اور ماننے والوں کی چھوڑ جاتے اور ان کی شہرت بلاشبہ وفات کے بعد بھی اب تک قائم رہتی، اس لئے کہ پھر کوئی تحریر ایسی ان کی موجود نہ ہوتی، جس کی بنا پر ان سے یہ بدگمانی کی جاتی، اور ان کے کردار کو پست قرار دیا جاتا، اور ان کے نئے اور پرانے معتقد ان کی باتوں کی تاویل میں آزاد ہوتے، اور انھیں خوب بڑھا چڑھا کر پیش کرتے، جیسا کہ ان کے پرجوش مداحوں اور معتقدوں کی تمنا تھی کہ وہ انھیں صفات کے حامل ہوتے،

میرا کاروبار خوب چمک رہا تھا، میرے حالات روز بہ روز سدھرتے جا رہے تھے، میرا اخبار خوب نفع دے رہا تھا، ایک وقت تو ایسا آیا کہ اپنے اور پڑوس کے صوبوں میں وہ واحد اخبار رہ گیا تھا، اسی سے اس قول کی حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی، ؛

"پہلے سو پونڈ وصول کرنے کے بعد دوسرے سو پونڈ کا وصول کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے، !"

واقعہ یہ ہے کہ روپیہ بجائے خود ایک نفع بخش اور ثمر آور چیز ہے۔

کارلینا میں میری پارٹنرشپ کامیابی کے ساتھ چل رہی تھی، اس حوصلہ افزائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں نے اپنے پرنٹنگ ہاؤس کے اچھے اور دیانت دار محنتی کارکنوں کو انھی شرائط پر جو کارولینا کے معاہدے کے مطابق تھیں، مختلف دوسری نو آبادیات میں پرنٹنگ ہاؤس قائم کرا دیے، ان میں سے اکثر توقع کے مطابق

رضا کاروں کی جماعت تھی، نہ کالج، چنانچہ ۲ ۴ ۷ ۱ ء میں ایک تجویز مرتب کی کہ ایک اکیڈمی قائم کی جائے، میرے خیال میں اس کام کو چلانے کی اہلیت ایک پادری مسٹر پیٹرسن میں زیادہ تھی، جو آج کل بیکار بھی تھے، میں نے یہ منصوبہ انھیں بھیجا، لیکن وہ زمینداروں کی ملازمت کو زیادہ نفع بخش تصور کرتے تھے، لہذا اس خدمت سے انھوں نے انکار کر دیا، اور کوئی ایسا نام بھی تجویز نہیں کر سکے، جسے فی الحال یہ کام میں سونپ دیتا، لیکن ۴ ۴ ۷ ۱ ء میں اس سے زیادہ اچھی چیز قائم کرنے میں مجھے کامیابی ہوئی، یعنی مجلس فلسفہ،، اس مقصد کی وضاحت کے لیے میں نے جو مقالہ لکھا تھا، وہ میرے مجموعہ مقالات میں اگر کبھی وہ مرتب ہوا مل سکے گا،

جہاں تک دفاع کا تعلق ہے، اسپین کئی سال تک برطانیہ سے برسر جنگ رہا تھا، اور آخر کار وہ فرانس کا اتحادی بن گیا، یہ صورت احوال ہمارے لیے بے حد خطرناک تھی، ہمارے گورنر تھامس نے ایک عرصہ دراز سے زحمت اٹھا کر ہماری مجلس خائفی سے ایک فوجی قانون پاس کرانے کی سعی کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا، کہ صوبے کی حفاظت اور دفاع کے ضوابط اور طریق کار کا فیصلہ کر لیا جائے، لیکن یہ کوششیں فضول ثابت ہوئیں، میں نے کوشش کی، رضا کارانہ طور پر یہ کام لوگ خود انجام دیں، اس مقصد کے لیے میں نے ایک پمفلٹ لکھا، اور شائع کر دیا، جس کا عنوان تھا، ،، کھلی سچائی ،، اس میں ہماری غیر دفاعی نازک پوزیشن پر روشنی ڈالی گئی تھی، اتحاد اور تنظیم پر زور دیا گیا تھا، اور چند روز میں ایک انجمن کی تشکیل کا اعلان تھا، جو اسی مقصد کے لیے عالم وجود میں لائی جانے والی

ثابت ہوئے، چھ سال کی مدت میں جب ہمارا معاہدہ ختم ہوا، یہ اس قابل ہو گئے کہ پرنٹنگ ہاؤس اور ٹائپ مجھ سے خرید لیں، اور خود مالک بن کر کام کریں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی کارکنوں کو پھلنے پھولنے اور ابھرنے کا موقع مل گیا، پارٹنر شپ کا خاتمہ اکثر جھگڑے پر ہوتا ہے، مگر میں اس بات میں خوش قسمت ثابت ہوا، میری تمام شرکتیں کامیابی کے ساتھ چلتی رہیں، اور باعزت طور پر ختم ہوئیں شائد اس کی وجہ یہ تھی کہ شرائط معاہدہ میں کوئی بات میں نے گول مول نہیں رکھی تھی ہر چیز جو پارٹنر کو کرنا تھی یا جس کی ہر پارٹنر سے توقع کی جا سکتی تھی، صفائی، اور وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی تھی، تاکہ غلط فہمی اور شکایت کا کسی کو موقع نہ ملے، یہی سفارش میں ان تمام لوگوں سے کرتا ہوں جو شرکت کے ساتھ کاروبار کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ پارٹنر شپ شروع کرتے وقت پارٹنر ایک دوسرے کا کتنا ہی لحاظ کرتے اور ایک دوسرے پر کتنا ہی اعتماد کرتے ہوں، معمولی سی رنجش یا رشک سے کاروبار کو چلانے میں عدم مساوات کا جذبہ ابھر آتا ہے، جس کا خاتمہ اس پر ہوتا ہے کہ اکثر دوستی، روابط، اور شرکت کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے، کبھی کبھی تو نوبت مقدمے بازی تک آجاتی ہے، اور دوسرے ناخوش گوار واقعات و حوادث سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

مجموعی حیثیت سے میرے پاس متعدد معقول وجوہ پنسلورینا میں اقامت اختیار کر لینے کے موجود تھے، لیکن دو باتیں ایسی ہیں، جن کا مجھے صدمہ ہے، یہاں دفاع کا کوئی انتظام نہیں تھا، نہ نوجوانوں کی مکمل تعلیم کا کوئی بندوبست تھا، نہ

تھی، پمفلٹ کا فوری، اور حیرت انگیز اثر ہوا، مجھ سے مطالبہ کیا گیا کہ مجوزہ انجمن کے قوائد وضوابط جلد تیار کر دوں، چند دوستوں کے تعاون سے میں نے مسودہ تیار کر لیا، پہلا جلسۂ عام اسی عمارت میں منعقد ہوا، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، سارا ہال حاضرین سے معمور تھا، میں نے دستور کی کچھ کاپیاں چھپوا لی تھیں، ان کے ساتھ قلم دوات بھی سب تک پہنچا دیا، میں نے اس موضوع پر ایک مختصر سا خطبہ دیا، پھر مقالہ پڑھا، اور چند ضروری تشریحات بھی پیش کیں اور پھر لوگوں سے دستخط کی درخواست کی، کوئی معمولی سا اعتراض بھی کسی نے نہیں کیا، سب نے بے چون و چرا اس پر دستخط کر دیئے،

جب جلسہ برخاست ہوا، اور کاغذات جمع کیے گئے تو ہمارے پاس بارہ سو دستخط جمع ہو چکے تھے، پھر کاپیاں ملک میں تقسیم کی گئیں، ممبروں کی تعداد بہت جلد دس ہزار سے متجاوز ہو گئی، ان سب نے جلد از جلد اپنے لیے اپنے صرف سے ضروری ہتھیار اور اسلحہ فراہم کر لیئے، اپنے آپ کو کمپنیوں اور رجمنٹوں میں منظم کر لیا، اپنے اپنے افسر بھی منتخب کر لیے، اور ہر ہفتے سپاہیانہ ورزش کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور فوجی تنظیم کے تمام اصولوں پر عمل درآمد شروع ہو گیا، عورتوں نے اپنے ذمے یہ کام لیا کہ کمپنیوں کے لئے ریشمی کپڑے کے متعدد فلیگ اور دوسری چیزیں تیار کیں۔

فلاڈلفیا رجمنٹ کی کمپنیوں کے افسروں نے ایک اجتماع میں مجھے اپنا

کرنل منتخب کیا، لیکن میں اس کا اہل نہیں تھا، چنانچہ معذرت کرلی، اور ایک اچھے شخص مسٹر لارنس کا نام پیش کیا، یہ ایک صاحب اثر شخص تھے، چنانچہ ان کا تقرر عمل میں آگیا، اس کے بعد میں نے لاٹری کی تجویز پیش کی، کہ اس طرح جو رقم فراہم ہو، اس سے ایک توپ خانہ قائم کیا جائے، یہ اور اس طرح کے دوسرے کام بہت جلد اور خوبی کے ساتھ انجام پاگئے، بوسٹن سے ہم نے چند پرانی توپیں خرید لیں۔ لیکن یہ کچھ زیادہ اچھی نہیں ثابت ہوئیں، آخر ہم نے انگلستان آرڈر بھیجا، اسی وقت میں نے زمینداروں سے بھی امداد کی درخواست کی، اگرچہ اس میں کچھ زیادہ کامیابی متوقع نہ تھی۔

اسی اثنا میں کرنل لارنس، ولیم ایلن، ابرام ٹیلر، اور میں نیویارک بھیجے گئے، ہمارے ذمے کام یہ سونپا گیا، گورنر کلنٹن سے چند توپیں خرید لائیں، انھوں نے پہلے پہل صاف جواب دے دیا، لیکن کھانے پر اپنے مشیر کے ساتھ جہاں بافراط شراب موجود تھی، جیسا کہ وہاں کا معمول تھا، رفتہ رفتہ وہ نرم پڑتے گئے، اور آخر اس پر تیار و آمادہ ہوگئے، کہ ہمیں چھ توپیں قرض دے دیں، پھر دس پر راضی ہوگئے آخرکار انھوں نے ازراہ کرم یہ تعداد اٹھارہ تک بڑھا دی، یہ بڑی اچھی توپیں تھیں، ہم نے انھیں منزل مقصود پر پہنچا دیا۔ اور یہ نصب بھی کردی گئیں۔ یہاں ہمارے رفیقوں نے جنگ کے اختتام تک رات کو پابندی اور چوکسی کے ساتھ پہرا دیا، باقی ماندہ لوگوں میں خود میں بھی تھا جو اپنے فرائض پابندی سے انجام دیتا رہا۔

اس سلسلے میں میری سرگرمیاں گورنر اور کونسل کو بہت پسند آئیں، انھوں نے مجھے اعتماد میں لے لیا، اور ہر مرحلے پر مجھ سے مشورہ لیا جانے لگا، مذہبی اعانت کے سلسلے میں یہ تجویز میں نے پیش کی کہ تجدید و اصلاح کو فروغ دینے کیلئے ایک دن کے روزے کا اعلان عام کر دیا جائے، اور خدا سے دعا کی جائے کہ وہ ہمیں کامیابی عطا فرمائے، یہ تجویز منظور کر لی گئی، لیکن یہ اپنی نوعیت کا پہلا روزہ تھا صوبے میں جس کا اعلان ہونے والا تھا، سکریٹری کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اعلان کے الفاظ کیا ہوں، نیو انگلینڈ کی میری تعلیم اس موقع پر کام آگئی، وہاں ہر سال ایک روزہ رکھا جاتا تھا، میں نے اعلان مانوس انداز میں لکھ دیا، اس کا جرمنی میں ترجمہ کرایا گیا، اور انگریزی و جرمنی میں اسے شائع کر دیا گیا، اور سارے صوبے میں تقسیم کر دیا گیا۔

میرے بعض دوستوں نے مجھ سے کہا کہ میری اس طرح کی سرگرمیاں خائفی فرقہ کو مشتعل کر دیں گی، اور صوبائی اسمبلی سے مجھے جو منفعت ہو رہی ہے، اس سے میں محروم ہو جاؤں گا، کیونکہ انھی لوگوں کی وہاں اکثریت ہے، ایک نوجوان شخص جس کے کچھ ممبران اسمبلی دوست تھے، اور میری جگہ وہ کلرک بننے کا ساعی تھا، اس نے مجھے بتایا کہ یہ طے کر لیا گیا ہے کہ نئے انتخاب کے موقع پر مجھے ہٹا دیا جائے گا، اس نے مجھے مشورہ دیا کہ اس ذلت سے بہتر ہے کہ خود ہی استعفا دو، کہ نکالے جانے سے خود نکل جانا زیادہ باعزت اور آبرومندانہ طرز کار ہے، میں نے جواب دیا، میں نے ایک زعیم کے بارے میں سنا یا پڑھا ہے،

کہ اس نے اپنا یہ اصول بنالیا تھا، کہ کبھی کسی منصب کے لیے کوشش نہیں کرتا تھا، اور اگر کوئی منصب پیش کیا جاتا تو انکار نہیں کرتا تھا، میں اس قاعدے کو پسند کرتا ہوں اور اس میں کچھ معمولی سا اضافہ بھی کرنا چاہتا ہوں،

"کسی منصب کی کبھی خواہش نہیں کروں گا، کسی منصب کے قبول کرنے سے انکار نہیں کروں گا، اور از خود کسی منصب سے استعفا نہیں دوں گا،"

اگر ممبران اسمبلی میرا منصب کسی اور کو بخش دینا چاہتے ہیں تو بے شک انھیں اختیار ہے کہ مجھے ہٹادیں، لیکن میرا جہاں تک تعلق ہے مستعفی ہو کر اپنے حق سے دستبردار ہو کر دوسرے کے لیے جگہ خالی کرنا پسند نہیں کرتا۔ بعد ازاں اس سلسلے میں پھر کچھ سننے میں نہیں آیا۔ دوبارہ بالاتفاق پھر میرا انتخاب عمل میں آگیا، قرین قیاس ہے کہ یہ لوگ ممبران کونسل سے میرے گزشتہ دوستانہ تعلقات کو ناپسند کرتے تھے، جو تمام اختلافی معاملات جو فوج سے متعلق ہوتے تھے، گورنروں کے ساتھ رہتے تھے، جس کے بارے میں ہاؤس ایک عرصے سے فکرمند تھا، لہذا یہ اسے تو پسند کرتے تھے، کہ میں رضاکارانہ طور پر مستعفی ہو جاؤں، لیکن یہ نہیں چاہتے تھے کہ صرف میرے خیالات مذہبی کے باعث مجھے نکال دیں، اور اس کے علاوہ ان کے پاس میرے خلاف کوئی دلیل نہیں تھی۔

بلاشبہ میرا یہ خیال تھا، بلکہ یقین تھا کہ ملک کا دفاع کسی کے لیے بھی پسندیدہ

نہیں ہو سکتا، بلکہ ان سے تعاون کی استدعا نہ کی جائے، اور میرا خیال تھا کہ ان کی بڑی تعداد اگرچہ جارحانہ حملے کے خلاف تھی، لیکن دفاعی جنگ کے خلاف نہ تھی، اس موضوع پر حمایت اور تائید میں متعدد پمفلٹ بعض اچھے خالقی اصحاب کی طرف سے شائع ہوئے، لیکن جارحانہ جنگ کے خلاف اور دفاعی جنگ کی تائید میں مجھے یقین ہے کہ اس طبقے کے نوجوانوں کی رائے پر میرے خیالات کافی حد تک اثرانداز ہوئے تھے۔

ہماری فائر کمپنی کے سلسلے میں ایک معاملہ میرے لیے کافی پریشان کن ثابت ہوا، طے یہ ہوا کہ توپ خانے میں توسیع کی جائے، اور اس سلسلے میں جو مصارف ہوں، وہ لاٹری کے ذریعہ حاصل کیے جائیں، ہمارے قواعد کے مطابق کوئی رقم اس وقت تک خرچ نہیں کی جا سکتی تھی، جب تک تجویز منظور ہونے کے بعد دوسری مجلس میں فیصلہ نہ ہو جائے، ہم کل تیس ممبر فائر کمپنی کے تھے، ان میں سے بائیس خالقی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے، آٹھ کا تعلق دوسرے فرقوں سے تھا، ہم آٹھ پابندی سے مجلس میں شریک ہوا کرتے تھے، لیکن گو ہمارا خیال تھا کہ چند خالقی ہمارا ساتھ دیں گے، لیکن ہمیں اپنی اکثریت کے بارے میں بہر حال تذبذب تھا، صرف ایک خالقی مسٹر جیمس مورس نے مخالفت کی، انھوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا، کہ ایسی تجویز زیر بحث لائی گئی ہے، انھوں نے کہا، ہم سارے دوست اس کے مخالف ہیں، اور یہ اختلاف یقیناً کمپنی کے خاتمے کا سبب بن جائے گا، ہم نے عرض کیا، اس کی کوئی وجہ تو نظر نہیں آتی، ہم اقلیت میں ہیں

اگر " دوست ،، مخالف ہیں تو خلاف ووٹ دے کر اسے مسترد کر سکتے ہیں۔ ہم بہرحال افادہ عام کی غرض سے یہ تجویز پیش کریں گے، آخر تجویز پر رائے شماری ہوگئی، چونکہ انھوں نے ہمیں یقین دلایا تھا کہ ممبروں کی ایک تعداد اس تجویز کی مخالفت کے لیے حاضر ہونے والی ہے، لہذا مناسب یہ ہے کہ ان کی آمد کا کچھ دیر انتظار کر لیا جائے۔!

اسی اثنا ءمیں کہ ہم اس مسئلے پر بحث و گفتگو کر رہے تھے ایک خدمت گار میرے پاس آیا، اور کہنے لگا کہ دو آدمی نیچے کھڑے آپ سے بات کرنے کے منتظر ہیں، میں فوراً نیچے گیا تو دیکھتا کیا ہوں کہ ہمارے دو خالفی ممبر ہیں انھوں نے مجھ سے کہا قریب جو ریستوران ہے، وہاں ہمارے آٹھ آدمی جمع ہیں، وہ یہاں آنے اور آپ کے ساتھ ووٹ دینے کا عزم کر چکے ہیں، اگر اس کے بغیر کام نہ چلے اور انھیں امید ہے کہ کام چل جائے گا، لہذا بہتر یہ ہے کہ اگر ان کی امید کے بغیر آپ کام چلا سکتے ہیں، تو ان سے طالب اعانت نہ ہو جیئے، کیونکہ آپ کے ساتھ ووٹ دینے کی صورت میں انھیں اپنے بزرگوں اور دوستوں کی خفگی مول لینا پڑے گی، مجھے اپنی اکثریت کا یقین ہوگیا، میں اوپر گیا اور تھوڑے سے تامل کے بعد مزید ایک گھنٹے کی تاخیر پر رضامند ہوگیا، مسٹر مورس نے یہ بات بہت پسند کی، اور اسے معقول قرار دیا، ان کے مخالف دوستوں میں سے کوئی بھی نہیں آیا۔ جس پر انھوں نے شدید حیرت کا اظہار کیا، اور ایک گھنٹے کی مدت ختم ہوجانے کے بعد ہماری تجویز منظور ہوگئی، مخالف ایک

دوست، موافق آٹھ۔ ! مزید کہ بائیس خائفی ممبروں میں سے آٹھ بشرط ضرورت ہمارے ساتھ ووٹ دینے کو تیار بیٹھے تھے، اور تیرہ غیر حاضر تھے، انھوں نے وجہ یہ بیان کی کہ وہ اس تجویز کی مخالفت کرنا مناسب نہیں خیال کرتے، اس کے بعد میں نے اندازہ لگایا کہ خائفی ممبروں میں صرف ایک صاحب خلوص اور دیانت فکر کے ساتھ دفاعی سرگرمیوں کے مخالف ہیں، باقی حضرات ہماری سوسائٹی کے پابند اوقات ممبروں میں شامل تھے، اور کافی نیک نام تھے اور انھیں کافی پہلے نوٹس دے دیا گیا تھا، کہ مجلس میں کون سی تجویز زیر غور آرہی ہے۔

معزز اور صاحب علم وفضل، مسٹر لوگن نے جو ہمیشہ خائفی ممبروں کا ساتھ دیتے رہے تھے، انھیں ایک مکتوب لکھا، جس میں انھوں نے اعلان کیا کہ وہ دفاعی جنگ کی اہمیت اور افادیت کے قائل ہیں، اپنی رائے کی تائید میں انھوں نے بہت سے دلائل پیش کیے، انھوں نے میرے ہاتھ پر ساٹھ پونڈ رکھے، اور کہا کہ اس رقم سے لاٹری کے ٹکٹ توپ خانے کی تعمیر کے لیے خرید لیے جائیں۔ تائید کی ان ٹکٹوں سے جو رقم بھی انعام میں نکلے، وہ ساری کی ساری اسی کام پر لگا دی جائے، انھوں نے اپنے سابق آقا مسٹر ولیم پین (Penn) کا حسب ذیل واقعہ مجھ سنایا، جو اسی مسئلہ دفاع سے متعلق تھا۔:

"وہ نوجوانی کی عمر میں مسٹر ولیم پین انگلستان سے آئے، ان کے ساتھ ان کا ساز وسامان اور پرائیویٹ سکریٹری تھا، یہ جنگ کا زمانہ تھا، ان کے جہاز

کا تعاقب دشمن کی ایک جنگی کشتی نے کیا، جہاز کے کپتان نے دفاعی تیاریاں شروع کر دیں، لیکن مسٹر ولیم پین اور ان کے ساتھیوں سے کہا، چونکہ آپ لوگ فرقہ خائفی سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے آپ سے میں مدد کا طالب نہیں ہوں لہذا آپ لوگ کیبن میں تشریف لے جائیے اور وہیں رہیے، ان لوگوں نے کپتان کی ہدایت پر عمل کیا، البتہ مسٹر جیمس لوگن اس پر تیار نہیں ہوئے، وہ عرشے پر موجود رہے اور دفاعی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہوئے ایک بندوق لے کر بیٹھ گئے، مفروضہ دشمن جہاز، دوست جہاز ثابت ہوا، لہذا جنگ کی نوبت نہیں آئی، لیکن جب سیکریٹری واقعہ کو اطلاع دینے نیچے گیا تو مسٹر ولیم پین بھڑک اٹھے، اور اس بات پر بہت خفا ہوئے کہ وہ عرشے پر بیٹھا جہاز کی دفاعی سرگرمیوں میں حصہ لیتا تھا، جو اصول "دوستوں"[1] کے خلاف ہے، اور پھر یہ حرکت اس صورت میں تو قطعاً نہیں کرنی چاہیئے تھی، جب کہ خود کپتان کسی قسم کی امداد و تعاون کا اس سلسلے میں جویا نہیں تھا، تمام لوگوں کے سامنے اپنا یہ فضیحتا دیکھ کر سکریٹری (جیمس لوگن) بھنا اٹھا،

اس نے جواب دیا،

"میں تمہارا ملازم ہوں، تم نے کیوں مجھے نیچے آنے کا حکم نہیں دیا؟"

---

[1] فرقہ خائفی کے لوگ ایک دوسرے کو "دوست" کہہ کر یاد کیا کرتے تھے!

(مترجم)

بات یہ ہے کہ تم خود چاہتے ہو کہ میں اوپر رہوں، اور جہاز کو بچانے کے لیے اگر جنگ برپا ہو تو اس میں حصہ لوں، کیونکہ تمہارا خیال تھا ایسا نہ کرنا خطرے کو دعوت دینا ہے۔!،،

مجھے اسمبلی میں کئی سال ہو چکے تھے، ممبروں کی اکثریت فرقہ خائفی سے تعلق رکھتی تھی، مجھے متعدد مواقع جنگ کے خلاف ان کے اصولوں کو جنگ کے خلاف رکاوٹ اور الجھن سے دوچار ہونے کا مشاہدہ کرنے کے لیے جب بھی تاج کی طرف سے فوجی مقاصد کے لیے زر امداد کی منظوری کا پروانہ آتا تھا، یہ سخت کشمکش میں پڑ جاتے تھے، ایک طرف تو یہ حکومت کو ناخوش کرنا نہیں چاہتے کہ صاف انکار کر کے اس کی دشمنی مول لیں، اور دوسری طرف ان کے احباء یعنی مجلس خائفین اپنے اصولوں کے بالکل برعکس تعمیل حکم پر بھی مجبور ہو جاتے تھے۔ یہ بڑے ابتلاء کا موقع ہوتا تھا، تعمیل کے حکم کے سلسلے میں حیلے حوالے کرنا اور اور تعمیل سے اختلاف کا چھپانا، جب کہ صورت احوال ناقابل مزاحمت ہو چکی ہو، ان کا شعار بن گیا تھا، اور آخر کار یہ مجبور ہو جاتے تھے کہ فوجی مقاصد کے لیے فوجی امداد منظور کریں، لیکن آڑ اب بھی رکھ لیتے تھے، رقمی امداد منظور کرتے ہوئے یہ ,,ملک معظم کے استعمال کے لیے،، کے الفاظ استعمال کیا کرتے تھے۔ اور یہ معلوم کرنے کی کبھی کوشش نہیں کرتے تھے، کہ یہ رقم کس طرح صرف ہوئی،

لیکن اگر مطالبہ براہ راست تاج کی طرف سے نہ ہوتا، تو مذکورہ بالا جملے کے جملہ ایجاد کرلیا جاتا، مثلاً جب کبھی بارود کی ضرورت ہوتی، (میرا خیال ہے ایک مرتبہ لوئس برگ کے گیریزن کے لیے یہ ضرورت پیش آئی تھی، اور نیوانگلینڈ کی حکومت پنسلوینیا سے اس مد میں رقم کی طالب ہوتی، اور گورنر تھامس حسب ضرورت ایوان سے اس طرح کے مطالبات کیا ہی کرتے تھے، تو یہ خائفی ممبران ایوان رقم کی منظوری، بارود کی خریداری، کے لیے نہیں دیتے تھے، کیونکہ اس طرح وہ جنگ کے حصے دار اپنے عقائد کے خلاف بن جاتے، ایسی صورت میں ایک دفعہ یہ ہوا تھا کہ انھوں نے اپنے ووٹوں سے دو تین ہزار پونڈ گورنر کی صوابدید پر برائے اخراجات گندم، روٹی، آٹا اور دوسرے غلے کے لیے" منظور کیے، ایوان کے بعض ممبروں نے مزید رکاوٹ خائفی ممبروں کے راستے میں ڈالنے کے لیے گورنر کو مشورہ دیا، کہ وہ اس شرط کے ساتھ یہ رقم منظور نہ کریں، کیونکہ جس مد کے لیے گورنر نے یہ رقم مانگی تھی، اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن گورنر نے جواب دیا:۔

"میں یہ رقم ضرور لوں گا، کیونکہ ان حضرات کا جو مدعا ہے، اس سے بخوبی واقف ہوں، "دوسرے غلے" سے مراد بارود ہی ہے۔!"

چنانچہ گورنر نے رقم لے لی، اور اپنی صوابدید پر اس سے بارود کی خریداری کی اور خائفی ممبران ایوان نے کوئی اعتراض وارد نہیں کیا۔

یہ ایک تلمیح تھی، ایک اہم حقیقت کی طرف اپنی فائر کمپنی میں جب ہمیں یہ احساس ہوا کہ ہماری تجویز لاٹری کے بارے میں ناکام ہو جائے گی، میں نے اپنے دوست مسٹر سنگ سے جو ایوان کے ممبر تھے، کہا،

"اگر ہم ناکام ہوتے ہیں، تو پھر میں تجویز پیش کروں گا، کہ ایک فائر انجن اس روپے سے خریدا جائے، خائفی ممبر اس تجویز سے اختلاف بہرحال نہیں کریں گے، اس وقت آپ میرا نام کمیٹی کی ممبری کے لیے پیش کیجیے گا، میں آپ کا نام پیش کروں گا، ہم دونوں کمیٹی کی حیثیت سے ایک بڑی توپ خرید لیں گے، جو یقیناً ایک "فائر انجن" ہی ہے!"

مسٹر سنگ نے جواب میں کہا،

"بہت خوب! ایوان میں اتنے دن رہ کر آپ نے خوب سوجھ بوجھ پیدا کر لی ہے، آپ کی یہ تجویز خائفی ممبروں کے "گندم یا دوسرے غلے" کا بہت اچھا جواب ہوگی!"

خائفی حضرات کی یہ فکری و ذہنی الجھن کہ کسی طرح کی جنگ کو جائز نہیں سمجھتے، اس سے اور بڑھ گئی تھی کہ اس عقیدے پر وہ قائم بھی تھے، اور اس کی نشر و اشاعت کر چکے تھے، اور ایک مرتبہ اس عقیدے کی اشاعت کے بعد

اب یہ ممکن نہیں تھا کہ ان کے انکار میں ، کیسی ہی تبدیلی کیوں نہ ہوگئی ہو اس عقیدے سے دستبردار ہو جائیں، اس واقعہ سے مجھے ایک اور فرقہ یاد آگیا جو نسبتاً زیادہ زیرک اور دانا تھا، اسے DUNKER کے نام سے پکارا جاتا تھا اس کے بانیوں میں سے ایک صاحب سے میری شناسائی ہو گئی، ان کا اسم شریف مسٹر میکائیل ویلفیر تھا، ان سے میری ملاقات مذکورہ واقعہ کے فوراً ہی بعد ہوئی تھی۔ انھوں نے مجھ سے شکایت کی کہ ان پر نہایت سنگین الزامات دوسرے فرقوں کے کٹر قسم کے لوگ عائد کر رہے ہیں، اور انھیں ملزم گردانا جارہا ہے، کہ جن اصول پر وہ عامل اور جن کے قائل ہیں، وہ حد درجہ مذموم اور نفرت انگیز ہیں، حالانکہ یہ کھلی ہوئی غلط بیانی ہے، میں نے ان سے کہا، نئے فرقوں کے ساتھ یہی سلوک ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے، اس طرح کی نامعقول حرکتوں کو روکنے کی بہترین تدبیر میرے نزدیک یہ ہے کہ اپنے عقائد کی تفصیل شائع کر دیجئے اور اپنی تنظیم کے اصول ضوابط کی بھی تشہیر کیجئے انھوں نے جواب دیا کہ میں نے یہ چیز اپنے فرقے کے سامنے رکھی تھی، لیکن وہ لوگ اپنے عقائد اور اصولوں کی تشہیر پسند نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں :۔

"جب پہلے پہل ہم نے عوام کے سامنے ایک جماعت اور تنظیم کی حیثیت سے اپنے آپ کو منظم کیا، تو خدا اس کی مہربانی سے ہمیں روشنی ملی، اور ہمیں چند نکات کی طرف رہنمائی حاصل ہوئی، جن چیزوں کو پہلے ہم حق سمجھے تھے

کام لے رہا تھا، ورنہ دوسرے تمام فرقے اپنے آپ کو مکمل سچائی کا اجارہ دار خیال کرتے ہیں، اور جو ان سے اختلاف کرتے ہیں، وہ حد درجہ گمراہ قرار پاتے ہیں، جیسے ایک آدمی کہر آلود موسم میں سفر کر رہا ہو، اس سے چند قدم کے فاصلے پر جو لوگ سڑک پر چل رہے ہوں گے، یا عقب میں جو لوگ آرہے ہوں گے، انھیں وہ کہر سے ڈھکا ہوا پائے گا، اس طرح راستے کے اطراف کے لوگوں کو بھی وہ کہر میں ڈوبا ہوا دیکھے گا، صاف اور واضح صرف وہی لوگ نظر آئیں گے جو سامنے ہوں، اور ساتھ چل رہے ہوں، اگرچہ امر واقعہ یہ ہے، کہ وہ خود بھی اتنا ہی کہر میں لپٹا ہوا ہے، جتنے دوسرے لوگ، اس الجھن سے بچنے کے لیے ہنا لقی حضرات نے گزشتہ چند سالوں سے رفتہ رفتہ ایوان (اسمبلی) کے اندر حکومت کرنے کا اصول ترک کرنا شروع کر رکھا ہے، انھوں نے اقتدار اور اصول کے مقابلے میں، اصول کو پسند کر لیا ہے۔

شائد میں نے کہیں ذکر کیا ہے کہ ۱۷۴۲ء میں کمرے گرم رکھنے کے لیے میں نے ایک کھلے منہ کی انگیٹھی ایجاد کی تھی، جس میں ایندھن کی بھی کفایت تھی، اور تازہ ہوا گرم ہو کر کمرے میں داخل ہوتی تھی، میں نے یہ نمونہ تحفے کے طور پر اپنے پرانے دوست مسٹر رابرٹ گریس کو دیا۔ جو ایک بھٹی کے مالک تھے، جہاں ایسے چولھوں اور انگیٹھیوں پر قلعی کا کام کیا جاتا تھا، خوب نفع بخش کام تھا، اس انگیٹھی کی مانگ بڑھتی جا رہی تھی، اس مانگ میں مزید اضافے کے لیے میں نے ایک پمفلٹ لکھ کر شایع کیا، جس میں پنسلوینیا کی نو ایجاد انگیٹھی کی

معلوم ہوا وہ خطا تھی اور جنہیں ہم خطا تصور کرتے تھے، معلوم ہوا وہی اصل حق ہے، خدائے قادر و توانا وقتاً فوقتاً اپنی روشنی سے ہمارے دل و دماغ کو مزید منور کرتا رہتا ہے، ہمارے اصول ترقی پذیر نوعیت کے ہیں، اور ہماری کوتاہیاں کم ہوتی جا رہی ہیں، لیکن ابھی ہمیں یہ یقین نہیں ہے کہ جس منزل تک ہمیں پہنچنا ہے، وہاں تک ہم پہنچ چکے ہیں، اور روحانی اور مذہبی علم کے اعتبار سے ہماری تکمیل ہو چکی ہے، ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ ہم نے اپنے اعترافات مذہبی شائع کر دیئے تو ہمیں ان کا پابند رہنا پڑے گا، اور وہ ہمارے لیے لازمی ہوں گے، جس کے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ اب ہمیں مزید ارتقاء روحانی و فکری کی ضرورت نہیں رہی اور اس کے لیے آمادہ نہیں ہیں، اور ہمارے بعد آنے والوں کے لیے تو یہ دشواری اور زیادہ بڑھ جائے گی، وہ سوچیں گے ہمارے بزرگ اور فرقے کے بانی جو کہہ گئے ہیں، اور کر گئے ہیں، اسے تقدس کا درجہ حاصل ہے، اور اس سے انحراف کسی طرح بھی روا نہیں،!،،

نوع انسانی کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا فرقہ تھا، جو اتنے انکسار سے

کئی مرتبہ پیٹنٹ کرا چکے تھے، یہ کوئی پہلی مثال نہیں تھی، یہ دوسری بات ہے کہ ہمیشہ یکساں کامیابی نہ ہوئی ہو، میں نے ایسے مواقع پر کبھی مقابلہ نہیں کیا، کیونکہ پیٹنٹ کر کے نفع کمانے کا خیال کبھی میرے دل میں نہیں آیا، جھگڑے اور مقدمے بازی سے میں ہمیشہ بچتا رہا۔ اس انگیٹھی کا استعمال ہمارے اور پڑوسی نو آبادیات کے اکثر گھرانوں میں عام ہو گیا، اس سے بہت بڑا فائدہ یہ تھا کہ لکڑی کی بچت ہوتی تھی۔

امن قائم ہو چکا تھا، اور دفاعی سرگرمیوں کا عملاً خاتمہ ہو چکا تھا، اب میں پھر ایک اکیڈمی کے قیام کی طرف متوجہ ہوا، سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اس تحریک میں چند سرگرم اور فعال دوستوں کو ہم خیال بنا کر شریک کر لیا، دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ ایک پمفلٹ لکھ کر شائع کیا، جس کا عنوان تھا، "پنسلوینیا کے نوجوان کی تعلیم سے ضروری تجاویز"

میں نے یہ پمفلٹ بڑی تعداد میں بلاقیمت سربرآوردہ اصحاب کو تقسیم کیا، جیسے ہی میں نے یہ محسوس کیا کہ اب لوگ کسی نہ کسی حد تک اس سے متاثر ہو چکے ہیں، میں نے اکیڈمی کے قیام و افتتاح کے لیے چندے کی تحریک شروع کر دی، چندے کی رقم پانچ سال میں قسط وار ادا کرنی تھی، رقم کافی بڑی تھی، ایسے کام کے لیے چھوٹی رقم بیکار تھی، مجھے جہاں تک یاد پڑتا ہے، پانچ ہزار پونڈ کی رقم تھی،

تجاویز کا تعارف کراتے ہوئے میں نے اس کی اشاعت کے بارے میں لکھا کہ یہ میری اپج نہیں ہے، بلکہ اس میں بعض دوسرے باذوق اصحاب بھی شریک ہیں جنھیں عوام کی خدمت کی لگن ہے، میرا یہ اصول تھا اور میں اس پر سختی کے ساتھ قائم تھا کہ عوامی افادیت کی تجویزوں اور اسکیموں کو میں اپنے نام سے منسوب کر کے خود کو پیش پیش رکھنے سے سخت متنفر تھا، ایسی اسکیموں کا بار تصنیف دوسروں ہی پر ڈال دیا کرتا تھا، چندہ دہندگان نے اس منصوبے

ضروری تفصیل مندرج کردی تھی، اس کے بنانے اور استعمال کرنے کا نسخہ بھی درج کردیا تھا، اور اس کی ضروری وضاحت بھی کردی تھی، کمروں کو گرم رکھنے کے دوسرے طریقوں سے مقابلہ کرکے اس کی فوقیت واضح کی تھی، اور اس کے استعمال کے بارے میں جتنے اعتراضات بھی کیے گئے تھے، ان سب کا جواب دیا تھا، اور ۱۱۔ کی تقویت واضح کردی تھی، اس پمفلٹ کا بڑا اچھا اثر پڑا، مسٹر تھامس میرے پمفلٹ سے اتنا متاثر ہوئے، کہ انھوں نے چند سال کے لیے اس کے بنانے کا واحد حقدار بحیثیت موجد کے مجھے تسلیم کرلینے کی پیش کش کی، لیکن میں نے اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کردیا، یہ اصول کا سوال تھا، ایسے مواقع پر اس اصول کو میں نے ہمیشہ بڑی اہمیت دی، وہ اصول یہ تھا۔

"دوسروں کی ایجادات سے ہم خوب اور بہت زیادہ فائدہ
اٹھاتے ہیں، ہمیں اس اتفاق پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے،
کہ دوسروں کی خدمت کے لیے ہم اپنی ایجاد پیش کردیں،
اور یہ کام ہمیں فیاضی کے ساتھ بغیر کسی معاوضے کے کرنا چاہیے،

لندن کے ایک آہن ساز نے میرے پمفلٹ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اس کا تجربہ کرکے میری مشین میں کچھ تھوڑی سی تبدیلیاں کرکے جن سے اسے کچھ نقصان ہی پہنچا، وہاں اپنے نام سے پیٹنٹ کرالیا، مجھے بتایا گیا کہ اس نے یوں کچھ دولت بھی کمالی، میرے ایجادات کو دوسرے لوگ اپنے نام سے کئی

کو فوری طور پر روبہ عمل لانے کے لیے ۱۴ ٹرسٹی منتخب کیے، مسٹر فرانسس جو اس وقت اٹرنی جنرل تھے کو اور مجھے دستور وضع کرنے کا فریضہ سونپا، جس کے ماتحت اس اکیڈمی کو چلنا تھا، دستور جلد وضع کر لیا گیا، اور اس پر سب نے دستخط کر دیے۔ ایک مکان بھی کرایے پر لے لیا گیا، اساتذہ کا تقرر عمل میں آگیا، اور مدرسے قائم کر دیے گئے، میرا خیال ہے یہ واقعہ بھی ۱۷۴۹ء کا ہے۔ طالبان علم و تحقیق کی تعداد میں یومًا فیومًا اضافہ ہونے لگا، جو مکان کرایہ پر لیا گیا تھا وہ ناکافی ثابت ہوا، ہم سوچنے لگے، زمین کا کوئی اچھا قطعہ مل جائے تو اپنی عمارت بنا ڈالیں، کہ خدا نے ایک بنا بنایا، مکان ہمیں عطا فرما دیا۔ جو چند معمولی تبدیلیوں کے بعد بالکل ہمارے لیے کافی تھا، یہ وہی عمارت تھی جس کا ذکر ہو چکا ہے، یعنی جو مسٹر وہائٹ فیلڈ کے سامعین کے لیے تیار کی گئی تھی، اور اب ہمیں ایک دوسرے اچھے مقصد کیلئے حاصل ہو گئی تھی، جس کے شرائط یہ تھے،

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے، کہ اس عمارت کیلئے جو چندہ کیا گیا تھا، اس میں مختلف فرقوں کے لوگ شامل تھے، ٹرسٹیز کی نامزدگی احتیاط کے ساتھ عمل میں لائی گئی تھی، جن کی تحویل میں یہ زمین اور عمارت دینا تھی، کوشش یہ کی گئی تھی کہ کسی بھی فرقے کو غلبہ اور تسلط نہ حاصل ہو سکے، کہ مبادا کسی فرقے کا غلبہ اس کے عملی قبضے کا مقدمہ ثابت ہو، اور اصل مقصد فوت ہو جائے لہذا ہر فرقے کا ایک ٹرسٹی لیا گیا، ایک آدمی چرچ آف انگلینڈ کا ایک پربسبیٹیرین کا، ایک بپٹسٹ کا ایک موراوین اسی طرح کوئی فرقہ بھی محروم نہیں رہا، وفات کے باعث کوئی جگہ خالی ہو تو انتخاب کا حق چندہ دہندگان کو تھا۔ موراوین اپنے رفقاء سے کچھ خوش نہ تھا، اس کی وفات کے بعد طے یہ ہوا کہ اس فرقے کا کوئی آدمی اب نہ لیا جائے، اب اس دشواری کو حل کرنا تھا کہ کسی ایک فرقے کے دو آدمیوں کی نامزدگی سے احتراز کیونکر کیا جائے، کیونکہ بہرحال ایک آدمی کا انتخاب کرنا ہی تھا۔

متعدد اصحاب کے نام پیش ہوئے مگر اسی دشواری کی وجہ سے کسی پر اتفاق نہ ہو سکا، آخر کار کسی نے یہ کہہ کر میرا نام پیش کیا کہ یہ شخص کسی فرقے سے تعلق نہیں رکھتا، اگر اس کا کوئی فرقہ ہے تو "دیانت، !" میرا نام منظور ہو گیا، یہ عمارت جب تیار ہوئی تھی، اس وقت کے جوش و خروش کا اب خاتمہ ہو چکا تھا، اور ٹرسٹیوں میں یہ احساس بھی باقی نہیں رہ گیا تاکہ نیا چندہ کر کے زمین کا کرایہ ادا کریں، اور عمارت پر جو قرضے مختلف صورت کے سلسلے میں ہو چکے ہیں ان کے ادا کرنے کا بندوبست کریں حالانکہ یہ چیز ان کے لئے خاصی دردسر بنی ہوئی تھی، میں چونکہ اب اس عمارت اور اکیڈمی دونوں کا ٹرسٹی تھا، مجھے یہ بہترین موقعہ حاصل تھا کہ دونوں کے ٹرسٹیوں سے اس مسئلے پر گفت و شنید کروں، اور دونوں کو رضامند کر کے یہ عمارت اکیڈمی کے حوالے کرا دوں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اکیڈمی نے یہ ذمہ لے لیا کہ اب تک کے سارے قرضے ادا کر دے گی، اور ہال میں کبھی کبھی مواعظ کا سلسلہ بھی سابقہ شرائط کے ماتحت جاری رکھا جا سکتا ہے، اور یہاں ایک اسکول غریب طلبار کے لئے بھی قائم کیا جائے گا، جس سے کوئی تعلیمی فیس نہیں لی جائے گی، معاہدہ لکھ لیا گیا، اور اکیڈمی کے ٹرسٹیوں نے عمارت کا قبضہ لے لیا، عمارت کے اس وسیع اور کشادہ حال کو متعدد کمروں، اور حصوں میں تقسیم کر دیا گیا، بالائی اور زیریں حصے میں کئی اسکول قائم کر دئے گئے، پھر ساتھ کی کچھ مزید زمین بھی خرید لی گئی اور ہمارے مقصد کے مطابق تمام کام بن گیا اور تمام طلبار اس نئی عمارت میں منتقل ہو گئے، مزدوروں سے کام لینا، توسیع عمارت کے سلسلے میں ضروری سامان خریدنا، اور کام کی نگرانی کرنا، یہ سارا بوجھ مجھ پر ڈالا گیا، میں نے بڑی

خوشی سے یہ ذمے داری قبول کرلی، اس مصروفیت سے میرے نجی کاروبار میں بھی کوئی فرق نہیں پڑا، کیونکہ ایک ہی سال پہلے میں نے اپنا پارٹنر مسٹر ڈیر ڈھال کو بنا لیا تھا، جن کے کردار سے میں بخوبی واقف تھا، جنھوں نے چار سال تک بڑی محنت اور دیانت سے میرا کام کیا تھا، اب انہوں نے میرے پرنٹنگ ہاؤس کا سارا بار خود لے لیا تھا اور نہایت پابندی کے ساتھ نفع میں جو میرا حصہ نکلتا تھا اسے ادا کر رہے تھے یہ پارٹنرشپ مسلسل اٹھارہ سال تک قائم رہی، اور ہم دونوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔

اکیڈمی کے ٹرسٹیوں نے کچھ عرصے بعد ٹرسٹیوں کا تقرر گورنر کے فرماں سے ہونے لگا، فنڈ میں اضافے کی صورت یہ نکل آئی کہ برطانیہ میں اس کے لئے چندہ ہونے لگا، اسمبلی کی منظوری سے زمین کی مزید منظوری بھی مل گئی، اور اس طرح موجودہ فلاڈلفیا یونیورسٹی عالم وجود میں آگئی، میں چالیس سال سے برابر اس کا ٹرسٹی چلا آرہا تھا، اور دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا کہ کتنے بہت سے نوجوان زیور تعلیم سے آراستہ ہوکر یہاں سے نکلے اور اپنی قابلیت کی بنا پر امتیاز کے حامل ٹھہرے، عوامی خدمت شاندار طریقے سے کی، اور اپنے ملک کے لئے قابل فخر ثابت ہوئے

جب میں اپنے نجی کاروبار سے لاتعلق ہوگیا تھا، جیسا کہ اوپر بیان کر چکا ہوں، میرے لئے یہ بات تسلی بخش تھی کہ میں نے کافی کما لیا ہے، اب مجھے باقی ماندہ مدتِ عمر فلسفیانہ تحقیق اور تفریحات میں صرف کرنی چاہئے، میں نے

ڈاکٹر اسپنس کی تمام اشیاء خرید لیں، جو انگلستان سے لیکچر دینے آئے تھے، میں نے اپنے برقی تجربات کا پوری توجہ سے آغاز کر دیا، لیکن لوگوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ میں اب آرام اور تفریح کی زندگی بسر کر رہا ہوں، وہ جو کام چاہتے میرے ذمے لگا دیتے، حکومت کی طرف سے بھی متعدد ذمے داریاں مجھے سونپی جاتی رہیں، گورنر نے مجھے صلح کمیشن کا ممبر نامزد کر دیا، سٹی کارپوریشن نے مجلس عام کا ممبر مجھے چن لیا، پھر تھوڑے ہی عرصے کے بعد میں ایلڈر مین بن گیا، بعد ازاں شہریوں نے مجھے اسمبلی میں اپنا نمائندہ بنا کر بھیج دیا یہ آخری منصب میرے لئے زیادہ پسندیدہ تھا کیونکہ اب تک میرا کام صرف ایک کلرک کی حیثیت سے یہ تھا کہ اسمبلی میں بیٹھا مباحثے کی کارروائی سے بہرہ ور ہوتا رہوں، کسی کارروائی میں کوئی حصہ لینے کا مجاز نہیں تھا، ذہنی تکان دور کرنے کے لئے، اس غیر دلچسپ مصروفیت سے بچنے کا طریقہ میں نے یہ نکالا تھا کہ میز پر بیٹھا زائچے اور مربعے بنایا کرتا، اور اب ممبر کی حیثیت سے اچھے اور عمدہ کام کرنے کا مجھے اقتدار حاصل ہو گیا تھا، میں یہ بات چھپانا نہیں چاہتا کہ ان تمام ترقیوں سے مجھے خوشی حاصل ہوئی، میری زندگی کا آغاز کتنے اندوہناک حالات میں ہوا تھا، مگر میں آگے بڑھتا رہا، میرے لئے خوشی کی بات یہ تھی کہ عوام کی رائے میرے لئے اچھی تھی، اور یہ دلعزیزی حاصل کرنے کی میں نے کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

جسٹس آف پلیس کا منصب بھی مجھے سونپا گیا، چند مرتبہ میں نے عدالت میں عدالت میں حاضری بھی دی، اور بنچ میں بیٹھ کر مقدمات بھی سنے، لیکن میں

نے محسوس کیا اس کام کے لئے زیادہ قانونی واقفیت کی ضرورت ہے، جس سے میں محروم ہوں، چنانچہ میں رفتہ رفتہ اس سے دست بردار ہوگیا، عذر یہ تھا کہ اسمبلی میں قانون سازی کا کام اس سے زیادہ ضروری اور محنت طلب ہے، دس سال تک مسلسل میں اسمبلی کا ممبر منتخب ہوتا رہا، میں نے کبھی اس کی خواہش نہیں کی، نہ کسی ووٹر سے بالواسطہ یا بلا واسطہ یہ استدعا کی کہ وہ اپنا ووٹ مجھے دے، جب میں اسمبلی کا ممبر منتخب ہوگیا، میرا بیٹا میری جگہ وہاں کلرک کی جگہ پر متعین ہوگیا۔

دوسرے سال کارلائل کے انڈینس سے صلح طے کرنے کے لیے گورنر نے ایوان کو ایک پیغام بھیجا کہ وہ اپنے چند نمائندے اس غرض سے منتخب کرے کہ وہ ممبران کونسل کے ساتھ مل کر ایک کمیشن کی صورت میں یہ گفت وشنید کریں، ایوان نے اپنے اسپیکر مسٹر نورس (norris) کو اور مجھے نامزد کیا، چنانچہ ہم گئے، اور حسب قرارداد انڈینس سے گفت وشنید میں حصہ لیا۔

یہاں کے لوگ شراب کے بے حد رسیا تھے اور جب پیتے تو بے حد جھگڑالو بن جاتے، اور نظم و امن کا برقرار رہنا مشکل ہو جاتا، ہم نے نہایت سختی کے ساتھ ان کے ہاتھ شراب کی خرید و فروخت بند کر دی تھی، اور جب انہوں نے اس پابندی کے خلاف شکایت کی، ہم نے کہا اگر تم لوگ گفتگوئے معاہدہ کے دوران میں معقولیت سے رہو اور گڑبڑ نہ کرو تو ہم بہت کافی رَم تکمیل معاہدے کے بعد دینے کو تیار ہیں

انہوں نے وعدہ کرلیا اور اس پر عمل بھی کیا، کیونکہ شراب تو انہیں ملی نہیں تھی، معاہدے کی بات چیت بڑی خوش اسلوبی سے جاری رہی، اور نہایت ضبط ونظم کا وہ ثبوت دیتے رہے، آخر معاہدہ تسلی بخش طور پر تکمیل پا گیا، جس سے دونوں فریق خوش اور مطمئن تھے۔ اب انہوں نے رم RUM کا مطالبہ کیا، جو پورا کر دیا گیا، یہ سہ پہر کا واقعہ ہے، یہ تقریباً مرد، عورت، بچے تھے، اور ایک عارضی کیمپ میں، انہیں ٹھہرایا گیا تھا، جو مربعے کی شکل میں بنایا گیا تھا، شہر سے بالکل باہر یہ جگہ واقع تھی، شام کو، بہت زیادہ شور وغل سننے میں آیا، ممبران کمیشن اس طرف لپکے کہ دیکھیں کیا ماجرا ہے، ہم نے دیکھا، یہ سب لوگ نشہ سے چور تھے، مرد عورت سب، گالیاں بک رہے تھے اور لڑ رہے تھے، ان کی کالی کالی صورتیں صرف سلگتی ہوئی آگ کے شعلوں کی روشنی میں دکھائی دے جاتی تھی یہ ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ رہے تھے اور خوب مار پیٹ کر رہے تھے، وہ بھی جلتی ہوئی لکڑیوں سے، ایسا معلوم ہوتا تھا ہم جہنم کا کوئی منظر دیکھ رہے ہیں، اس صورت حال نمٹنا ہمارے بس سے باہر تھا، لہذا واپس چلے آئے، اور اپنی قیام گاہ میں داخل ہو گئے، آدھی رات کو ان کی ایک تعداد ہمارے دروازے پر آ موجود ہوئی اور شور کرنے لگی، مطالبہ یہ تھا کہ اور، رم دو، مگر ہم نے کوئی جواب نہیں دیا،

دوسرے روز، یہ اس بات پر نادم تھے کہ انہوں نے ہمیں پریشان کیا، انہوں نے اپنے میں سے تین معمر آدمیوں کو چن کر ہمارے پاس معذرت کیلئے بھیجا، ان کے ترجمان نے غلطی کا اعتراف کیا، لیکن اس کی ذمے داری رم پر رکھی،

اس نے کہا،

"خدائے عظیم، جس نے تمام چیزیں بنائی ہیں، اس نے ہر چیز کو کسی خاص استعمال کے لئے بنایا ہے، اور جو چیز جس مقصد کے لئے بنائی ہے اسے اسی میں استعمال ہونا چاہیئے۔ اور جب اس نے رَم بنائی تو کہا، یہ صرف انڈینس کے لئے ہے تاکہ اسے پئیں اور مخمور ہوں، لہٰذا یہی ہوتا رہنا چاہیئے!"

اور واقعی اگر خدا کا مقصد یہ تھا کہ ان وحشیوں کو جڑ بنیاد سے غارت کر دے تاکہ کاشتکاروں کو موقع ملے کہ ان کی زمین کاشت کر سکیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رم کا مقصد ان لوگوں کے لئے واقعی کچھ ایسا ہی تھا، اس نے تقریباً تمام قبائل کو گور میں پہنچا دیا جو ساحل سمندر پر بستے تھے۔

۱۷۵۱ء میں ڈاکٹر تھامس بانڈ نے جو میرے بڑے اچھے دوست تھے، فلاڈلفیا میں ایک ہسپتال قائم کرنے کا منصوبہ بنایا ———— ایک نہایت عظیم اور منفعت بخش منصوبہ جس کا سہرا نہ جانے کیسے میرے سر باندھ دیا گیا۔ لیکن درحقیقت یہ انہی کا تصور تھا۔ اس ہسپتال میں مفلوک الحال بیماروں کے علاج کا انتظام کرنا مقصد تھا۔ خواہ وہ اس صوبے کے ہوں، یا کسی اور صوبے کے، انہوں نے نہایت سرگرمی اور جوش وخروش سے کام کرنا شروع کر دیا۔ اور چندے کی تحصیل بھی شروع ہو گئی۔ لیکن یہ تجویز امریکہ کے لئے اتنی انوکھی تھی اور اس کی افادیت بھی لوگوں نے اچھی طرح محسوس

نہیں کی۔ اس لئے اس میں کچھ زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔

آخر وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے، یہاں کوئی ایسا شخص نہیں ہے، جو فلاح عوام پر مبنی کسی منصوبے کو لے کر آگے بڑھ سکے۔ جب تک آپ اس کا ساتھ نہ دیں۔ میں نے اکثر ان لوگوں سے سوال کیا جن سے چندہ مانگنے گیا تھا۔ وہ پہلا، سوال یہی کرتے تھے:

"کیا اس مسئلے پر آپ نے فرینکلن سے بھی مشورہ کیا ہے؟"

اور جب میں کہتا نہیں ان سے تو مشورے کی نوبت نہیں آئی ——— یہ اس لئے کہتا تھا کہ بظاہر ہسپتال آپ کی دلچسپی کی چیز نہیں تھی ——— تو وہ چندہ دینے سے انکار کر دیتے۔ اور کہتے "اچھا ہم غور کریں گے۔"

میں نے اس تجویز کی نوعیت پر غور کیا۔ اور اس کی افادیت کے پہلو سوچے اور ڈاکٹر صاحب سے استفسارات بھی کئے۔ جن کا جواب انہوں نے نہایت معقول دیا۔ تو میں نے نہ صرف خود چندہ دیا بلکہ چندہ وصول کرنے کے کام میں عملی حصہ بھی لیا اور دوسرے لوگوں سے رقمیں وصول کیں۔

لوگوں کے ذہن کو تیار کرنے کے لئے میں نے پہلے اخبارات میں اس موضوع

پر چند مقالات لکھے اور ایسے معاملات میں یہ میرا لگا بندھا اصول تھا۔ یہ چیز کافی نتیجہ خیز ثابت ہوتی تھی۔ مگر ڈاکٹر صاحب اس اصول سے بے بہرہ تھے۔ بلکہ شاید اس کی ضرورت نہیں محسوس کرتے تھے۔

اس کے بعد بڑی فیاضی اور کثرت کے ساتھ چندہ وصول ہونا شروع ہو گیا لیکن کام شروع ہوتے ہی میں نے محسوس کر لیا کہ چندے کی رقوم زیادہ ہونے کے باوجود ناکافی ہیں۔ اور جب تک اسمبلی مدد نہ کرے کام نہیں چلے گا۔ لہٰذا طے ہوا کہ ایک درخواست اس کے نام لکھی جائے۔ یہ کام کر لیا گیا۔ بیرون شہر کے ممبروں نے بے تعلقی کا اظہار کیا اور اعتراض کرتے ہوئے کہا، یہ منصوبہ تو صرف اس شہر سے تعلق رکھتا ہے۔ لہٰذا شہریوں کو اس کی تکمیل کرنی چاہیئے اور اس کے جملہ مصارف برداشت کرنے چاہئیں۔ اور اس شبہہ کا اظہار بھی کیا کہ آیا جملہ شہری اس سے متفق بھی ہیں یا نہیں؟

میں نے الزام کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ شک و شبہہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم بڑی آسانی سے دو ہزار پونڈ جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جسے مخالفین اور معترضین ایک ان ہونی اور قطعاً ناممکن بات سمجھ رہے تھے ——!"

اس موقع پر میں نے اپنی تجویز مرتب کی۔ اور اسے ایک بل کی صورت میں

نے اپنی تجویز مرتب کی، اور اسے ایک بل کی صورت میں درخواست دہندگان کی استدعا کے مطابق، چندہ دینے والوں کو ضم کر کے ایک رقم بطور امداد دینے سے متعلق پیش کرنے کی اجازت چاہی، یہ اجازت صرف اس لئے مل گئی کہ ان لوگوں کو یقین کامل تھا کہ ایوان اسے نامنظور کر دے گا، اگر یہ اس کی مرضی کے مطابق نہ ہوئی، میں نے یہ بل اس طرح مرتب کیا کہ اس کی سب سے اہم دفعہ کو مشروط بنا دیا۔ میرے بل کی خاص شرط کے الفاظ یہ تھے:

> اس بات کو قانونی حیثیت حاصل ہوگئی کہ جب متذکرہ چندہ دہندگان اپنی میٹنگ میں اور منتظمین اور خزانچی کا انتخاب کریں تو یہ اپنے چندے کی رقم سے ایک اسٹاک قائم کریں گے جو ——— روپے کی مالیت کا ہوگا۔ اس سے جو سالانہ نفع ہوگا وہ مفلوک الحال بیماروں کو ہسپتال میں رکھنے، انہیں مفت غذا مہیا کرنے، ان کی بلا معاوضہ تیمارداری کرنے، انہیں طبی مشورے دینے پر صرف ہوگا، اور ایک عرصے تک ان تمام کاروائیوں کو اس طرح انجام پانا چاہیئے کہ وہ اسپیکر (صدر اسمبلی) کی تسلی کے مطابق ہوں اور جب اسپیکر کے نزدیک یہ چیز قانونی صورت اختیار کر لے تو وہ حسب استدعا صوبائی ٹریزرر (خزانچی) کو دو ہزار پونڈ دو مساوی سالانہ قسطوں میں ہسپتال کے خزانچی کو ادا کرنے کا حکم دے دیگا تاکہ وہ بنیاد رکھنے، عمارت تعمیر کرنے اور اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں صرف کرے۔

اس شرط کی وجہ سے بل بہ آسانی منظور ہو گیا۔ کیونکہ جن ممبروں نے گرانٹ کی مخالفت کی تھی، اب یہ سمجھنے لگے تھے کہ جیب خاص سے ایک پیسہ صرف کئے بغیر غریبوں کے دادرس شمار کئے جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اس سے اتفاق کا اظہار کیا، اس کے بعد ہم نے قانون کی شرط کو ایک اضافی سبب اس تحریک کو آگے بڑھانے کا قرار دیا، اس طرح ہر شخص کا چندہ دوگنا ہو گیا۔ اور یوں قانون کی اس دفعہ نے دوطرفہ فائدہ پہنچایا۔ بہت جلد نوبت یہاں تک پہنچی کہ چندے کی رقم طلب سے زیادہ جمع ہو گئی۔ اور ہمیں عوام کی طرف سے تحائف اور عطیے ملنے لگے۔ جو ہم نے اس کام کی تکمیل میں صرف کئے۔ ایک آسائش بخش اور خوبصورت عمارت بہت جلد تیار ہو گئی۔ یہ ادارہ ہر اعتبار سے حد درجہ مفید اور کامیاب ثابت ہوا۔ اور اب تک کام کر رہا ہے۔ مجھے نہیں یاد کہ اپنے کسی بھی سیاسی کارنامے پر مجھے اتنی مسرت ہوئی ہو جتنی اس موقعہ پر ہوئی تھی۔ بعض وقت تو میرا اپنے آپ کو شاباش دینے کو جی چاہتا تھا۔ کہ اتنی ہوشیاری کے ساتھ اس دشوار گزار مرحلے کو پایۂ اتمام تک پہنچانے میں مجھے کامیابی، نصیب ہوئی۔

لگ بھگ اسی زمانے کے تقدس مآب مسٹر گلبرٹ ٹینٹ (Tennent) میرے پاس اپنا ایک منصوبہ لے کر تشریف لائے۔ اور طالب اعانت ہوئے وہ چاہتے تھے کہ ایک نئی عبادت گاہ کی تعمیر کے لئے چندہ دلانے میں ان سے تعاون کروں، یہ عمارت پریسبیٹرین فرقے کے ان لوگوں کیلئے اجتماع

کا کام دیتی جو مسٹر وہائٹ فیلڈ کے مقلد تھے۔ مجھے یہ بات کھل رہی تھی کہ اپنے ہم شہریوں سے بار بار چندہ مانگ کر ان کی جیب پر دھاوا بولوں۔ چنانچہ میں نے صاف الفاظ میں انکار کر دیا۔

اس کے بعد انہوں نے استدعا کی کہ میں انہیں ایک فہرست ایسے لوگوں کی اپنے تجربے کی بنا پر تیار کر دوں جو طبعاً فیاض ہوں، اور عوامی کاموں میں چندہ دینے کے عادی ہوں۔ میں نے سوچا یہ بھی نامناسب سی بات ہے کہ جن لوگوں کی جیب میں بار بار خالی کرا چکا ہوں، اب ایک اور دریوزہ گر کے لیے ان کی نشان دہی کردں، چنانچہ میں نے یہ بات ماننے سے بھی انکار کر دیا، پھر انھوں نے خواہش ظاہر کی کہ میں انہیں کوئی صائب مشورہ دوں، میں نے کہا، ہاں اس کے لئے تیار ہوں چنانچہ میں نے انہیں مشورہ دیتے ہوئے عرض کیا۔ میرا سب سے پہلا مشورہ تو یہ ہے کہ آپ ان لوگوں سے چندہ طلب کیجئے، جن کے بارے میں یقین ہے کہ وہ انکار نہیں کریں گے اور چندہ دے دینگے۔ اس کے بعد ان لوگوں کو پکڑیئے۔ جن کے بارے میں شبہہ ہو کہ معلوم نہیں دیتے ہیں یا نہیں۔ ان لوگوں کو پہلے لوگوں کی فہرست دکھایئے اور بتایئے کہ یہ حضرات آپ کے مجوزہ کار خیر میں حصہ لے چکے ہیں۔ ان دونوں سے نمٹ چکنے کے بعد ان لوگوں کی طرف رخ کیجئے جن کے بارے میں یقین ہے کہ چندہ نہیں دیں گے۔ ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ کے بارے میں آپ کو غلط فہمی ہو۔ اور وہ دے ہی دیں۔ میرا یہ مشورہ سن کر وہ ہنس پڑے، میرا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کہ وہ ضرور میری بات

پر عمل کریں گے ، انہوں نے واقعی عمل کیا، ہر گھر پر پہنچے ، اور توقع سے کہیں زیادہ چندہ جمع کر لیا۔ اس رقم سے انہوں نے ایک شاندار ، اور عمدہ عمارت جماعت خانے (Meeting House) کے لئے تعمیر کر لی، جو آج اسٹریٹ میں موجود ہے۔

ہمارا شہر اگرچہ ایک خوبصورت نقشے کے مطابق تعمیر کیا گیا تھا۔ سڑکیں ، لمبی اور چوڑی تھیں اور بالکل سیدھی ، اور باہم دگر سیدھے زاویے کو کراس کرتی تھیں ۔ لیکن جو سڑکیں مدت سے کسمپرسی کی نذر ہو رہی تھیں ۔ انہوں نے شہر کے حسن و خوبی کو غارت کر دیا تھا۔ بارش کے موسم میں بڑی گاڑیاں کیچڑ میں دھنس جاتی تھیں اور سڑکوں سے گذرنا مشکل ہو جاتا تھا ۔ اور خشک موسم میں گرد و غبار کے باعث انتہائی اذیت ہوتی تھی ۔ میں جرسی مارکیٹ کے قریب رہتا تھا ۔ اور دکھ کے ساتھ یہ منظر دیکھتا تھا ۔ کہ کیچڑ میں لت پت ضروریاتِ زندگی کی خریداری پر یہاں کے لوگ مجبور ہیں ۔

وسط مارکیٹ کے زیریں حصے میں اینٹوں کا ایک پختہ فرش سا بنا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ مارکیٹ میں آنے کے بعد ان کے پاؤں مضبوط فرش پر پڑتے تھے ۔ لیکن ذرا جو نا ادھر سے ادھر ہوئے اور کیچڑ سے سابقہ پڑا۔ اس مسئلے پر میں نے تقریر و تحریر کے ابتدائی اقدام کے بعد فیصلہ کیا کہ یہ حصہ پتھر کے فرش سے پختہ ہو جانا چاہیئے ۔ یعنی مارکیٹ اور اینٹوں کے فرش کا درمیانی حصہ پتھر کے فرش کا بنا دیا جائے ۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا۔ کچھ عرصے تک کام ٹھیک سے چلتا رہا۔

لیکن چونکہ اسٹریٹ کا باقی حصہ پختہ نہیں کیا گیا تھا۔اس لئے جب کوئی گاڑی کیچڑ میں سے ہوتی ہوئی ادھر سے گذرتی تھی تو یہ گویا کیچڑ کا لیپ کرتی ہوئی جاتی تھی۔اور تھوڑی سی دیر میں کیچڑ ہی کیچڑ ہی نظر آنے لگتا تھا۔ اسے ہٹانے اور صاف کرنے کا بھی کوئی بندوبست نہیں تھا۔اس لئے کہ اس وقت تک شہر میں کوڑا کرکٹ صاف کرنے کے لئے خاکروبوں کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔

کچھ عرصے کی تلاش وجستجو کے بعد مجھے ایک ایسا آدمی مل گیا جس نے یہ ذمہ داری لے لی کہ ہفتہ میں دوبار پختہ پٹڑی کو صاف کر دیا کرے گا۔اور پڑوس کے تمام گھروں کے سامنے جو کوڑا کرکٹ جمع ہوگا، اسے بھی پھینک آیا کریگا۔ معاوضہ یہ طے ہوا کہ ہر گھر سے چھ پنس ماہوار ملاکریں گے۔اب میں نے ایک اعلان شائع کیا۔اور محلے کے لوگوں کو بتایا کہ اس معمولی سی رقم کو خرچ کرنے سے کتنا بڑا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔مثلاً گھر صاف رہے گا، باہر سے جو لوگ گھر میں داخل ہوں گے۔ وہ اپنے جوتوں میں کیچڑ اور مٹی بھر کر نہیں لائیں گے دوکانیں صاف رہیں گی۔خریدار بغیر کسی جھجھک اور تکلیف کے اندر داخل ہو سکیں گے۔اور جھکڑ اور گرد وغبار دکان کی چیزوں کو خراب نہیں کرے گا۔ اس طرح کی اور بہت سی چیزیں بھی اس اعلان میں درج تھیں، یہ اعلان میں نے ہر گھر میں بھیج دیا۔اور دو دن انتظار کرنے کے بعد ایک گشت یہ معلوم کرنے کے لئے لگایا کہ کون کون صاحبان یہ رقم دینے کے لئے تیار ہیں۔معلوم ہوا بالاتفاق سب تیار ہیں۔کافی عرصے تک یہ اسکیم نہایت کامیابی کے ساتھ

چلتی رہی۔ شہر کے تمام لوگ، اس پٹری کے صاف رہنے سے بہت خوش تھے۔ جو مارکٹ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی۔ یہ اسکیم سب ہی کے لئے آرام دہ تھی۔ اور اس سے یہ جذبہ ابھرا کہ تمام اسٹریٹوں پر اس طرح کی پٹریاں بنادی جائیں۔ یہ جذبہ اتنا شدید تھا کہ لوگ اس کے لئے جداگانہ محصول ادا کرنے کو تیار ہو گئے۔

کچھ عرصے کے بعد میں نے ایک بل اسمبلی میں اس مضمون کا پیش کیا۔ یہ واقعہ میرے انگلستان جانے سے ذرا پہلے یعنی ۱۷۵۷ء کا ہے۔ بل میری روانگی تک منظور نہیں ہوا تھا۔ جو آخر کار مع اس اضافے کے منظور ہوا کہ پٹریوں کی تعمیر کے ساتھ سڑکوں پر روشنی کا بندوبست کیا جائے۔ جسے ترقیاتی کاموں میں نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ یہ خیال مسٹر جان کلفٹن کی ایک جدت سے پیدا ہوا تھا جنہوں نے اپنے گھر کے سامنے ایک لیمپ لٹکا کر اس کی افادیت عام مشتہر کر دی تھی۔ اسی وجہ سے لوگوں نے مطالبہ کیا کہ سارے شہر کو اسی طرح روشن کر دیا جائے۔ اس عوامی فائدہ رسانی کا اعزاز بھی میری ہی طرف منسوب کیا گیا۔ لیکن درحقیقت یہ کارنامہ مسٹر جان کلفٹن کا تھا۔ میں نے صرف یہ کیا کہ ان کی مثال کی پیروی کی میں البتہ لیمپوں کے بنانے میں کسی حد تک میری فکر کو ضرور دخل رہا۔ پہلے پہل لندن سے گلوب لیمپس فراہم کئے گئے تھے۔ میرے ان سے مختلف تھے لندن کے لیمپوں میں یہ خامی تھی کہ وہ ہوا کا جھونکا برداشت نہیں کر سکتے تھے، فوراً بجھ جاتے تھے۔ دھواں پورے طور پر باہر نہ نکلتا تھا۔ بلکہ گلوب میں

گھومتا رہتا تھا اور چمنی پر جمتا رہتا تھا۔ اور اسے سیاہ کر کے اندھیرا بنا دیتا تھا۔
جس کے باعث ہر روز چمنی کا صاف کرنا لازمی تھا۔ ذرا بھی دھکا لگ جاتا، تو
نکما ہو جاتا۔ پھر کسی کام کا نہ رہ جاتا۔ میں نے لیمپوں کے لئے یہ تجویز کیا کہ چونچے
دار بنائے جائیں۔ دود کش لمبا رکھا جائے تاکہ دھواں آسانی کے ساتھ باہر
نکل جائے۔ اور دراز اس طرح کی رکھی جائے کہ ہوا کا جھونکا بآسانی برداشت
کرلے۔ اس طرح اس لیمپ کو صاف رکھنا بھی آسان تھا۔ اور چند گھنٹوں
کے اندر اس کی چمنی دھوئیں سے سیاہ فام نہیں ہوتی تھی۔ جیسا کہ لندن کے
لیمپوں میں یہ خرابی موجود تھی۔ میرے لیمپ صبح تک صاف شفاف رہتے تھے
اگرچہ کوئی حادثاتی جھٹکا اسے توڑ سکتا تھا۔ لیکن دود کش کا تبدیل کرنا کوئی
مشکل کام نہ تھا۔

بعض اوقات مجھے حیرت ہوتی ہے کہ لندن والوں نے واکس ہال
(Vaux Hall) میں جو گلوب استعمال ہوتا تھا، اس کے زیریں حصے کے
سوراخوں کو جو اسے صاف رکھنے کا سبب تھے، اور سڑک پر لٹکنے والے
لیمپوں میں بھی وہی طریقہ کیوں اختیار کیا۔ واکس ہال کے لیمپ کے سوراخوں
کا مقصد ہی دوسرا تھا۔ وہ مقصد یہ تھا کہ شعلہ تیزی کے ساتھ فتیلے تک
پہنچ جائے۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ ہوا آسانی سے گذر سکے۔ اس طرف،
ان لوگوں کا ذہن نہیں گیا۔ لہٰذا تھوڑی دیر جلنے کے بعد لیمپ کی روشنی
دھیمی پڑ جاتی تھی۔ اور لندن کی سڑکیں اس انتظام کے باوجود اندھیری

ہو جاتی تھیں۔!

ان ترقی بخش تبدیلیوں نے مجھے اپنے دوران قیام لندن میں، ڈاکٹر فادر گل (Father gwell) سے متعارف ہونے کا موقعہ دیا۔ جو ان لوگوں میں بہترین شخص تھے، جن سے اب تک میں واقف تھا۔ ان کا سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ مفید منصوبوں کو آگے بڑھانے اور انہیں فروغ دینے میں بڑے انہماک سے حصہ لیا کرتے تھے۔

میرا خیال تھا کہ سڑکیں اگر خشک ہوں تو ان کی صفائی کی ضرورت نہیں ہے اور معمولی غبار خود ہی نابود ہو جائے گا۔ لیکن ہوا یہ کہ یہ معمولی غبار جمع ہونے لگا۔ یہاں تک کہ بارش نے اسے کیچڑ میں تبدیل کر دیا اور چند روز تک سڑک کی پٹریوں پر جمع رہنے کے بعد، اسے یوں ہی چھوڑ دیا گیا۔ لیکن سڑکوں کا کوڑا جھاڑو دے کو صاف کرنا پڑا، یہ بڑی محنت کا کام تھا۔ اسے کھلے منہ کی گاڑیوں میں ڈال دیا جاتا تھا۔ ان کے نیچے لٹکے ہوئے ڈھبرے پٹریوں کا کوڑا کرکٹ بھی اکھاڑتے چلے جاتے تھے۔ جس سے پا پیادہ چلنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ کوڑے کرکٹ سے بھری ہوئی سڑکوں کو صاف نہ کرنے کی وجہ یہ بتائی گئی کہ گرد دوکانوں کی کھڑکیوں اور گھروں کے بالائی حصے پر چلی جاتی ہے۔

ایک اتفاقی واقعہ نے مجھے یہ راہ دکھادی کہ مختصر وقت میں زیادہ سے زیادہ صفائی کیونکر ممکن ہے۔ ایک صبح کریون اسٹریٹ میں اپنے گھر کا یہ منظر دیکھا کہ ایک غریب عورت چھوٹی سی جھاڑو سے چبوترہ صاف کر رہی ہے۔ یہ بہت زرد اور کمزور نظر آرہی تھی۔ جیسے ابھی ابھی دوروں کی بیماری سے اٹھی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا،

"اس کام پر تمہیں کس نے مامور کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا،

"کسی نے بھی نہیں، لیکن میں بہت غریب اور تنگ دست ہوں، میں شریف لوگوں کے دروازے اور چبوترے جھاڑ پونچھ دیتی ہوں، آس یہ ہوتی ہے کہ شاید کچھ میری جھولی میں ڈال دیں۔"

میں نے کہا،

"یہ پوری سڑک صاف کر دو، میں ایک شلنگ دوں گا۔"

یا تو وہ آہستہ آہستہ کام کر رہی تھی۔ یا یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ بڑی جلدی

اس نے یہ کام ختم کر دیا۔ اور میرے ملازم سے کہلوایا، آیئے دیکھ جایئے، ملازم نے مجھے بتایا، پوری سڑک آئینہ کی طرح صاف ہے اور سارا کوڑا گٹر میں ڈال دیا گیا ہے۔ جو سڑک کے وسط میں تھا۔ دوسری بارش یہ سب بہالے گئی۔

اب میں نے محسوس کیا کہ اگر ایک کمزور عورت تین گھنٹے میں اتنی لمبی چوڑی، سڑک صاف کر سکتی ہے تو ایک مضبوط و توانا آدمی آدھے گھنٹے میں یہ کام کر سکتا ہے۔ اس کام میں سہولت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اتنی تنگ گلی میں ایک ہی گٹر تھا۔ جو وسط میں بہہ رہا تھا۔ اگر دو گٹر دونوں طرف ہوں تو پا پیادہ چلنے والوں کو بارش سے تکلیف بھی نہ ہو گی۔ اور سڑک بھی صاف ہو جائے گی، میں نے یہ تجویز ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں پیش کر دی:

"سڑکوں کی اچھی صفائی، اور صفائی کو قائم رکھنے کے لئے جو ویسٹ منسٹر ایسے میں واقع ہیں، یہ ضروری ہے کہ ایک معقول تعداد ایسے لوگوں کی مقرر کی جائے جو اس کام کی نگہداری کر سکیں خشک موسم میں کوڑا کرکٹ اور گرد و غبار صاف کریں اور دوسرے موسم میں جو کیچڑ جمع ہو جائے، اسے صاف کر ڈالیں۔ اس مقصد کے لئے ان لوگوں کو جھاڑو، اور دوسری متعلقہ ضروری چیزیں فراہم کی جائیں۔ تاکہ غریب اور بے کار لوگوں کو اس طرح روزگار بھی فراہم ہو جائے۔ یہ ساری چیزیں ایک جگہ پر موجود ہونی چاہئیں اور بروقت ضرورت ان لوگوں کے حوالے

کر دینی چاہئیں۔

نیز یہ کہ بہار کے خشک موسم میں کوڑا کرکٹ، قبل اس کے
کہ کھڑکیاں اور دوکانوں کے دروازے کھلیں، ڈھیر کرکے کافی
فاصلے پر ڈھیر کر دیا جائے کرسے جہاں خاکروب بند گاڑی،
لے کر آئیں اور اس سارے ڈھیر کو اٹھالے جائیں۔

نیز یہ کہ کیچڑ جب جمع ہوجائے تو اسے کسی جگہ ڈھیر نہ کیا
جائے کہ اس طرح گزرتی ہوئی گاڑیاں اور گھوڑوں کے سم پھر
تتر بتر کر دیں گے۔ پھر اپنے وقت پر خاکروب چھوٹی گاڑیاں
لے کر آئیں جو زیادہ اونچی نہ ہوں، اور اسے سمیٹ کرلے جائیں
اور لے جاکر اسے بڑی نالیوں میں ڈال دیں۔ پانی اسے فوراً
بہالیجائے گا۔ یہ گاڑیاں بھی حسب ضرورت کام کرنے کیلئے
تھوڑے تھوڑے فاصلے پر موجود رہنی چاہئیں۔ اور جو کیچڑ پہیے
دار ٹھیلیوں کے ذریعہ لایا جائے۔ یہ ٹھیلے اس وقت تک
واپس نہ جائیں جب تک کیچڑ پانی کے زور سے بہہ نہ جائے؛"

آخر الذکر طریقۂ کار کے بارے میں کسی حد تک مجھے شبہہ تھا کہ میری
تجویز کا یہ حصہ جو میں نے پیش کی ہے آیا یہ تجویز قابل عمل بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ

سڑکوں کی تنگی اور ڈرینیج کی دشواریوں کے باعث جن سے راستہ کسی حد تک رک جانے کا اندیشہ تھا، یہ خیال بار بار مجھے پریشان کرتا تھا۔ لیکن اب بھی میری یہ رائے ہے کہ میری تجویز کا پہلا حصہ جس کی رو سے دوکانوں کے کھلنے سے پہلے ان کی کھڑکیوں اور دروازوں کا صاف کرنا ضروری تھا، موسم بہار میں خاص طور پر بہت اچھی طرح قابل عمل تھے۔ کیونکہ اسٹرینڈ اسٹریٹ اور فلیٹ اسٹریٹ میں صبح ۷ بجے ہیں واکنگ کیا کرتا تھا۔ ایک روز اسی وقت میں نے دیکھا، کوئی دوکان بھی کھلی ہوئی نہیں تھی۔ اگرچہ اب سورج نکل چکا تھا کیونکہ لندن کے باشندے بڑے شوق سے شمع کی روشنی پسند کرتے اور سورج نکلنے تک سوتے رہتے ہیں، انہیں اکثر یہ شکایت رہتی ہے کہ موم بتیوں کی ڈیوٹی پر اضافہ کیوں کیا جاتا ہے! اور موم بتی بنانے کے لئے جو چربی استعمال ہوتی ہے اس کی قیمت کیوں چڑھ گئی ہے!

بعض اصحاب کو خیال ہو سکتا ہے کہ یہ معمولی سی باتیں نہ سوچنے کی ہیں، نہ ذکر کرنے کی، لیکن اگر وہ اس پر غور کریں کہ اگرچہ جو گرد اڑ کر کسی آدمی کی آنکھوں میں پہنچتی ہے یا جو کسی ایک کھڑکی پر جا کر جم جاتی ہے، وہ ایک بہت معمولی سی چیز ہے۔ لیکن کثیر آبادی رکھنے والے کسی شہر میں یہ مثالیں اکا دکا نہیں بلکہ بہت بڑی اور زیادہ ہو جاتی ہیں۔ اور اس چیز کا بار بار اعادہ حد درجہ تکلیف دہ اور خطرناک ثابت ہو جاتا ہے تو شاید یہ بات اتنی معمولی نہ ہو، جتنی بظاہر نظر آتی ہے اور وہ لوگ قابل اعتراض نظر آئیں جو اس "معمولی" سی بات پر اپنا وقت اور اپنی فکر

صرف کرتے ہیں، انسانی نشاط و مسرت ہر روز اور ہر وقت قسمت کی خوبی سے حاصل نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر آپ کسی نوجوان کو تلقین کریں کہ وہ اپنا شیو ہر روز کیا کرے، اور اپنے ریزر کو صاف رکھا کرے، تو آپ اس کی زندگی میں وہ نشاط و مسرت پیدا کر دینے کا سبب بنیں گے جو ایک ہزار گنی سے بھی اسے حاصل نہیں ہو سکتی۔ روپیہ جلد خرچ ہو جاتا ہے۔ اس بات کا غم رہ جاتا ہے کہ اسے بے پروائی کے ساتھ ضائع کر دیا گیا۔ لیکن دوسری صورت میں اس نوجوان نے بار بار کے انتظار میں جو وقت صرف ہوتا وہ بچا لیا۔ اور اس کے ہاتھ میں جو میل کچیل ہوتا اس سے بچ گیا۔ خراب ہوا اور خراب ریزر سے بچا رہا اور خود بروقت شیو کر کے سہولت سے بہرہ ور ہوا، اور ہر روز یہ خوشی حاصل کرتا رہا کہ یہ شیو اس نے جس ریزر سے کیا وہ بالکل صاف تھا، بس اسی جذبے نے یہ چند صفحے مجھ سے لکھوائے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ ان صفحات سے چند اشارے ایسے ملیں گے جو کسی نہ کسی وقت اس شہر کیلئے سودمند ثابت ہوں گے جس سے میں محبت کرتا ہوں، کیونکہ اس شہر میں سالہا سال خوشی اور مسرت کی زندگی میں نے گذاری ہے۔ یہ اشارے، مجھے امید ہے اسی طرح امریکی شہروں کے لئے بھی نفع بخش ثابت ہوں گے۔

• امریکہ کے پوسٹ ماسٹر جنرل کے ماتحت متعدد سرکاری دفتروں کو ضابطہ اور باقاعدہ بنانے کیلئے، ان کے ماتحت کمپٹرولر کی حیثیت سے کچھ عرصے تک کام کیا، افسروں کو حساب کے فن سے روشناس کرایا اور اس کا عادی

بنایا، ۱۷۵۳ء میں پوسٹ ماسٹر جنرل کا انتقال ہو گیا، تو میں اور مسٹر ولیم ہنٹر مشترک طور پر اس منصب پر مامور ہوئے۔ پوسٹ ماسٹر جنرل انگلستان نے اسی طرح کا حکم نافذ کیا تھا، امریکی آفس برطانیہ کو اس سلسلے میں کچھ رقم ادا نہیں کرتا تھا۔ ہم دونوں کو مشترک طور پر چھ سو پونڈ سالانہ ملتے تھے۔ بشرطیکہ یہ رقم ہم اس کا نفع پورا کر کے نکال سکیں، یہ کرنے کے لئے چند ترقیاتی، اسکیموں پر عمل ضروری تھا۔ ان اسکیموں پر شروع میں بہت زیادہ رقم صرف کرنا پڑی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابتدائی چار سالوں میں ہمارے دفتر پر ہمارے نو سو پونڈ واجب ہو گئے۔ لیکن ان اسکیموں سے جلد ہی نفع بھی شروع ہو گیا، اور ہماری باقی ماندہ رقم وصول ہو گئی۔ اور قبل اس کے کہ وزراء کی عجوبہ کاریوں کے باعث یہاں سے ہٹوں، —— جس کی تفصیل آگے بیان کروں گا —— ہم نے اپنے دفتر کا نفع، تاج کی خدمت میں آئرلینڈ کے پوسٹ آفس سے تین گنا زیادہ پیش کیا، ہماری علیحدگی کے بعد، اس ناعاقبت اندیشانہ فیصلے کا نتیجہ یہ نکلا کہ پھر ایک پھوٹی کوڑی بھی نفع کی صورت میں زیادہ نہیں وصول ہوئی۔

پوسٹ آفس کی ملازمت کے زمانے میں اس سال مجھے نیو انگلینڈ کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ جہاں کیمبرج کالج نے خود اپنی صواب دید پر، مجھے، ایم۔ اے کی ڈگری عطا کی۔ ییل کالج اس سے پہلے اس اعزاز سے مجھے مفتخر کر چکا تھا۔ اس طرح کسی کالج میں باقاعدہ تعلیم حاصل کئے بغیر مجھے سند یافتہ

ہونے کا اعزاز حاصل ہو گیا۔ یہ اعزاز میری ترقیاتی کارگذاریوں، اور نیچرل فلاسفی کی برقی شاخ سے متعلق اکتشافات کے سلسلہ میں مجھے عطا ہوا تھا۔

۱۷۵۴ء میں فرانس سے جنگ کا پھر اندیشہ پیدا ہو گیا۔ مختلف نوآبادیات کے کمشنروں کا ایک اجتماع لارڈس آف ٹریڈس کے حسب ایما ایلبنی (Albany) میں منعقد ہوا تاکہ چھ اقوام کے سرداروں سے دفاع کے مسئلے پر صلاح و مشورہ کیا جا سکے۔ جس کا دونوں ممالک —— امریکہ و برطانیہ —— سے تعلق تھا۔

گورنر ہملٹن نے یہ حکم پاتے ہی ہاؤس (ایوان) کو اس سے مطلع، کر دیا۔ اور استدعا کی کہ وہ انڈینس (Indians) کے لئے کچھ تحائف ساتھ لائیں جو اس موقع پر انہیں دیئے جائیں گے۔ ساتھ، ہی ساتھ انہوں نے اسپیکر (مسٹر نورس) کو اور مجھے نامزد کیا، کہ ہم مسٹر تھامس پین اور مسٹر سیکرٹری منیرس کے ساتھ مل کر پنسلوربنا کے کمشنر کی حیثیت سے کام کریں۔ ایوان نے یہ نامزدگی، منظور کرلی اور تحائف کے لئے چیزیں بھی فراہم کر دیں۔ اگرچہ ممبرانِ اسمبلی دوسرے صوبوں سے گفت و شنید کو کچھ زیادہ پسند نہیں کرتے تھے۔ بہرحال ہم اور دوسرے کمشنران وسط جون میں بمقام

ایلینی جمع ہوئے۔

اس سفر پر جاتے ہوئے میں نے ایک منصوبہ بنایا۔ اور اس کا ایک خاکہ بھی تیار کر لیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ تمام نوآبادیات کی ایک یونین قائم کی جائے۔ جو ایک حکومت کے ماتحت کام کرے، اس کے اختیارات دفاع اور بعض دوسرے اہم معاملات تک محدود ہوں۔ جب ہم، نیویارک کے قریب پہنچے تو میں نے اپنا منصوبہ مسٹر جیمس ایلگزنڈر اور مسٹر کینڈی کو دکھایا، یہ دونوں حضرات عوامی معاملات سے غیر معمولی طور پر واقف تھے۔ ان حضرات کی تائید حاصل کر کے میں نے یہ منصوبہ کانگرس کے سامنے پیش کر دیا، معلوم ہوا، اور بھی کئی کمشنر انہی خطوط پر سوچ رہے ہیں۔ سب سے پہلا سوال یہ زیرِ غور آیا کہ کیا ایسی یونین قائم کی جائے؟ یہ تجویز متفقہ طور پر منظور ہو گئی۔ پھر ایک کمیٹی کی تشکیل ہوئی جس میں ہر نوآبادی کا ایک ممبر رکھا گیا۔ اس کے ذمے کام یہ تھا کہ مختلف اسکیموں پر اس سلسلے میں غور کرے اور اپنی رپورٹ پیش کرے۔ میرا مسودہ سب پر قابل ترجیح قرار پایا۔ البتہ اس میں چند ترمیمیں ضرور کی گئیں اور اس کی رپورٹ کا موضوع بنا لیا گیا۔

اس اسکیم کے ماتحت، حکومت عمومی (General Government) کی سربراہی ایک پریسیڈنٹ جنرل کے ذمے تھی۔ جس کی نامزدگی تاج کو

کرنا تھی۔ اور ایک مجلس کبیر (Grand council) کا انتخاب کرنا تھا۔ جس کے ممبروں کو متعدد نوآبادیات کے نمائندے اپنی اپنی اسمبلی میں منتخب کرتے۔ کانگرس میں اس مسئلے پر روزانہ بحث و مباحثے کا سلسلہ انڈینس (Indians) کی کارروائیوں کے ساتھ ساتھ جاری رہا، متعدد اعتراضات اٹھائے گئے۔ اور کئی دشواریاں پیش آئیں۔ لیکن آخر کار ان سب پر غلبہ پالیا گیا۔

اسکیم متفقہ طور پر منظور ہوگئی۔ اور اس کی نقول بورڈ آف ٹریڈ کو، ارسال کر دی گئیں۔ نیز متعدد نوآبادیات کی اسمبلیوں کو بھیجی گئیں۔ لیکن اس اسکیم کی قسمت میں کچھ اور ہی لکھا تھا۔ صوبائی اسمبلیوں نے اسے نامنظور کر دیا کیونکہ ان کے خیال میں، اس کی رو سے تاج کے اختیارات بہت زیادہ، وسیع اور مطلق العنان ہو جاتے تھے اور انگلستان میں اس کے متعلق یہ رائے قائم کی گئی کہ یہ ضرورت سے زیادہ جمہوری ہے۔ لہٰذا بورڈ آف ٹریڈز نے نہ اسے منظور کیا، نہ ملک معظم کی منظوری کے لئے پیش کیا۔ اس کے بجائے ایک اور اسکیم ترتیب دی گئی۔ جس کے متعلق کہا گیا کہ یہ اصل اسکیم سے زیادہ بہتر ہے۔ بلکہ اسی کی بہترین شکل ہے طے یہ ہوا کہ گورنران صوبہ اپنی کونسلوں کے چند ممبروں کے حسب مشورہ فوج میں اضافے کا حکم دے سکتے ہیں قلعے تعمیر کر سکتے ہیں۔ اور برطانیہ عظمیٰ کے خزانے سے مصارف کی رقم حاصل کر سکتے ہیں۔ جسے بعد ازاں، پارلیمنٹ

کے ایک ایکٹ کی رو سے جس کے مطابق امریکہ پر ایک ٹیکس عاید کیا گیا تھا، واپس کرنا ضروری اور لازمی تھا۔ میرا منصوبہ، مع میرے دلائل کے میرے سیاسی مقالات و مضامین میں مل سکتا ہے جو شائع ہو چکے ہیں۔

اسی سال میں بوسٹن گیا، میں نے گورنر شرلے سے ان دونوں اسکیموں پر تفصیلی گفتگو کی۔ ہم دونوں کی گفتگو کا ایک حصہ میرے سیاسی کاغذات میں موجود ہے۔ جو دیکھا جا سکتا ہے۔ اس اسکیم سے اختلاف، اور اس کے خلاف ناپسندیدگی کے، استدلال کے جوش نے میرے دل میں یہ شبہہ پیدا کر دیا کہ درحقیقت میری اسکیم ہی بہترین ہو سکتی تھی اور میری اب بھی یہ رائے ہے کہ اگر وہ منظور ہو جاتی تو طرفین کیلئے بہتر ہوتا۔ مستعمرات اس طرح متحد ہو کر اتنی طاقت بہم پہنچا سکتی تھیں کہ انبار نا لم بآسانی کر سکیں۔ اس کے بعد انگلستان سے فوجیں بھیجنے کی ضرورت نہ پڑتی، بلاشبہہ از راہ فریب امریکہ پر ٹیکس عائد کرنا اور اس کے خوں ریز عواقب سے بہ آسانی بچا جا سکتا تھا۔ لیکن اس طرح کی غلطیاں اپنی نوعیت کے اعتبار سے نئی نہیں ہیں۔ تاریخ کے اوراق حکومتوں اور بادشاہوں کی خطا کاریوں کے واقعات سے بھرے ہوئے ہیں جن لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار ہوتا ہے وہ اپنے امور میں اتنے الجھے ہوئے ہوتے ہیں کہ وہ یہ سوچنے کا وقت بھی نہیں نکال پاتے کہ نئے منصوبوں کو رو بہ کار لائیں۔ لہٰذا بہترین طریق کار وہ ہے جو کبھی کبھی دانش کے سبق سے اخذ کیا جاتا ہے اور حالات اسے رو بہ کار لے آتے ہیں۔

پنسلوینیا کے گورنر نے میری اسکیم اسمبلی کو بھیجتے ہوئے اور اظہار پسندیدگی کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"یہ منصوبہ میرے نزدیک بہترین توازن اور پوری قوت فیصلہ کو کام میں لاتے ہوئے مرتب کیا گیا ہے لہذا یہ اس سفارش کے ساتھ بھیجا جاتا ہے کہ ایوان کی پوری توجہ اور التفات کا مستحق ہے۔!"

لیکن ایوان بہر حال ایک خاص ممبر کی تدبیر کے ماتحت اس وقت اسے زیر غور لایا، جب میں ایوان سے غیر حاضر تھا، اور میرے خیال میں یہ نہایت نامناسب بات تھی، ایوان نے اس پر غور کرنے کی زحمت نہیں گوارا کی، اور اسے یک قلم مسترد کر دیا، جس سے مجھے بے انتہا اذیت اور تکلیف ہوئی۔

اس سال بوسٹن کے دوران سفر میں، بمقام نیو یارک اپنے نئے گورنر مسٹر مورس سے ملنے کا موقعہ ملا، جو ابھی ابھی انگلستان سے آئے تھے، اور جن سے قبل ازیں میرے دوستانہ روابط رہ چکے تھے، انہوں نے مسٹر ہملٹن کی جگہ لی تھی جو یہاں کے اختلافات کے باعث اُن ہدایات پر عمل نہ کر سکے جو اپنے ساتھ لائے تھے، آخر استعفار دے دیا، مسٹر مورس نے مجھ سے سوال کیا۔

"کیا میں ایک ناکام ایڈمنسٹریٹر نہیں ہوں گا، ؟"

میں نے جواب دیا، :

"جی نہیں، بلکہ اس کے برعکس میری رائے تو یہ ہے کہ آپ کا عہد انتظام نہایت کامیاب ہوسکتا ہے اگر آپ اسمبلی کے تنازعات کے سلسلے میں مداخلت نہ کریں، !"

سرخوشی کے عالم میں جواب دیا !

"میرے عزیز دوست، تنازعات میں مداخلت کرنے اور حصہ لینے سے تم مجھے منع کر رہے ہو، تمہیں معلوم ہونا چاہیئے، ان چیزوں سے مجھے دلچسپی ہے اس طرح کے لمحات تو میرے لئے حد درجہ مسرت بخش ہوتے ہیں، بہرحال یہ تمہارا لحاظ احترام ہے کہ وعدہ کرتا ہوں جہاں تک ممکن ہوسکا، ان چیزوں سے اجتناب کروں گا، !"

مسٹر مورس اگر اختلافات و تنازعات کے خوگر اور ان سے مانوس تھے تو اس کی وجہ بھی تھی، خوش بیانی اور خطابت ان کی صفت تھی، سوفسطائیت دیرینہ عادت تھی، لہذا اختلافی اور متنازعہ فیہ امور پر باتیں کرنے کا بڑا اچھا سلیقہ رکھتے تھے، بچپن ہی سے ان کی اس طرح کی تربیت ہوئی تھی، جیسا کہ میں نے سنا ہے اُن کے والد اپنے بچوں کو، بحث و اختلاف کا عادی بنانے کے لئے کھانے سے فراغت کے بعد اُنہیں ترغیب دیتے تھے کہ ہاں بھئی بحث میں کون جیتا؟ اور پھر یہ سلسلہ شروع ہو

جاتا لیکن میرے نزدیک یہ طریقہ کچھ مناسب نہیں، کیونکہ میرے مشاہدے کا جہاں تک تعلق ہے اس قسم کی جنگ" یہ مباحثے اور ایک دوسرے کی تردید، اور جواب الجواب، جن لوگوں کی عادت بن جاتے ہیں وہ زندگی کے معاملات میں کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہوتے بعض دفعہ جیت ہو جاتی ہے، لیکن اس سے اعتماد نہیں پیدا ہوتا، اور ضرورت اسی کی ہوتی ہے، بہر حال اس گفتگو کے بعد ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، وہ فلاڈلفیا چلے گئے، اور بوسٹن روانہ ہو گیا۔

واپسی میں بہ مقام نیویارک مجھے پتہ چلا کہ اپنے وعدے کے باوجود مسٹر مورس جو انہوں نے مجھ سے کیا تھا، صورت حال یہ تھی کہ ان میں اور اسمبلی میں خوب چل رہی تھی اور جب تک وہ گورنر رہے یہ جنگ آزمائی تسلسل کے ساتھ زور شور سے جاری رہی اس جنگ میں جو میرا حصہ مقرر تھا مجھے بھی ملا، میں جیسے ہی واپسی کے بعد اسمبلی میں ممبر کی حیثیت سے پہنچا، تو مجھے ہر اس کمیٹی میں شریک کر لیا جاتا جو مسٹر مورس کے پیامات اور تقریروں کا جواب دیتی، کمیٹی اپنے جوابات کا مسودہ مجھی سے تیار کراتی، ہمارے جوابات تلخ بھی ہوتے، اور کبھی کبھی گستاخانہ بھی، اور چونکہ وہ جانتے تھے لکھنے والا میں ہوں، لہذا خیال ہو سکتا ہے کہ جب کبھی بھی ہم ملتے ہوں گے الجھ پڑتے ہوں گے، لیکن ایسا نہیں تھا وہ اتنی اچھی فطرت کے آدمی تھے کہ اس جنگ آزمائی کے باوجود ہم میں کبھی ذاتی اختلاف نہیں پیدا ہوا، اکثر ہم ایک ساتھ رات کا کھانا کھایا کرتے۔

ایک سہ پہر کو جب یہ اختلافات نقطۂ عروج پر پہنچے ہوئے تھے، ایک سٹرک پر مڈبھیڑ ہوگئی، کہنے لگے۔

"فرینکلن چلو میری قیام گاہ تک میرے ساتھ چلو اور شام وہیں بسر کرو، وہاں کے "حاضرین" سے ملنا یقیناً تم پسند کروگے، !"

پھر میرے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اپنی قیام گاہ پر لے گئے، شراب نوشی کے دوران میں جو طعام شب کے بعد شروع ہوئی تھی، سرخوشی کے عالم میں، از راہ تفنن انہوں نے مجھ سے کہا:

مجھے سانچو پانزا کا خیال بہت پسند آیا، جب اسے گورنر بنانے کی تجویز ہوئی، تو اس نے درخواست کی کہ اسے کالوں پر گورنر بنایا جائے تاکہ اگر وہ اپنی رعایا سے متفق نہ ہو سکے تو انہیں فروخت کر دے، !"

مسٹر مورس کے ایک دوست جو پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے فرمانے لگے:

"فرینکلن تم ان مردود خائفیوں کا ساتھ کیوں دیتے ہو؟ ——— تم انہیں "فروخت" کیوں نہیں کر دیتے؟ پروپرائٹر تمہیں بہت اچھی قیمت دے گا، !"

میں نے جواب دیا، :

" گورنر صاحب نے یہاں کے لوگوں کو اب تک سیاہ فام بنانے میں کامیابی نہیں حاصل کی ہے، بلاشبہہ انہوں نے بڑی تکلیف برداشت کرکے اپنے بیانات کے ذریعہ اسمبلی کو روسیاہ کرنے کی پوری کوشش کی ہے، لیکن اس نے اپنی سیاہی خود گورنر صاحب ہی کے منہ پر الٹ دی، تاکہ وہ دیکھ لیں کہ خود ہی نیگرو بن گئے ہیں۔ "

مسٹر ہملٹن کی طرح مسٹر مورس بھی لڑتے لڑتے تھک گئے، آخر استعفاء دے کر چلے گئے۔

یہ پبلک تنازعات اور جھگڑے جو تھے ان کی تہ میں زمینداری کے حقوق ملکیت کارفرما تھے، ہمارے موروثی گورنروں کا شعار یہ تھا کہ جب بھی صوبے کے دفاع کے سلسلے میں کوئی مصرف درپیش آتا، تونہایت پھرتی کے ساتھ اپنے نمائندوں کو ہدایت دیتے کہ ٹیکس عائد کرنے کے متعلق کوئی قانون منظور نہ ہونے دیں جب تک ان کی وسیع زمینداری واضح الفاظ میں اس قانون کے اندر مستثنیٰ نہ کردی گئی ہو، تین سال تک اسمبلیاں اس ناانصافی کے خلاف نبرد آزما رہیں، آخر کار کیپٹن ڈینی نے جو مسٹر مورس کے بعد گورنر نامزد ہوئے تھے جرأت کرکے اس بے انصافی کا تدارک کرنے میں پورا زور لگا دیا، یہ واقعہ کس طرح رونما ہوا، اس کی تفصیل میں آگے چل کر سپرد قلم کروں گا، لیکن میں اپنی کہانی بیان کرتے کرتے بہت آگے نکل گیا، ابھی چند اور قابل ذکر واقعات ہیں جو گورنر مورس کے عہد میں پیش آئے۔

ایک طرح سے فرانس کے ساتھ جنگ شروع ہو چکی تھی، مساچوسٹس کے گورنر نے کراؤن پوائنٹ پر حملے کا ایک منصوبہ بنایا، اور مسٹر کوئنسی کو پنسلوینیا اور مسٹر پاؤنل Pownall کو نیویارک بھیجا کہ مدد حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ میں چونکہ اسمبلی کا ممبر تھا، لہذا اسمبلی کا مزاج داں تھا، اور مسٹر کوئنسی کا ہم وطن بھی تھا، انہوں نے مدد اور اعانت کی درخواست کی، میں نے انہیں وہ خطاب لکھوا دیا جو وہ اسمبلی سے کرنے والے تھے، جو بہت پسند کیا گیا، اور دس ہزار پونڈ اس سلسلے میں اسمبلی نے منظور کر لئے، لیکن گورنر نے اس بل کی توثیق کرنے سے انکار کر دیا، جب تک ایک دفعہ کا اس میں اضافہ نہ کر دیا جائے جس کی رو سے مملوکہ زمینداری ہر طرح کے ٹیکس سے مستثنیٰ نہ کر دی گئی ہو، اسمبلی اگرچہ نیو انگلینڈ کو موثر امداد دینے کی خواہش مند تھی، لیکن یہ بات اس کے بس سے باہر ہو گئی تھی، مسٹر کوئنسی نے بہت زور مارا کہ گورنر کی منظوری حاصل کریں، لیکن بے چارے کی ایک نہ چلی،

اس کے بعد میں نے ایک طریقہ تجویز کیا کہ گورنر کو بیچ میں لائے بغیر کام بن جائے، لون آفس (محکمۂ قرض) کے ٹرسٹیوں کو از روئے قانون اسمبلی اس رقم کی ادائی کا حکم دے سکتی تھی، اور اس طرح کا حکم دینا اس کا حق تھا، لون آفس میں بہت کم، بلکہ نہ ہونے کے برابر رقم تھی، میں نے تجویز کی یہ رقم محکمۂ قرض ایک سال میں ادا کرے، جس پر اسے پانچ فی صد سود دیا جائے گا، ان احکام کے بعد میرا خیال تھا کہ ضروری جنگی چیزیں بہ آسانی خریدی جا سکیں گی، اسمبلی نے خفیف سے تذبذب کے بعد یہ تجویز منظور کر لی، یہ احکام فوراً طبع کر لئے گئے، میں اس کمیٹی

ایک ممبر تھا جسے ان احکام پر دستخط کرنا، اور منزل مقصود کی طرف روانہ کرنا تھا، وہ فنڈ جو اس دفتر کو ادا کیا جانے والا تھا، کاغذی سکّے کا نفع تھا جو سارے صوبے میں پھیلا ہوا تھا، اس میں وہ ریونیو بھی شامل تھا جو اکسائز سے وصول ہونے والا تھا، بظاہر یہ بہت معقول بات تھی، چنانچہ فوراً قرض وصول ہوگیا اور نہ صرف مطلوبہ ضروریات کی قیمت وصول ہوگئی، بلکہ بہت سے دولت مند لوگوں نے جن کے پاس نقد روپیہ بیکار پڑا تھا، اس قرض کی مد میں اپنی رقم لگادی، کیونکہ قرض کے قسطات سے نہ صرف انہیں معقول نفع مل رہا تھا بلکہ انہیں حسب ضرورت زرِ نقد کے طور پر استعمال بھی کیا جاسکتا تھا، اور ظاہر ہے یہ بڑی نفع بخش صورت تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ قرض کے یہ قسطات بہت جلد فروخت ہوگئے، ایک بھی باقی نہ رہا، اس طرح یہ اہم ترین معاملہ میرے ذریعہ سے انجام پاگیا، مسٹر کوئنسی نے اسمبلی کا شاندار الفاظ میں شکریہ ادا کیا، خوش خوش گھر واپس گئے کہ ان کی سفارت ضرورت سے زیادہ کامیاب رہی، ان کا رویّہ میرے ساتھ ہمیشہ حد درجہ تپاک اور گرم جوشی کا رہا۔

برطانوی حکومت نے، جیسا کہ اسمبلی میں ہم نے طے کیا تھا ہماری مجوزہ یونین کو وجود میں نہیں آنے دیا، وہ دفاع کے معاملے میں بھی یونین پر بھروسہ کرنے کو تیار نہیں تھی، اسے اندیشہ تھا اس طرح کہیں یہ یونین فوجی طور پر اتنی مستحکم نہ ہوجائے کہ اس کے اقتدار کے لئے خطرہ بن جائے، اس تجویز سے وہ اتنی برافروختہ ہوگئی تھی کہ اس نے جنرل بریڈوک BREDOCK کو انگریزی

فوج کی دو باقاعدہ رجمنٹوں کے ساتھ بھیجا، وہ ایلکزنڈریا میں اترے، جو ورجینیا میں واقع ہے، وہاں سے فریڈرک ٹاؤن کی طرف بڑھے جو میری لینڈ میں واقع ہے، یہاں گاڑیوں اور ویگنوں کے انتظار میں انہوں نے پڑاؤ ڈال دیا، ہماری اسمبلی کو اندیشہ پیدا ہوا کہ جنرل صاحب اس کے خلاف نہایت شدید تعصب اور برہمی کا تحفہ لے کر آئے ہیں، مجھ سے استدعا کی کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوں، اسمبلی کے ممبر کی حیثیت سے نہیں بلکہ پوسٹ ماسٹر جنرل کی حیثیت سے، موصوف کے سامنے مفاہمت کی تجویز رکھوں اور بتاؤں کہ جلد از جلد یہ کام پایۂ تکمیل تک ان مراسلات کو سامنے رکھ کر پہنچ سکتا ہے جو ان کے اور گورنران صوبہ کے مابین ہوئی ہیں، جن سے یقیناً سلسلۂ مراسلات تسلسل کے ساتھ موصوف نے جاری رکھا ہوگا، اس سلسلے میں جو مصارف ہوں گے وہ اسمبلی ادا کرے گی، میں نے یہ بات مان لی اس سفر میں میرا لڑکا میرا ہم سفر تھا، !

فریڈرک ٹاؤن میں جنرل صاحب سے ہماری ملاقات ہوئی، وہ اضطراب کے ساتھ ان لوگوں کا انتظار کر رہے تھے جن کو انہوں نے میری لینڈ کے اور ورجینیا کے عقبی حصوں میں ویگنوں کے مہیا کرنے کے لئے بھیجا تھا، میں جنرل صاحب کے ساتھ کئی دن مقیم رہا، روزانہ کھانا بھی انہی کے ساتھ کھاتا تھا، اور ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کی سعی میں لگا رہا، جو اسمبلی کے متعلق انہیں تھیں، میں نے انہیں صحیح اطلاعات بہم پہنچائیں، اسمبلی نے ان کی آمد سے پیشتر کیا کچھ کیا ہے، اور اب آئندہ اس کا اقدام ان کے ساتھ تعاون کے سلسلے میں کیا ہوگا، جب میں رخصت

ہونے والا تھا تو جو ویگنیں آئیں وہ ساری کی ساری نہیں، صرف پچیس تھیں، اور یہ بھی سب کے سب قابل استعمال نہیں تھیں، جنرل اور تمام افسروں کو اس بات پر تعجب سا ہوا اور انہوں نے دفعتہً اعلان کر دیا کہ اب ان کی مہم آگے نہیں جاسکتی، کیونکہ اتنی ویگنوں کے ساتھ یہ کام ناممکن ہے، اور وزراء پر الزام لگایا کہ انہوں نے ایسی جگہ ان سے پڑاؤ کرایا جہاں وسائل ناپید اور ضروریات ناقابل حصول ہیں، رسد اور سامان کے لے جانے کے لئے کم از کم ایک صد پچاس ویگنوں کی ضرورت تھی۔

میں نے جنرل صاحب سے کہا، اگر آپ پنسلوینیا میں اترے ہوتے تو یہ دشواری پیش نہ آتی، کیونکہ وہاں ہر کسان اپنی ویگن رکھتا ہے، جنرل نے میرے یہ الفاظ پکڑ لئے اور اشتیاق کے ساتھ کہا، :

"پھر تو جناب آپ ہی کو ہمارے لئے یہ کام کرنا ہوگا، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ یہ ذمے داری آپ لیجئے، !"

میں نے کہا، !

مالکان ویگن سے کن شرائط پر معاملہ کیا جائے گا، جو شرائط ہوں وہ لکھوائے جائیں، اس پر جنرل صاحب اور ان کے افسر راضی ہوگئے، شرائط نامہ تیار ہوا۔

مجھے ضروری اختیارات تفویض ہوئے، اور فوراً کام شروع کرنے کی ہدایت کی گئی، یہ شرائط کیا تھے، ان کی تفصیل اس اشتہار میں ملے گی، جو میں نے لنکاسٹر آتے ہی شائع کردیا تھا، جس کا نتیجہ فوری طور پہ، اور حیرت انگیز طور پر حسب دل خواہ برآمد ہوا تھا، وہ پورا اشتہار میں ذیل میں درج کرتا ہوں ۔ :

اشتہار

لنکاسٹر

۲۶ر اپریل ۱۷۵۵ء

ہرگاہ ایک صد پچاس ویگن، ہر ویگن کے لئے چار چنے ہوئے گھوڑے، اور ایک ہزار پانچ صد زین سے آراستہ یا باربردار گھوڑے ملک معظم کی افواج کے لئے جو بہ مقام ولز کی کھاڑی کے پاس پڑاؤ کئے ہیں، درکار ہیں، ہز ایکس لینس بریڈوک نے ازراہ لطف وکرم مجھے مجاز کیا ہے کہ ان گاڑیوں اور گھوڑوں کو کرائے پر حاصل کروں، لہذا میں اعلان کرتا ہوں کہ اس مقصد کے لئے آج سے لے کر بدھ تک لنکاسٹر میں، اور جمعرات کی صبح سے جمعہ کی شام تک یارک میں موجود ملوں گا، جہاں یہ سودا ہوگا، گاڑیوں، گھوڑوں کے غول یا ایک ایک گھوڑے کے لئے شرائط حسب ذیل ہوں گے، :

۱۔ چار مضبوط گھوڑوں کی ویگن، ایک ڈرائیور کو ۱۵ شلنگ معاوضہ ملے گا، نیز ہر اچھے گھوڑے کو جو بار برداری کا ساز رکھتا ہو، یا زین سے آراستہ ہو دو شلنگ معاوضہ ملے گا، نیز ہر مضبوط اور توانا گھوڑے کا جو بغیر زین کے ہو، اٹھارہ پنس معاوضہ دیا جائے گا۔

۲۔ معاوضہ اس وقت سے ملنا شروع ہوگا جب ولز کی کھاڑی کے پڑاؤ میں یہ چیزیں پہنچ جائیں، جس کی آخری تاریخ ۲۰ مئی ہے، علاوہ ازیں معقول الاؤنس اتنی مدت کا دیا جائے گا جو ولز کی کھاڑی تک پہنچنے اور وہاں سے اپنے گھر پہنچنے تک ضروریات مطلوبہ کو پہنچانے کے سلسلے میں صرف ہوگئی۔

۳۔ ہر ویگن، گھوڑوں کے غول، ہر زین آراستہ، یا بار برداری کے گھوڑے کی قیمت غیر جانبدار لوگوں سے انکوائی جائے گی، جن کا انتخاب میری اور مالکان ضروریات مطلوبہ کے باہمی اتفاق رائے سے ہوگا، اور اگر کوئی ویگن، یا گھوڑوں کی جوڑی، یا بار بردار گھوڑا کام کی حالت میں ضائع ہوگیا تو اس کی جو قیمت آنکی گئی ہوگی، وہ فوراً ادا کر دی جائے گی۔

۴۔ ایک ہفتے کا معاوضہ ہر گاڑی، یا گھوڑوں، یا گھوڑے کے مالک کو میں نقد ادا کر دوں گا، بشرطیکہ طلب کیا گیا، باقی ماندہ معاوضہ جنرل بریڈوک یا آرمی کے پے ماسٹر اس وقت ادا کریں گے جب کام ختم ہو جائے گا، یا اگر مالکان نے

ضرورت محسوس کی تو وقتاً فوقتاً بھی بالاقساط ادا کیا جا سکتا ہے۔

۵- کسی ویگن کے ڈرائیور، یا گھوڑوں کی دیکھ ریکھ کرنے والے کسی آدمی سے کسی حالت میں بھی فوجی سپاہی کا کام نہیں لیا جائے گا، نہ اس سے کوئی اور کام سوا ویگن چلانے، یا گھوڑوں کی دیکھ بھال کے لئے لیا جائے گا، :

۶- تمام غلہ، جو، اور چارہ، جو ویگنوں یا گھوڑوں کے ذریعہ فوجی کیمپ میں لایا جائے، اور گھوڑوں کی ضرورت سے زیادہ ہو، وہ فوج کے لئے قیمت دے کر حاصل کیا جا سکتا ہے، اور یہ قیمت معقول ہوگی۔

نوٹ

میرا بیٹا ولیم فرینکلن بھی مذکورہ شرائط کے ساتھ ہر شخص سے معاہدہ کرنے کا کمبرلینڈ میں مجاز قرار دیا گیا ہے۔

بنجامن فرینکلن

بنام باشندگان قصبات لنکاسٹر، یارک اور کمبرلینڈ

دوستو اور ہم وطنو ، !

چند روز ہوئے اتفاقاً مجھے فریڈرک کے کیمپ میں جانے کا اتفاق ہوا ، میں نے دیکھا جنرل ، اور حکام فوج اس بات پر حد درجہ مشتعل اور برہم ہیں کہ انہیں وہ گاڑیاں اور گھوڑے فراہم نہیں کئے گئے ، جن کی اس صوبے سے توقع تھی ، اس لئے کہ یہ حربہ سب سے زیادہ ان چیزوں کو فراہم کرنے کی اہلیت رکھتا ہے ۔ کیونکہ ہمارے گورنر اور اسمبلی میں جو ان بن چلی آرہی ہے ، اس کے باعث اس مقصد کے لئے نہ روپے کا بندوبست کیا گیا ، نہ کوئی اور قدم اٹھایا گیا ۔

یہ طے کر لیا گیا تھا کہ چند مسلم فوجی دستے فوراً ان قصبات میں روانہ کئے جائیں اور ضرورت کے مطابق وہ جتنی بھی بہترین گاڑیاں ، اور گھوڑے ملیں ان پر قبضہ کر لیں ، اس طرح حسب ضرورت افراد کو مجبور کر کے فوج میں ملازم رکھ لیں تاکہ ان سے گاڑیاں چلانے ، اور گھوڑوں کی دیکھ بھال کا کام لیا جا سکے ۔ !'

اس بات سے مجھے اندیشہ ہوا کہ اس حالت میں کہ یہ سپاہی غصے سے بھرے ہوئے ہیں ، اور ہمارے خلاف اشتعال انگیز جذبات رکھتے ہیں اگر یہ قصبات میں داخل ہوئے تو تکلیف و اذیت کا سبب بن جائیں گے ، اور وہاں کے رہنے والوں کو سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا ، لہذا میں نے پورے عزم کے ساتھ یہ کوشش کی کہ پہلے یہ دیکھنے کی کوشش کر لی جائے کہ اچھے

سلوک، اور مساویانہ برتاؤ کا نتیجہ کیا نکلتا ہے، ان قصبات کے باشندوں نے کچھ عرصہ ہوا، اسمبلی سے اس بات کی شکایت کی تھی کہ ان کے ہاں روپے کی سخت قلت ہے اب آپ کو موقع مل گیا ہے کہ روپیہ پیدا کریں، وصول کریں اور حسب ضرورت آپس میں تقسیم کرلیں۔ کیونکہ اگر اس مہم کا سلسلہ جاری رہا، اور گمان غالب یہ ہے کم از کم ایک صد بیس دن تک جاری رہے، ان گاڑیوں اور گھوڑوں کا کرایہ تیس ہزار پونڈ سے زیادہ ہی ہوگا، اور یہ رقم بادشاہ سلامت کے طلائی اور نقرئی سکوں کی صورت میں ملے گی۔

جو کام لیا جائے گا وہ ہلکا اور آسان ہے کیونکہ فوج کی رفتار بارہ میل یومیہ ہوگی، ویگنوں اور باربردار گھوڑوں کو بھی اتنی ہی مسافت ہر روز طے کرنا پڑے گی، کیونکہ انہیں وہی چیزیں لے جانا ہوں گی جو فوج کے لئے حد درجہ ضروری ہونگی لہذا انہیں فوج کے ساتھ ساتھ چلنا پڑے گا، رفتار میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا، اور فوج کے آرام کی خاطر، ان کی حفاظت کا خاص خیال رکھا جائے گا، قیام کی صورت میں بھی، اور پیش قدمی کے وقت بھی۔

اگر آپ واقعی، اور حقیقی طور پر ملک معظم کی وفادار رعایا ہیں، اور مجھے یقین کامل ہے کہ ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ اس مرحلے پر ہر وہ کام جو آپ کے بس میں ہو اس سے دریغ نہ کریں، اور اسے اپنے لئے آسان بنالیں، کیونکہ تین یا چار افراد ہر گھر سے بہ آسانی اپنا کاشتکاروں کا کام کسی اور کے سپرد کر کے ایک چار گھوڑوں

والی ویگن پر ڈرائیور کی حیثیت سے کام کر سکتے ہیں، ایک ویگن کو سنبھال لے، ایک یا دو، گھوڑے کی دیکھ بھال اپنے ذمے لے لیں، ایک ڈرائیور کا کام کرے اور سب مل کر رقم معاوضہ حسب تناسب آپس میں تقسیم کر لیں، لیکن اگر تم یہ خدمت اپنے ملک اور اپنے بادشاہ کے لئے خوشی خوشی انجام نہیں دیتے، جب کہ اتنے معقول شرائط اور معقول معاوضے کی پیش کش بھی موجود ہے تو تمہاری وفاداری قطعاً مشکوک قرار دی جائے گی، بادشاہ سلامت کا کام بہر حال انجام پانا ہی چاہیئے، اتنی شجیع قوم بہ تعداد کثیر محض تمہارے دفاع کے لئے آئی ہے، وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیکار تو نہیں بیٹھ سکتی تمہاری پسماندگی کے مدنظر بس اتنا ہی گوارا کیا جا سکتا ہے جس کے بوجوہ معقول تم سے توقع کی جا سکتی ہے، گاڑیاں اور گھوڑے بہر حال حاصل کئے جائیں گے، آخری چارۂ کار کے طور پر متشددانہ کاروائیاں بھی یقیناً عمل میں لائی جائیں گی، پھر تم منتقمانہ کارروائیوں سے نہیں بچ سکو گے، اور تم پر نہ رحم کیا جائے گا، نہ لحاظ کیا جائے گا۔

اس معاملے سے میرا کوئی خاص تعلق نہیں ہے، سوا ضمیر کو اس بات پر مطمئن کر لینے کے کہ جہاں تک ہو سکا میں نے اپنا فرض ادا کیا، اگر یہ طریقہ جو میں نے اختیار کیا ہے کامیاب نہ ہوا تو چودہ روز کے اندر میں جنرل کو اطلاع دے دوں گا، اور میرا خیال ہے سر جان سینٹ کلیر Sinclair سردار رسالہ سپاہیوں کی ایک جماعت کے ساتھ حصول مقصد کی غرض سے صوبے میں داخل ہو جائیں گے، اور یہ خبر سن کر مجھے دکھ ہوگا، کیونکہ پورے اخلاص و صداقت کے ساتھ میں آپ کا

دوست اور خیر خواہ ہوں، !

بنجامن فرینکلن، !

جنرل نے مجھے آٹھ سو پونڈ بھیج دئے تاکہ ویگن کے مالکوں کو بطور پیشگی رقم ادا کر سکوں، لیکن یہ رقم ناکافی تھی، میں نے دو سو پونڈ مزید طلب کئے، اور دو ہفتوں کے اندر ایک صد پچاس ویگن دو سو انسٹھ کھنچائی کرنے والے گھوڑوں کے ساتھ کیمپ کی طرف رواں دواں تھے، یہ اشتہار دیا ہی جا چکا تھا کہ ویگن یا گھوڑے کے ضیاع کی صورت میں اس کی طے شدہ قیمت ادا کر دی جائے گی، اب مالکان نے یہ کہنا شروع کیا کہ وہ جنرل براڈک کو نہیں جانتے، نہ یہ جانتے ہیں کہ اُن کا وعدہ کس حد تک پورا ہوگا، لہذا انہوں نے زور دیا کہ ان تمام باتوں کے لئے میں بانڈ (معاہدہ) لکھ کر دوں، مجھے کیا تامل ہو سکتا تھا، دے دیا۔

کیمپ کے دوران قیام میں کرنل ڈنبر DUNBER کی رجمنٹ کے افسران کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ کرنل صاحب نے اپنے ماتحت افسروں کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا انہوں نے کہا، ان کی مالی حالت کچھ زیادہ اچھی نہیں ہے، لیکن انہیں کوئی تکلیف اس ملک میں نہیں پہنچنی چاہیئے، اور رسد حسب ضرورت انہیں پیش قدمی کے دوران میں پوری پوری ملتی رہنی چاہیئے، ایسا نہ ہو کہ اس راستے میں جہاں کوئی چیز نہیں مل سکتی یہ دکھ اٹھائیں، مجھے ان بیچاروں پر ترس آیا، میں

نے فیصلہ کرلیا ان کی حتی المقدور مدد کرنی چاہیئے، میں نے کرنل صاحب سے اپنے ارادے کے بارے میں کچھ نہیں کہا، لیکن دوسرے ہی روز اسمبلی کی کمیٹی کی ایک تحریر بھیج دی، یہ کمیٹی امور خیر میں ضروری مصارف کی مجاز تھی، اسے میں نے بہت پُر زور طور پر آمادہ کیا کہ ان چھوٹے افسروں کے لئے ان کی ضروریات عامہ پر مشتمل تحفے فراہم کئے جائیں، میرا بیٹا کیمپ لائف سے میرے ساتھ رہنے کی وجہ سے آشنا ہو چکا تھا، اس نے ایسے ضروریات کی ایک فہرست بنا رکھی، اس کی تیار کی ہوئی یہ فہرست میں نے اپنی تحریر کے ساتھ منسلک کردی، کمیٹی نے میری تحریر سے اثر لیا، اور یہ اسکیم منظور کرلی، اور ان چھوٹے افسروں کی ضروریات پر مشتمل تحائف کیمپ میں گاڑیوں کے ساتھ پہنچ گئے، یہ بیس پارسل تھے، ہر پارسل میں مندرجہ ذیل چیزیں موجود تھیں، :

۱۔ چھ پونڈ شکر کے ڈلے،

۲۔ گلوسسٹر پنیر ایک پونڈ،

۳۔ گرین چائے ایک پونڈ،

۴۔ مکھن نہایت عمدہ ایک پونڈ،

۵۔ شراب کی ۲۰ بوتلوں کا ایک پیپا،

۶۔ کافی عمدہ قسم کی چھ پونڈ،

۷۔ چاکلیٹ چھ پونڈ،

۸۔ اعلیٰ قسم کے بسکٹ،

۹۔ چائے کی سیاہ پتی ایک پونڈ،

۱۰۔ سیاہ مرچ دو پونڈ،

۱۱۔ بہترین قسم کی سفید شراب ایک کارٹ،

۱۲۔ مدیرا شراب ۲ درجن،

۱۳۔ جیکا اسپرٹ ۲ گیلن،

۱۴۔ خشک کی ہوئی زبانیں ۲ درجن،

۱۵۔ سوکھا ہوا خنزیر کا گوشت،

۱۶۔ رائی کا سفوف ایک بوتل،

۱۷۔ چاول ۶ پونڈ،

۱۸۔ منقے چھ پونڈ،

۱۹۔ معمولی شراب چھ پونڈ،

۲۰۔ کچھ متفرق چیزیں،

یہ پارسل بہت اچھی طرح پیک کئے گئے تھے، اور گھوڑوں پر رکھ کر بھیجے گئے تھے، ہر گھوڑے پر ایک پارسل، ایک افسر کے لئے، شکر گزاری کے ساتھ انہیں وصول کیا گیا، دونوں رجمنٹوں کے کرنل صاحبان نے سپاس و تشکر سے لبریز خطوط مجھے بھیجے، جہاں تک جنرل کا تعلق تھا، وہ بھی میرا بہت ممنون تھا کہ میں نے حسب ضرورت ویگنوں کا انتظام کر دیا، اور بڑی مستعدی کے ساتھ جملہ رقم ادا کر دی۔ اس نے بار بار میرا شکریہ ادا کیا، اور استدعا کی کہ اس کی روانگی کے بعد بھی جو

چیزیں طلب کی جایا کریں۔ ان کی ترسیل میں مدد دیا کروں، میں نے بڑی خوشی سے یہ استدعا قبول کرلی، اور اس کام میں برابر مصروف رہا، جب تک اسے شکست نہ ہوگئی، میں نے دو ہزار پونڈ ان کاموں کے سلسلے میں اپنی جیب سے صرف کئے تھے، اس میں سے ایک ہزار پونڈ جنرل نے بھیج دئے، اس رقم کی وصول یابی میں اپنی خوش قسمتی ہی تصور کرتا ہوں، کیونکہ دوسرے ہزار کی ادائگی کے متعلق جنرل نے کہا تھا کہ یہ بعد میں ادا کردی جائے گی، لیکن اس دوسرے ہزار کے وصول ہونے کی نوبت نہیں آئی۔

یہ جنرل ایک بہادر شخص تھا، اور غالباً فرنگی لڑائیوں میں، نمایاں کردار ادا کر چکا تھا، لیکن اس میں خود اعتمادی ضرورت سے زیادہ تھی، افواج باقاعدہ کی کارگزاری پر اسے مکمل بھروسہ تھا، بلکہ خوش فہمی کی حد تک، اور اسی حد تک امریکن سپاہی، اور انڈینس فوجیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا، جارج گروگن ہمارا انڈین ترجمان بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا تھا، جب اس نے پیش قدمی شروع کی تھی، اس کے ساتھ ڈیڑھ سو اس کے اپنے آدمی بھی تھے، جو جنرل کی فوج میں بہترین رہنما کا کام انجام دے سکتے تھے اور اسکارٹ کی حیثیت سے بھی کام کر سکتے تھے، اور بھی بہت سے امور سرانجام دے سکتے تھے بشرطیکہ جنرل نے ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کیا ہوتا، لیکن اس نے ان کے ساتھ حقارت کا سلوک کیا، اور بالکل نظرانداز کر دیا، رفتہ رفتہ یہ لوگ اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔

جنرل کے ساتھ ایک روز گفتگو ہو رہی تھی کہ اس نے اپنے بعض مجوزہ اقدامات پر روشنی ڈالی، اس نے کہا، فورٹ ڈوکنس پر قبضہ کرنے کے بعد میں نیاگرا کی طرف پیش قدمی کروں گا، اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد فرنیٹناک پر دھاوا بولوں گا، بشرطیکہ موسم سازگار رہا، میرا خیال ہے ڈوکنس کو سر کرنے میں تین چار دن سے زیادہ مجھے نہیں لگیں گے، اس کے بعد نیاگرا پر قبضہ کرنے سے مجھے کون روک سکتا ہے، میرے ذہن نے جنرل کے بنائے ہوئے طویل اور دشوار گزار جھاڑیوں اور جنگلوں سے بھرپور راستے کا تصور کیا، یہ واقعی بڑا ہی سخت وصعب سفر تھا، جس کا نقشہ جنرل نے بنایا تھا، اس راستے میں پندرہ سو فرانسیسی سپاہیوں کی فوج جس نے اراکوئیس پر دھاوا بولا تھا سخت شکست سے دوچار ہو چکی تھی، یہ سب باتیں سوچ کر میں جنرل کی کامیابی کے بارے میں مشکوک ہو گیا، اور مجھے خدشہ پیدا ہو گیا کہ دیکھئے اس کا حشر کیا ہوتا ہے، لیکن میں صرف اتنا کہہ سکا۔

"جناب والا اگر آپ ڈوکنس پر دھاوا بولنے سے پہلے اپنی اس بہترین فوج کے ساتھ، جس کے پاس بہترین توپ خانہ ہے، اراکوئیس پر حملہ کر دیں، جو ابھی پورے طور پر فصیل بند نہیں ہوا ہے، اور جس کے پاس فوج بھی زیادہ نہیں ہے، لہذا اس کی مزاحمت بھی کمزور ہی ہوگی، تو یہ بہتر ہوگا، اور آپ کی کامیابی یقینی ہو گی، آپ کے راستے میں اگر کوئی خطرہ پیش آسکتا ہے جس سے میں خائف ہوں تو وہ صرف انڈینس ہیں، جو یک بیک مختلف پہلوؤں سے حملہ آور ہو کر پریشانی کا موجب بن سکتے ہیں اور رستے کو کاٹ دے سکتے ہیں۔!"

میری باتیں سن کر جنرل مسکرا دیا، شاید میری ناواقفیت پر، پھر مجھے جواب دیتے ہوئے بولا، :

" یہ وحشی لوگ بلاشبہ تمہارے اناڑی امریکی سپاہیوں کے لئے ناقابل مزاحمت اور ناقابل تسخیر ہوسکتے ہیں، لیکن جہاں تک بادشاہ سلامت کی منظم افواج باقاعدہ کا تعلق ہے، ناممکن ہے کہ یہ اس کے راستے میں حائل ہوسکیں، !"

مجھے اس بات کا احساس تھا کہ میں ایک فوجی آدمی سے اس کے پیشے کے متعلق بحث وگفتگو کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہوں، لہذا خاموشی ہی میں مجھے عافیت نظر آئی، دشمن نے بہر حال اسے نو میل تک اندر گھس آنے دیا، اور کسی طرح کی مزاحمت اور مداخلت نہیں کی، پھر جنگل کے ایک کھلے ہوئے حصے میں جب یہ فوج آئی تو انہوں نے دفعتہً ایڈوانس گارڈ پر حملہ کر دیا، جھاڑیوں، اور درختوں کے عقب میں بیٹھ کر زبردست پیمانے پر انہوں نے آگ برسانا شروع کر دی، یہ پہلی اطلاع تھی جو جنرل کو ملی، اور اس نے جانا کہ دشمن سر پر ہے۔ یہ گارڈ اس حملے کی تاب نہ لاسکا، اور منتشر ہوگیا، جنرل نے جلدی جلدی فوج مجتمع کی، اور اس کی مدد کو بڑھا، لیکن فوج کے ساتھ گاڑیوں، گھوڑوں، سازوسامان اور مویشیوں کی بھی ایک معین قطار تھی، آگ کے شعلے ان پر بھی برسنے لگے، افسران جو گھوڑوں پر سوار تھے بہ آسانی بچاؤ کرنے میں کامیاب ہوگئے، لیکن سپاہی نرغے میں آ گئے، نہ ان تک احکام پہنچ سکتے تھے، نہ وہ اپنے افسران کی کوئی بات سن سکتے تھے، پھنسے ہوئے تھے اور دشمن کا نشانہ بن رہے تھے، یہاں تک

کہ ان کی دو تہائی تعداد قتل ہو گئی، اس سے باقی ماندہ فوج پر اتنی دہشت طاری ہوئی کہ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔

گاڑیوں والے جو تھے ان میں سے ہر ایک نے اپنے گھوڑوں میں سے ایک ایک گھوڑا لیا اور چلتا ہوا، اس مثال کی دوسروں نے بھی پیروی کی، نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ویگن، سامان خورد و نوش، توپ خانہ، اور اسٹورز دشمن کے قبضے میں آگئے، جنرل خود بھی زخمی ہو گیا، بڑی مشکل سے اسے نکال کر لایا گیا، اس کے سکریٹری مسٹر شرلے اس کے پہلو میں قتل ہو گئے، اور ۸۶ افسروں میں سے ۶۳ یا تو ہلاک ہو گئے، یا زخمی ہو گئے، اور ۱۴۰۰ سپاہی، ۴ سو سپاہیوں میں سے ہلاک ہو گئے جو ۱۱ سو بچے یہ پوری فوج کا مجموعی حصہ تھے، باقی عقب میں تھے کرنل ڈنبر ان کے قائد تھے، ان کے ذمے یہ کام تھا کہ بھاری وزن کا ساز و سامان اپنے ساتھ لے کر آئیں، بھاگنے والوں کا تعاقب نہیں کیا گیا، یہ لوگ ڈنبر کے کیمپ میں آگئے، یہ اپنے ساتھ دہشت اور سراسیمگی کی جو کیفیت لائے تھے وہ کرنل صاحب پر اور ان کے ساتھیوں پر بھی فوراً طاری ہو گئی، اور اگرچہ ان کے پاس ایک ہزار سپاہی تھے اور دشمن جس نے جنرل براڈک کو شکست دی تھی، صرف ۴ سو انڈینس اور فرنچ پر مشتمل تھا، کرنل صاحب نے بجائے اس کے کہ پیش قدمی کرتے اور کھوئے ہوئے وقار کو بحال کرنے میں جان کی بازی لگا دیتے، انہوں نے حکم دیا کہ تمام جنگی سامان، گولہ بارود، اور اسٹور ضائع کر دیا جائے اب انہیں مزید گھوڑوں کی ضرورت تھی کہ نو آبادیات تک واپس جا سکیں، بہت کم سامان وہ اپنے ساتھ

لے جا سکے، ان سے ورجینیا، میری لینڈ، اور پنسلوینیا کے گورنروں نے استدعا کی کہ وہ اپنی افواج کو سرحدات پر متعین کر دیں تاکہ یہاں کے باشندوں کو نسبتاً تحفظ حاصل ہو جائے، لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور تیز رفتاری کے ساتھ واپسی کا سلسلہ جاری رکھا، جب تک فلاڈلفیا نہ پہنچ گئے، اپنے آپ کو محفوظ و مامون نہیں خیال کیا، کیونکہ یہاں کے لوگ ان کی حفاظت کر سکتے تھے۔ اس حادثے نے ہم امریکنوں کو پہلی مرتبہ اس مسئلے سے متعلق وبدھے میں ڈال دیا کہ ہم جو برطانیہ کی افواج باقاعدہ کی شجاعت اور مردانگی کے بارے میں جو بلند خیالات رکھتے تھے، وہ کچھ زیادہ مبنی برصداقت نہ تھے۔

جنرل کی پہلی پیش قدمی سے لے کر، بلکہ پیش قدمی سے بھی پہلے اس سرزمین پر اترنے کے وقت سے شکست و پسپائی تک ان لوگوں نے مقامی باشندوں کو لوٹنے کھسوٹنے اور تاخت و تاراج کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، بعض غریب اور بے کس خاندانوں کو تو بالکل تباہ کر دیا، توہین و تذلیل، گالی گلوچ، اور کوئی حجت یا تکرار کرے تو قید و بند کا سلسلہ برابر جاری رکھا اس صورت حال نے ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اگر ہمارے محافظ اور دفاع کرنے والے ایسے ہیں تو ہم ان کے بغیر ہی اچھے، ۱۷۸۱ء میں ہمارے فرانسیسی دوستوں کا طرز عمل اس طرز عمل سے بالکل مختلف تھا، جنہوں نے جزیرہ رہوڈ سے ورجینیا تک کی اپنی پیش قدمی کے دوران میں ملک کے بہت کافی آباد علاقوں سے گزرتے ہوئے، جس کی مسافت سات سو میل سے کسی طرح کم نہ تھی، کسی معمولی

شکایت کا بھی موقعہ نہیں پیدا ہونے دیا، نہ کسی کا سور چھینا گیا، نہ مرغی، حتیٰ کہ کسی سے ایک ایک سیب تک ناجائز نہیں لیا گیا۔

کیپٹن آرم ORME جنرل کا ریڈیکانگ تھا، یہ بھی سخت زخمی ہو گیا تھا، اسی کے ساتھ یہ بھی لایا گیا تھا، اور وقت وفات تک اس کے ساتھ رہا جو چند ہی روز میں واقع ہو گئی تھی، اس کا بیان ہے کہ جنرل پہلے دن بالکل خاموش رہا، رات کو کہنے لگا، :

"اس حادثے کا کسے وہم و گمان ہو سکتا تھا!"

دوسرا دن پھر اس نے مکمل سکوت کے عالم میں گزارا، اور مرنے سے ذرا دیر پہلے گویا ہوا، :

"ہم اچھی طرح جان گئے ہیں ان لوگوں سے کیا برتاؤ کرنا چاہیئے، !"
یہ کہا اور گردن ڈال دی،

سیکریٹری کے جملہ کاغذات جو مشتمل تھے جنرل کے خطوط، احکام، مراسلات اور ہدایات پر، سب کے سب دشمن کے ہاتھ آ گئے، اس نے ان کا انتخاب کیا اور ترجمہ کر کے شائع کر دیا، جو متعدد مقالات میں قسط وار چھپا، جس سے ثابت

ہوتا تھا کہ اعلان جنگ سے پہلے ہی برطانیہ کے دربار شاہی کے عزائم اور ارادے کیا تھے، ان میں سے بعض خطوط میری نظر سے بھی گزرے جو جنرل نے وزارت کو لکھے تھے، ان میں میرے اُن خدمات کا شاندار الفاظ میں ذکر تھا جو فوج کے ـــــ میں نے انجام دئے تھے، ڈیوڈ ھیوم چند سال بعد، لارڈ ھرٹفورڈ کا سکریٹری بنا جو فرانس میں برطانیہ کے سفیر تھے، اور بعد ازاں جنرل کونوے کا سکریٹری بنا، جو برطانوی وزارت کے رکن تھے، اس نے مجھ سے کہا، میں نے جنرل مرحوم کے وہ خطوط دیکھے ہیں، جن میں تمہاری بہت زیادہ تعریف و تحسین کی گئی ہے، لیکن چونکہ یہ مہم ناکام ہوگئی، اس لئے میرے خدمات کی زیادہ وقعت نہیں کی گئی. کیونکہ جنرل مرحوم کے میرے بارے میں نگارشات اب بے معنی ہو کر رہ گئے تھے،

جنرل مرحوم سے ایک انعام بھی مجھے ملا، اور وہ بھی منہ مانگا، میں نے ان سے گزارش کی تھی کہ وہ اپنے افسران کو حکم دے دیں کہ وہ اپنی نفری میں اب مزید ہمارا کوئی زرخرید آدمی شامل نہ کریں، اور جو شامل کئے جاچکے ہیں، انہیں رخصت عطا فرمادیں، یہ بات انہوں نے فوراً منظور کرلی، اور متعدد زرخرید غلام اپنے اپنے آقاؤں کے پاس واپس چلے گئے، جو میری درخواست کا نتیجہ تھا، ڈنبر نے جب جنرل مرحوم کے بعد کمان اپنے ہاتھ میں لی تو وہ اتنا فیاض اور کھلے دل کا نہیں ثابت ہوا، فلاڈلفیا میں اپنی پسپائی، بلکہ فرار کے موقعہ پر، میں نے اس سے درخواست کی کہ تین غریب کسانوں کے غلاموں کو رخصت دیدے جو لنکاسٹر کے

رہنے والے تھے، اور جنہیں وہ اپنی نفری میں شامل کر چکا ہے، اس سلسلے میں مرحوم جنرل کے احکامات بھی میں نے اسے یاد دلائے، اس نے وعدہ کیا کہ اگر غلاموں کے یہ مالک ٹرنٹن TRENTON جہاں چند روز بعد، نیویارک جاتا ہوا وہ پہنچنے والا ہے تو وہ ان آدمیوں کو ان کے مالکوں کے حوالے کر دے گا، یہ بے چارے روپیہ خرچ کر کے اور راستے کے دکھ جھیل کے ٹرنٹن گئے، لیکن ۲۱ نے اپنا وعدہ پورا کرنے سے صاف انکار کر دیا، جس سے ان بے چاروں کو مالی نقصان بھی پہنچا اور مایوسی بھی ہوئی۔!'

جیسے ہی ویگنوں اور گھوڑوں کے ضائع ہونے کی خبر مشتہر ہوئی، تمام مالکان میرے پاس پہنچے کیونکہ میں نے ہی معاہدے کی دستاویز پر دستخط کیے تھے کہ جو قیمت طے ہوئی ہے وہ ادا کر دوں گا، اس مطالبے نے مجھے مصیبت میں مبتلا کر دیا، میں نے انہیں یقین دلایا کہ ان کی رقم پے ماسٹر کے پاس جمع ہے، لیکن ادائی کے احکام پہلے جنرل شرلے سے حاصل کرتے ہوں گے، میں نے یہ بھی یقین دلایا کہ میں نے شرلے کو درخواست بھیج دی ہے، لیکن چونکہ وہ یہاں سے فاصلے پر مقیم ہیں، لہذا جواب فوراً نہیں آسکتا، لہذا صبر سے کچھ روز کام لینا چاہیئے لیکن میری یہ باتیں ان لوگوں کو کچھ زیادہ مطمئن نہ کر سکیں، بعض نے مجھ پر مقدمہ دائر کر دیا، جنرل شرلے نے بہر حال مجھے اس مصیبت سے نجات دلائی، انہوں نے ایک کمیشن مقرر کر دیا، جس کو یہ کام تفویض ہوا کہ وہ مطالبات کی جانچ پڑتال کرے پھر ادائی کا حکم صادر کر دے، یہ رقم تقریباً بیس ہزار پونڈ بنتی تھی، اگر مجھے ادا کرنا

پڑتی، پھر میں تو کہیں کا نہ رہتا،

شکست کی خبر ملنے سے پہلے دو ڈاکٹر میرے پاس چندے کی رسید لے کر آئے، تاکہ چندہ وصول کر کے بڑے وسیع اور شان دار پیمانے پر آتشبازی اور چراغاں کا اہتمام کریں، اس لئے کہ یہ خبر بس اب آیا ہی چاہتی تھی کہ ہم نے قلعہ ڈولکنس پر قبضہ کر لیا، میں نے سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا، میرے نزدیک جشن مسرت منانے کی تیاریاں کرنے کے لئے ابھی کافی وقت ہے، یہ کام اسی وقت کرنا چاہئے، جب یہ خبر مل جائے ان لوگوں کو حیرت ہوئی کہ میں نے فوراً ہی ان کی بات کیوں نہ مان لی، ان میں سے ایک نے کہا۔ :

"یقیناً آپ کا یہ خیال ہے کہ قلعہ پر ہم قبضہ نہیں کر سکیں گے، !"

میں نے جواب دیا :

"میں نہیں جانتا کہ اس پر قبضہ ہو سکے گا یا نہیں، لیکن اتنا جانتا ہوں کہ جنگ کا رخ قطعاً غیر یقینی ہوا کرتا ہے، !"

پھر میں نے وضاحت کے ساتھ اپنے وبدھے کی دلیلیں دیں، چنانچہ چندے کی اسکیم ملتوی ہوگئی، اور جشن مسرت، آتشبازی اور چراغاں کا پروگرام بھی دھرا

رہ گیا، اس واقعہ کے کچھ عرصے بعد ایک روز ڈاکٹر بانڈ نے ایک دوسرے موقعہ پر کہا، :

" فرینکلن کی بدشگونی سے خدا بچائے !"

گورنر مورس نے اسمبلی کو پیام پر پیام بھیجکر پریشان کر رکھا تھا، یہ واقعہ جنرل مرحوم کی شکست سے پہلے کا ہے۔ ان پیامات کا مدعا یہ تھا کہ اسمبلی صوبے کے دفاع کے لئے زیادہ سے زیادہ رقم منظور کرلے، لیکن مملوکہ زمینوں کو ہر طرح کے ٹیکس سے مستثنیٰ رکھے، انہوں نے اُن تمام بلوں کو اپنے اختیارات خصوصی سے کام لیتے ہوئے مسترد کردیا، جن میں یہ استثنائی دفعہ نہیں رکھی گئی تھی، اور اب چونکہ جنرل مرحوم کی فتیابی کی امید انہیں زیادہ ہوگئی تھی، اس لئے اسمبلی پر اُن کے حملے دوگنے ہوگئے تھے، کیونکہ خطرے اور ضرورت میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا تھا، اسمبلی بہرحال اڑی رہی، اسے یقین تھا کہ وہ حق پر ہے، اور یہ کہ اگر اس نے گورنر کی ترمیم متعلقہ زر قبول کرلی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے ایک حق سے دستبردار ہوگئی، اس سے پہلے جب پچاس ہزار پونڈ کی منظوری کا مرحلہ درپیش تھا تو گورنر کی ترمیم جو اس نے تجویز کی تھی حرف آخر کی حیثیت رکھتی تھی، بل میں تجویز کیا گیا تھا۔ :

"تمام زمینداریاں خواہ وہ ذاتی ہوں یا حقیقی، محصول و ٹیکس

سے مستثنیٰ نہیں ہوں گی، ان میں سے کوئی جائداد بھی ٹیکس
سے بری نہیں ہوگی، !''

''گورنر کی تجویز تو یہ تھی کہ ''نہیں'' کی جگہ ''صرف'' پڑھا جائے، بظاہر یہ چھوٹی سی ترمیم تھی، لیکن درحقیقت بڑی اہم اور بنیادی تبدیلی کی غماز تھی، بہرحال جب اس اختلاف کی خبر انگلستان پہنچی، تو ہمارے دوستوں نے، جنہیں ہم نے وہ تمام جوابات مہیا کر دئے تھے، جو اسمبلی نے گورنر کے پیامات اور ترمیموں کے سلسلے میں دئے تھے، گورنر کی اس روش کے خلاف، اور اسمبلی کے طرز عمل کی تائید میں آواز بلند کی، اور یہ اعتراض بھی کیا کہ اسے اس طرح کے ہدایات کیوں بھیجے گئے جو سراسر اصول انصاف کے منافی ہیں، بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اپنے صوبے کے دفاع میں ان مالکان زمین نے رکاوٹ ڈال کر اپنے حقوق سوخت کر دئے ہیں، ان لوگوں نے پانچ ہزار پونڈ رسیور جنرل کو بھیجے کہ اسمبلی مقصد دفاع کے لئے جو رقم منظور کرے اس میں یہ شامل کر دئے جائیں۔

اس رقم کا ایوان میں اعلان کر دیا گیا، اور اسے عام محاصل میں شامل کر کے قبول کر لیا گیا، اور ایک نیا بل استثنائی دفعہ کے ساتھ تیار کیا گیا، جو منظور کر لیا گیا، اس ایکٹ کی رو سے مجھے ان کمشنروں میں شامل کر لیا گیا، جو اس رقم کو خرچ کرنے کے مجاز قرار دئے گئے تھے، یہ رقم ساٹھ ہزار پونڈ تھی، میں اس بل کو روبہ کار لانے کی سرگرمی میں مصروف تھا، ساتھ ہی ساتھ میں نے ایک بل کا مسودہ تیار کیا، تاکہ

ایک منظم اور محکم ملیشیا قائم کی جائے ، ایواں میں اسے منظور کرانے کے سلسلے میں مجھے کوئی دشواری نہیں پیش آئی ، کیونکہ خائفی ممبروں کو آزاد چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ جس طرح چاہیں رائے دیں ، ملیشیا قائم کرنے کے ایک ایسوسی ایشن کا قیام بھی ناگزیر تھا ، میں نے مکالمات کے ذریعہ سوال وجواب کی صورت میں ان تمام اعتراضات کا جواب دے دیا ، جو اس ملیشیا پر وارد کئے جا سکتے تھے ، انہیں شائع کر دیا گیا ، اور ان کا خاطر خواہ اثر بھی ہوا ،

اس اثنا رمیں کہ اندرون شہر و ملک ، متعدد کمپنیاں قائم کی جارہی تھیں ، اور فوجی مشق اور ورزش سیکھ رہی تھیں ، گورنر نے مجھے شمال مغربی سرحد کا چارج سپرد کر دیا ، یہ علاقہ دشمن کا گڑھ تھا ، میرے ذمے یہ کام تھا کہ فوج کی نفری بڑھا کر ، اور زیادہ سے زیادہ قلعے تعمیر کر کے یہاں کے باشندوں میں تحفظ کا احساس پیدا کروں ، میں نے یہ فوجی ذمے داری قبول کر لی ، اگرچہ اس کی اہلیت اپنے میں نہیں پاتا تھا ، گورنر نے مجھے تمام اختیارات سونپ دئے ، اور ڈھیر سارے اسنادِ تقرر دے دئے کہ جسے میں موزوں پاؤں سنا تقرر دے دوں ، مجھے کوئی خاص دشواری فوج کے لئے آدمی جمع کرنے میں نہیں پیش آئی ، بہت جلد پانچ سو ساٹھ آدمی میری کمان میں کام کرنے لگے ، میرا لڑکا جو کینیڈا کے خلاف جنگ کے زمانے میں ایک فوجی افسر تھا ، میرا ایڈی کانگ بنا دیا ، اس سے مجھے بہت مدد ملی ، انڈینس نے گا دنھٹ GNADEN HUT کو جو مورادی لوگوں کا ایک دیہات تھا ، تباہ کر دیا تھا ، اور یہاں کے تمام لوگوں کو قتل کر دیا تھا ، لیکن فوجی نقطۂ نظر سے قلعہ تعمیر کرنے

کے لئے یہ بہترین جگہ تھی،

چنانچہ وہاں جانے کے لئے میں نے کمپنیوں کو بیتھلیم کے مقام پر جمع کیا، جو ان لوگوں کا مرکز تھا، میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ واقعی دفاعی نقطۂ نظر سے یہ کتنا بہتر مقام تھا، گاڈنھٹ کی تباہی نے ان لوگوں کو خطرے کا احساس دلا دیا تھا، مرکزی عمارت کو ایک حصار کے ذریعہ محفوظ کر لیا گیا، ان لوگوں نے اسلحہ اور بارود کا ذخیرہ نیو یارک سے خرید لیا تھا، اور نوکیلے پتھروں کا اچھا خاصا ذخیرہ اپنے سنگی مکانوں کی بالائی منزل پر جمع کر دیا تھا کہ خواتین خانہ کی نظر جیسے ہی انڈینس پر، پڑے فوراً ان کی بارش شروع کر دیں، تاکہ وہ اندر گھس آنے میں کامیاب نہ ہو سکیں، مسلح کنبوں نے بھی بڑی خوبی سے اپنی آبادی کو گیریزن ٹاؤن میں تبدیل کر لیا تھا، بشپ اسپینگنبرگ سے گفتگو کے دوران میں، میں نے اپنے اس تعجب کا اظہار کیا، کیونکہ پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کی رو سے انہیں فوجی ذمے داریوں سے بری الذمہ قرار دیا جا چکا تھا، میں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ یہ لوگ ہتھیار بند ہونے میں اصولاً اور طبعاً احتیاط پسند ہیں، بشپ نے جواب دیا، ہتھیار بندی سے گریز ان کا کوئی مسلّم اصول نہیں ہے، بلکہ اپنے لئے پارلیمنٹ سے استثنائی قانون منظور کراتے وقت یہ خیال کیا گیا تھا کہ اُن کی اکثریت کا اصول یہی ہے، بہر حال اس موقع پر، ہتھیار بندی سے متعلق، اس احتیاط پسندی کا خطاب چند گنے چنے آدمیوں نے کیا، ایسا معلوم ہوتا ہے یا تو یہ خود فریبی میں بتلا تھے، یا پارلیمنٹ نے ایسا سمجھا تھا، لیکن فہم عامہ کو، اس عام خطرے کے وقت اور زیادہ مدد ملی، اور بات بھی کچھ ایسی ہے کہ ایسے حالات

ہیں، اضطراب فکر فہم عامہ سے دب جاتا ہے۔

یہ جنوری کا آغاز تھا جب ہم نے قلعوں کی تعمیر شروع کی تھی، ہیں نے فوج کی ایک ٹکڑی منی سنک (MINISINK) اس غرض سے بھیجی کہ وہ ملک کے بالائی علاقے کے تحفظ میں مدد دے، اسی طرح ایک اور دستہ زیریں علاقے میں روانہ کیا اسے بھی یہی ہدایات دیں، اور باقی ماندہ فوج کو لے کر میں خود گا دنھٹ کی طرف روانہ ہوا، جہاں فوری طور پر ایک قلعہ کی تعمیر بہت ضروری تھی، موراوی باشندوں نے ہمیں چند ویگنیں، باربرداری کے لئے دے دیں۔

جیسے ہی ہم نے بیتھلیم چھوڑا، گیارہ کسان میرے پاس آئے، انہیں انڈینس نے ان کے کھیتوں سے نکال باہر کیا تھا، ان کسانوں نے مجھ سے ہتھیار مانگے تاکہ یہ واپس جائیں اور اپنے مویشی واپس لاسکیں، میں نے ان میں سے ہر ایک کو ایک بندوق اور ضرورت کے مطابق بارود دیا، ابھی ہم چند ہی میل گئے تھے کہ بارش شروع ہوگئی اور سارا دن ہوتی رہی، راستے میں کوئی آبادی نہیں تھی کہ ہم پناہ حاصل کر سکتے، یہاں تک کہ رات کے وقت ہم ایک جرمن کے گھر پر پہنچے، اس گھر اور یہاں کے گودام میں ہم سب نے قیام کیا، خوب بھیگے ہوئے تھے، یہ بھی خوبی قسمت کا کرشمہ تھا کہ راستے میں ہم پر کوئی حملہ نہیں ہوا، ورنہ اس وقت ہمارے پاس جو ہتھیار تھے بہت معمولی قسم کے تھے، اور ہمارے آدمی اپنی بندوقوں کو قفل بند کر کے خشک بھی نہیں رکھ سکتے تھے، انڈینس اس قسم کے ہتھیار استعمال کرنے میں

بڑے سبک دست تھے ، ہمارا ان کا کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا ، ان سے مذکورہ گیارہ کسانوں کی مڈبھیڑ ہوگئی ، اور انہوں نے ان میں سے دس کو قتل کر دیا ، ایک جو بچا اس نے ہمیں آکر اطلاع دی کہ وہ اور اس کے ساتھی اپنی بندوقیں چلا ہی نہیں سکے کیونکہ وہ بھیگی ہوئی تھیں ،

دوسرا دن صاف تھا ، ہم نے سفر جاری رکھا ، اور گادنھٹ کے ویرانے میں پہنچ گئے ، یہاں ایک آرہ کشی کا کارخانہ تھا ، جس کے اردگرد متعدد لکڑی کے تختے ایک ڈھیر کی صورت میں پڑے ہوئے تھے ، یہیں ہم نے کٹیا بنالی اور رہ پڑے کہ خیمے گاڑنے کا کوئی امکان نہیں تھا ، نہ وہ ہمارے ساتھ تھے ، سب سے پہلا یہ کام ہمیں یہاں کرنا پڑا کہ جن مقتولین کی لاشیں بے گوروکفن پڑی تھیں ، ان کی تدفین کی ،

دوسرے روز ہمارے قلعہ کا نقشہ بن گیا ، اور جگہ متعین ہوگئی ، اس کا محیط ہم نے چار سو پچپن فیٹ رکھا تھا ، جس کے لئے بہت سے مضبوط لٹھوں کی ضرورت تھی ، جنہیں درختوں سے کاٹ کر بنانا تھا ، ہر ایک کا قطر ایک فٹ ہونا چاہئے تھا ہمارے پاس جو کلہاڑے تھے وہ صرف ستر تھے ، ہم نے فوراً درختوں کی چیر پھاڑ شروع کر دی ، اور ہمارے آدمی اس معاملے میں چونکہ سبک دست واقع ہوئے تھے ، بہت خاصا کام ہوگیا ، درختوں کو اتنی تیزی سے گرتے ہوئے دیکھ کر میں نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھنا شروع کیا کہ جب دو آدمی صنوبر کا تنا شروع کرتے

تھے تو چھ منٹ کے اندر وہ زمین پر آپڑا ہوا نظر آتا تھا، ہر درخت سے تین لٹھے اٹھارہ فیٹ لمبے نکلتے تھے، اسی اثناء میں ہمارے آدمیوں نے اردگرد ایک لمبی چوڑی خندق کھود ڈالی، اس کی گہرائی تین فٹ تھی، اور لکڑی کے لٹھے اسی میں گاڑ دئے جاتے تھے، ہمارے پاس دس گاڑیاں اور دو دو گھوڑے ہر گاڑی کو کھینچنے والے تھے، ان گاڑیوں پر لٹھے جنگل سے کاٹ کاٹ کر تعمیر کی جگہ پر لائے جاتے تھے، ہمارے نجاروں نے تختوں کا ایک اسٹیج گرداگرد بنا دیا تھا، یہ چھ فٹ اونچا تھا، یہ اس لئے بنایا گیا تھا کہ سپاہی اس پر کھڑے ہو کر حلقے میں سے فائر کر سکیں، ہمارے پاس ایک SWIVEL توپ تھی، جسے ہم نے ایک زاویے پر نصب کر دیا تھا، اور نصب کرتے ہی گولہ باری شروع کر دی تاکہ انڈینس کو علم ہو جائے کہ ہمارے اس طرح کے ہتھیار ہیں، اور ہم نے قلعہ بھی بنا لیا ہے، بارش اگرچہ موسلا دھار ہو رہی تھی مگر ایک ہفتے میں یہ سارا کام سرانجام پا گیا، حالانکہ اس حالت میں کام کا جاری رکھنا سخت مشکل تھا۔

اس واقعہ نے میرے ذہن میں یہ بات ابھاری کہ لوگوں کو اگر اجرت پر رکھا جائے، تو وہ بہت اچھا کام کرتے ہیں اور قانع ہو جاتے ہیں، کیونکہ جن دنوں میں وہ کام کرتے ہیں خوش مزاج رہتے ہیں، اور ہشاش بشاش بھی، نفسیاتی طور پر ان کے اس اطمینان کا سبب یہ ہوتا ہے کہ دن بیکار نہیں گزرا، کام کیا، اجرت پائیں گے، دن کی مشقت کے بعد شام کا وقت ہنسی خوشی بسر کرتے ہیں، لیکن جن دنوں میں کام نہیں ہوتا سرکش اور جھگڑالو ہو جاتے ہیں، وہی، مکھن، روٹی،

ہر چیز میں کیڑے نکالنے لگتے ہیں، یہ دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ ایک بحری جہاز کا کپتان تھا، جس کا یہ اصول تھا کہ وہ اپنے آدمیوں کو مسلسل مصروف رکھتا تھا، اور جب اس کا کوئی آدمی آکر اس سے کہتا کہ سارا کام ختم ہوگیا، اور اب کچھ بھی کرنا نہیں ہے تو وہ کہتا، :

"اچھا یہ بات ہے؟ ——— تو پھر بیکار کیوں بیٹھے ہو، چلو لنگر پر لگ جاؤ، خبردار، !"

ہمارا نوتعمیر قلعہ کتنا ہی ناقص کیوں نہ ہو لیکن انڈینس سے مدافعت کرنے کے لئے بہترین حصار تھا، کیونکہ ان کے پاس ایک توپ خانہ بھی نہیں تھا، ایسی جگہ پر اپنے آپ کو پاکر جہاں حفاظت کا پورا بندوبست تھا اور بروقت ضرورت پسپائی کا راستہ بھی موجود تھا، ہم نے ملحقہ علاقوں میں بھی جذبہ پیدا کرنے کے لئے مختلف ٹولیاں روانہ کیں، ہمیں کہیں بھی انڈینس کی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا، البتہ قریب کی پہاڑیوں پر ہمیں ایسی جگہیں ضرور نظر آئیں، جہاں وہ چھپے ہمارے اقدامات پر نظر ڈال رہے تھے، یہ جاڑے کا موسم تھا، وہ آگ جلائے بغیر نہیں رہ سکتے تھے، لیکن ذراسی چنگاری کی چمک سے بھی کافی فاصلے سے ان کی پوزیشن کا اندازہ ہوسکتا تھا، لہذا انہوں نے زمین میں گڑھے کھودے جو تقریباً تین فٹ قطر کے تھے اور کسی حد تک گہرے بھی، ہم نے ان کی پوزیشن کا صحیح اندازہ لگالیا، جہاں وہ کوئلے رکھے ہوئے تھے ان کوئلوں سے انہوں نے تھوڑی آگ گڑھوں

کی تہ میں سلگائی، اور ہم کو گھاس کی آڑ میں ان کا سایہ صاف نظر آرہا تھا، وہ گڑھے کے سرے پر بیٹھے پاؤں لٹکائے تاپ رہے تھے، اور گرمی حاصل کر رہے تھے اس طریق آتش افروزی کا نتیجہ یہ تھا اور آگ انہوں نے ایسی فن کاری سے سلگائی تھی کہ ان کا پتہ چلنا، روشنی سے، شعلے سے، چنگاری سے، دھویں سے غرض کسی طرح بھی مشکل تھا، لیکن اتنا اندازہ ہوگیا کہ ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی اور ایسا محسوس ہوا کہ وہ یہ اندازہ کر چکے تھے کہ ہماری تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اس پر حملہ کرنا ممکن نہیں، کم از کم نتیجہ خیز نہیں،

ہم نے اپنی عبادت کے لئے، ایک پرجوش پریسبیرین پادری مسٹر بیٹی BEATTY کو اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا، انہوں نے مجھ سے شکایت کی کہ لوگ ان سے خطبہ سننے اور ان کی اقتدا میں عبادت کرنے بہت کم آتے ہیں، ان سے پوچھ گچھ ہوئی تو ان سے آئندہ کا وعدہ کر لیا گیا کہ اگر وہ پادری صاحب کو مایوس نہ کرینگے تو انہیں تنخواہ، اور دوسرے ضروریات کے علاوہ ہر روز رم RUM کی بھی ایک مقدار ملا کرے گی، نہایت پابندی کے ساتھ مقررہ مقدار صبح شام انہیں دی جایا کرے گی، میں نے دیکھا یہ لوگ رم لینے کے لئے باقاعدگی کے ساتھ آنے لگے، اس موقع پر میں نے مسٹر بیٹی سے کہا۔ :

"یہ بات آپ کے منصبی وقار کے منافی ہے کہ آپ انہیں خود رم دیا کریں، یہ دوسری بات ہے کہ عبادت کے بعد انہیں آپ اجازت دے دیا کریں کہ

مقررہ مقدار میں لے لیں ، !"

موصوف نے یہ خیال پسند کیا ، اور یہ ذمے داری قبول کرلی ، اور چند لوگوں کی مدد سے مقدار بھر رم دئے جانے کی اجازت دینے لگے ، اب تو یہ حال ہوا کہ عبادت میں نہایت پابندی سے بڑی تعداد میں لوگ شریک ہونے لگے ، اس واقعہ سے میں نے اندازہ لگایا کہ فوجی قانون کے ماتحت عبادت میں شریک نہ ہونے کے باعث جو سزا دی جاتی ہے اس کے مقابلے میں نیا طریقہ زیادہ کارگر اور قابل ترجیح تھا ۔

ابھی میں اپنی ذمے داریوں سے پورے طور پر عہدہ برآ نہیں ہوا تھا ، لیکن میرا قلعہ جملہ ضروریات سے معمور ہوگیا تھا ، کہ مجھے بذریعہ مکتوب گورنر صاحب نے اطلاع دی کہ انہوں نے اسمبلی کا اجلاس طلب کیا ہے ، اور اس میں میری شرکت ضروری ہے ، بشرطیکہ سرحد کے حالات ایسے ہوں کہ میری وہاں سے غیر حاضری کسی نقصان یا خطرے کا سبب نہ بن جائے ، میرے متعدد دوستوں نے بھی خط لکھ لکھ کر مجھے اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی ترغیب دی ، اس پابندی کے ساتھ ایسا کرنا ممکن بھی ہو ، اور میرے مجوزہ تینوں قلعے مکمل ہو چکے ہوں ، اور وہاں کے باشندے فارغ ہوکر اطمینان سے اپنے کھیتوں میں رہ رہے ہوں ، اور ان کی حفاظت کی طرف سے کوئی خطرہ معلق نہ ہو ، میں نے اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کا فیصلہ بڑی خوشی سے کرلیا ، کیونکہ نیو انگلینڈ کے ایک افسر کرنل کلیفم CLAPHEM

انڈینس سے جنگ کا اوران کے طریق جنگ کا تجربہ رکھتے تھے، وہ مشاہدے کے لئے ہمارے پاس آئے ہوئے تھے، میری استدعا پر انہوں نے عارضی طور پر کمان سنبھال لینے کا وعدہ کرلیا، میں نے انہیں پروانہ تقرر دے دیا گیریزن کی پریڈ کے موقع پر اس کا اعلان کرکے مشتہر بھی کردیا، اوراپنے سپاہیوں سے انہیں متعارف بھی کرادیا کہ اپنی فوجی صلاحیت اور قابلیت کے اعتبار سے کمان ہاتھ میں لینے کی بہت زیادہ اہلیت میرے مقابلے میں رکھتے ہیں پھر میں نے اپنے سپاہیوں سے اجازت چاہی، بیتھلیم تک میں پہرے میں گیا، جہاں چند روز تک تکان دور کرنے کے لئے میں مقیم رہا، پہلی رات مجھے اچھی طرح نیند نہیں آئی، اس لئے کہ بستر بہت اچھا تھا، اور میں اب سخت کھردرے بستر کا، اور فرش زمین پر عادی ہوچکا تھا،!

بیتھلم کے دوران قیام میں، موراد ین MORADIAN لوگوں کے طور طریقوں کے بارے میں کچھ معلومات کی میں نے جستجو کی، ان میں سے بعض میرے ساتھ ہو گیے، ویسے سب کے سب میرے ساتھ حسن اخلاق کا برتاؤ کرتے تھے، میں نے دیکھا یہ لوگ عملی مقصد کے لئے کام کرتے ہیں، سب ایک ساتھ مل کر ایک ہی دستر خوان پر کھاتے ہیں، مجھے ان کے کلیسا جانے کا اتفاق بھی ہوا، یہاں روح پرور موسیقی سے میری تواضع کی گئی، میں نے یہ بھی دیکھا کہ ان کی مجلس وعظ وعبادت مشترک نہیں ہوتی کہ مرد، عورتیں، بچّے سب شریک، جیساکہ ہمارے ہاں ہوتا ہے، بلکہ ان کے اجتماعات یوں ہوتے ہیں کہ کبھی شادی شدہ مرد جمع ہوگئے

دوسرے وقت ان کی بیویاں آگئیں، بعدازاں نوجوان لڑکے آ گئے۔ پھر نوجوان لڑکیوں کی باری آگئی، سب سے آخر میں بچوں کا جتھا آگیا، ان میں سے ہر ایک الگ الگ ہوتا تھا، مجھے ان کا وعظ سننے کا بھی اتفاق ہوا، یہ بچوں کے لئے تھا بچے آئے اور قطار کی صورت میں بنچوں کے سامنے کھڑے ہوگئے، ایک نوجوان ان کی نگہداری کر رہا تھا، جوگویا اتالیق تھا، اسی طرح لڑکیوں کی نگہداری ایک نوجوان خاتون کے سپرد تھی، وعظ ان کی فہم وعقل کے مطابق دیا گیا، انداز بیان دلچسپ، مانوس، اور دل میں اتر جانے والا تھا، تلقین یہ کی گئی کہ اچھے نیک اور عمدہ عادتیں اختیار کرو، بڑے نظم وضبط کا انہوں نے ثبوت دیا، لیکن چہرے زرد تھے، اور کمزوری عیاں تھی، جس سے مجھے شبہہ ہوا کہ ان کی زندگی زیادہ تر پس دیوار ہی بسر ہوتی ہے، یا پھر انہیں مناسب ورزش کا موقع نہیں ملتا۔

میں نے مورادین لوگوں کی شادی بیاہ کے بارے میں بھی معلوم کیا کہ آیا یہ روایت صحیح ہے کہ ان کی شادیاں قرعہ اندازی سے ہوتی ہیں، مجھے بتایا گیا کہ قرعہ اندازی مخصوص صورتوں میں ہوتی ہے، عام طور پر ایک شخص جب شادی کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو وہ اپنے طبقے کے بزرگوں کو اپنی اس خواہش سے مطلع کرتا ہے، وہ ان بڑی بوڑھی خواتین سے مشورہ کرتے ہیں جو نوجوان عورتوں کی ذمے دار ہوتی ہیں، چونکہ ہر دو صنفوں کے یہ بزرگ اپنے اپنے متعلقہ اوصاف کی شخصیتوں کے مزاج اور عادت سے بخوبی واقف ہوتے ہیں، لہٰذا یہ بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کون سی جوڑی مناسب رہے گی، اور ان کا فیصلہ عام طور

پر درست ہی ثابت ہوتا ہے، لیکن اگر مثال کے طور پر دو یا تین نوجوان لڑکیاں یکساں طور پر شادی کے خواہش مند نوجوان کے لئے موزوں اور مناسب نظر آئیں تب قرعہ اندازی سے کام لیا جاتا ہے، میں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا اگر یہ شادیاں باہمی پسند اور انتخاب پر مبنی نہ ہوں تو بعض کا انجام یقیناً حد درجہ تلخ اور ناخوش گوار ہو سکتا ہے، میرے اطلاع دہندہ نے مجھے جواب دیتے ہوئے کہا، "ایسا تو باہمی پسند اور انتخاب کے بعد بھی ہو سکتا ہے، !" یہ ایسی بات تھی جس کی میں تردید نہیں کر سکا۔

فلاڈلفیا واپس آنے کے بعد میں نے دیکھا کہ ہماری فوجی بھرتی کی انجمن کامیابی کے ساتھ چل رہی ہے، جو باشندے خائفی عقیدے کے نہیں تھے جوق در جوق اس میں شامل ہو رہے تھے اور اپنی کمپنیاں بنا رہے تھے، اور اپنے کیپٹن، لفٹیننٹ اور دوسرے عہدے دار نئے قانون کے ماتحت منتخب کر رہے تھے، ڈاکٹر بھی ایک روز مجھ سے ملنے آئے، انہوں نے اس سلسلے میں اپنی کارگزاریوں کی تفصیل سنائی، اور جو کٹھنائیاں جھیلی تھیں ان کا تذکرہ کیا، اس طرح کی تمام باتیں میں اپنے مکالمات میں ذکر کر چکا تھا، اصل بات کا تو مجھے پتہ نہیں تھا، لیکن میں جانتا تھا ڈاکٹر سچا ہے، میں نے اس کی تائید کی، اور ایسے مواقع پر یہی طرزِ عمل بہتر رہتا ہے، افسروں کی میٹنگ نے مجھے رجمنٹ کا کرنل منتخب کر لیا، جسے میں نے منظور کر لیا، مجھے یہ تو یاد نہیں ہماری کتنی کمپنیاں تھیں لیکن ہماری پریڈ میں تقریباً بارہ سو تنگڑے نوجوان توپ خانے کی ایک کمپنی کے ساتھ حصہ لیتے تھے،

اس کمپنی کے پاس چھ توپیں تھیں، یہ لوگ اپنے فن میں اتنے ماہر ہو چکے تھے کہ ایک منٹ کے اندر بارہ گولے پھینک سکتے تھے، پہلی مرتبہ میں نے اپنی رجمنٹ کا معائنہ کیا، یہ لوگ میرے ساتھ میرے گھر تک آئے اور چند شلک کی سلامی دی، جس کے جھٹکے سے میرے شیشے کے کئی برقی آلات ٹوٹ گئے، میرا یہ نیا اعزاز زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہا، کیونکہ کچھ ہی مدت کے بعد، ہمارے تمام عہدے انگلستان کے ایک قانون کے مطابق کالعدم ہو گئے۔

اپنی کرنل شپ کے زمانے میں، مجھے ورجینیا جانے کا اتفاق ہوا، میری رجمنٹ کے افسروں کا خیال تھا کہ مناسب یہ ہے کہ مجھے زیریں ساحل تک اسکورٹ کے ساتھ شہر سے لے جائیں، جیسے ہی میں گھوڑے پر سوار ہوا یہ میرے دروازے پر آئے، ان کی تعداد کم وبیش چالیس تھی، یہ گھوڑوں پر سوار تھے اور یونیفارم پہنے ہوئے تھے، مجھے پہلے سے ان کے منصوبے کا علم نہیں تھا، ورنہ میں انہیں روک دیتا، کیونکہ مجھے اس طرح کے مظاہرے پسند نہیں تھے، لیکن جس چیز نے اس بات کو حد درجہ ناخوشگوار بنا دیا وہ یہ تھی کہ جیسے ہی ہم آگے بڑھے، ان لوگوں نے میان سے تلواریں نکال لیں، اور سارے راستے ننگی تلواریں لہراتے ہوئے چلتے رہے، کسی شخص نے یہ ساری روداد پروپرائٹر کو لکھ بھیجی وہ بہت برہم ہوا، صوبے میں اس کے قیام کے وقت اس طرح کا اعزاز اسے نہیں حاصل ہوا تھا، نہ اس کے کسی گورنر کو یہ عزت بخشی گئی تھی، اس نے کہا یہ بات تو صرف شاہی خون رکھنے والے شہزادوں کو زیب دیتی ہے، اس کی یہ بات کسی حد تک درست

ہی ہوگی ، لیکن میں کچھ بھی تھا اور کچھ بھی ہوں ، مگر امر واقعہ یہ ہے کہ ایسے مواقع پر جو ایٹی کیٹ برتے جاتے ہیں ، ان سے ناواقف محض ہوں ۔

اس معمولی سے واقعہ نے موصوف کو مجھ سے بہت زیادہ برہم کر دیا ، اور یہ برہمی پہلے بھی کچھ کم نہیں تھی کیونکہ یہ حضرت اپنے زمینداروں کو ٹیکس سے مستثنیٰ کرنے کی ہمیشہ اسمبلی میں سعی فرماتے تھے اور میں زیادہ سے زیادہ شدت کے ساتھ اس کی مخالفت کرتا تھا ، اور اس کے جواب میں جتنی بھی رکاکت اور بے ہودگی ممکن تھی یہ کر گزرتے تھے ، انہوں نے وزارت کے سامنے مجھے متہم کیا کہ بادشاہ سلامت کی خدمت کے راستے میں اسمبلی کے اندر سب سے بڑی رکاوٹ میرا وجود ہے ، اپنے اثر ورسوخ سے فائدہ اٹھا کر میں مسودات قانون کو ان کی اصلی صورت میں منظور نہیں ہونے دیتا ہوں ، جس سے تحصیل زر میں رکاوٹ پڑتی ہے ، مثال میں یہی پریڈ والا واقعہ لکھا ، اور فرمایا یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ شخص عنان حکومت آپ کے ہاتھ سے چھین کر اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہتا ہے اور وہ بھی پر امن ذریعہ سے نہیں بلکہ بزور قوت ، سر ایویرا ڈ فاکنر SIR EWERAD FAWKNER پوسٹ ماسٹر جنرل پر زور دیا کہ وہ مجھے میرے منصب سے برطرف کر دیں ، سر ایویرا ڈ نے صرف اتنا اثر قبول کیا کہ شریفانہ طور پر مجھے فہمائش کر دی ۔

گورنر اور ایوان کے مابین جو جنگ جاری تھی ، ممبر اسمبلی کی حیثیت سے میں

بھی اس میں پورا حصہ لیتا تھا، اس کے علاوہ میرے اور موصوف کے درمیان کسی قسم کی ذاتی مخاصمت بالکل نہیں پیدا ہوئی تھی، ہمارے نجی روابط بدستور قائم تھے، بعض دفعہ مجھے یہ خیال آتا ہے کہ گورنر کا مجھ سے بالکل خفا نہ ہونا، شاید اس لئے تھا کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کے بیانات کے تند و تلخ جوابات میرے قلم سے نکلا کرتے تھے، ایک قانون دان کی حیثیت سے وہ اسے برداشت کر لے جاتے تھے، شاید وہ سمجھتے تھے کہ ہم دونوں کی حیثیت وکیل کی ہے وہ بڑے زمینداروں اور مالکان زمین کی وکالت کرتے ہیں اور ہیں اسمبلی کی، ہم دونوں اپنے اپنے حصّہ کو لے جیتنے میں پورا زور صرف کر دیتے ہیں، یہی وجہ تھی کہ بعض وقت وہ مجھے بلا کر بعض امور پر مشورہ بھی کیا کرتے تھے، اور اگرچہ ہر مرتبہ نہیں، لیکن اہم مواقع پر کبھی کبھی میرا مشورہ قبول بھی کر لیا کرتے تھے۔

ہم بریڈوک کی فوج کو ضروریات مہیّا کرنے کے سارے جتن کرتے رہتے تھے اور موصوف کی شکست کی لرزہ خیز خبر پہنچی تو گورنر نے فوراً مجھے بلا بھیجا تاکہ دوسرے قصبات کی امکانی غداری کے پہلوؤں پر مشورہ کیا جائے، اب مجھے یہ تو یاد نہیں کہ میں نے کیا مشورہ دیا تھا، لیکن میرا خیال ہے کہ میں نے یہ کہا تھا کہ ڈینبر کو لکھا جائے کہ جب تک کمک نہ پہنچ جائے وہ اپنی افواج کو سرحدات پر مامور رکھے تاکہ انہیں کسی طرح کا گزند نہ پہنچ سکے، بعد ازاں وہ اپنی مہم پر جا سکتا ہے، پھر جب میں سرحد سے واپس آگیا تو گورنر نے اسی طرح کی مہم صوبائی فوج میری کمان میں دے کر مجھے سونپی، ڈینبر کو ایک اور کام سونپا گیا تھا، مجھے کمیشن دے کر جنرل بنانے

کی تجویز کی گئی ، میں اپنے متعلق یہ حسن ظن نہیں رکھتا تھا، کہ اس منصب کا اہل ہوں لیکن میری فوجی صلاحیتوں کے وہ بے حد معترف تھے ، میرا خیال ہے کہ ان کا یہ اعتراف ان کے اصل جذبات سے زیادہ تھا ، ان کا خیال غالباً یہ تھا کہ میری ہردلعزیزی کے باعث فوج کی نفری میں بہ آسانی اضافہ ہو سکے گا ، اور اسمبلی میں میری وجہ سے فوج کے مصارف اداکرنے کے لئے ، مطالبۂ زر منظور ہو جائے گا اور مملوکہ زمینیں ٹیکس سے بھی بچ جائیں گی ، لیکن بہت جلد انہوں نے یہ محسوس کر لیا کہ میں توقعات پر پورا نہیں اتروں گا ، لہذا یہ منصوبہ عمل میں نہیں آیا ، اور پھر وہ فوراً ہی حکومت چھوڑ گئے ، ان کی جگہ کیپٹن ڈینی DENNY کا تقرر عمل میں آیا ۔

قبل اس کے کہ میں یہ بتاؤں، اس نئے گورنر کے عہد حکومت میں ، عوامی معاملات سے متعلق میں نے کیا کام کیا ، یہ بات شاید نامناسب نہ ہو اگر میں اپنی فلسفیانہ شہرت کے فروغ وعروج کا تذکرہ بھی کردوں ۔

۱۷۴۶ء میں ، بہ مقام بوسٹن میری ملاقات ڈاکٹر اسپنس سے ہوئی ، جو حال ہی میں اسکاٹ لینڈ سے آئے تھے ، انہوں نے میرے سامنے کچھ برقی تجربے بھی کئے یہ تجربے کچھ زیادہ کامیاب نہیں رہے کیونکہ موصوف کامل فن نہ تھے ، لیکن یہ ایک ایسا موضوع تھا جو میرے لئے بالکل نیا تھا ، اس لئے ان تجربوں سے ہیں محظوظ بھی ہوا ، اور دلچسپی بھی لی ، فلاڈلفیا واپس آنے کے فوراً بعد ہماری جماعتی

لائبریری کو مسٹر پی، کولنسن Collinson کی طرف سے جو لندن کی رائل سوسائٹی کے فیلو تھے، ایک شیشے کا ٹیوب بطور تمغہ ملا، ساتھ ہی ساتھ اس طرح کے تجربات کے سلسلے میں اس کے طریقۂ استعمال کی ہدایات بھی، میں نے فوراً ہی بورڈن کے تجربات دوہرائے، اور بار بار کی مشق کے بعد، نہ صرف یہ بلکہ وہ تجربات بھی کرنے میں کامیاب ہوگیا جو لندن سے بتائے گئے تھے، صرف اتنا ہی نہیں، میں نے کچھ نئے تجربے بھی کئے، میرا گھر اُن عجیب تجارب کا مشاہدہ کرنے والوں سے بھرا رہتا تھا۔

اپنے دوستوں کو بھی اس سے بہرہ ور کرنے کے لئے، میں نے اس طرح کے کئی ٹیوب تیار کئے، جو ہم نے اپنی بہبود لیبورٹری میں بنائے تھے، اور یہ کام انہیں سکھایا تاکہ اسے انجام دینے والے کئی آدمی ہو جائیں، ان میں سب سے نمایاں شخصیت مسٹر کنرسلے Kinnersley کی تھی، یہ ایک لائق پڑوسی تھے، اور آج کل کوئی کام نہیں کر رہے تھے، میں نے انہیں آمادہ کیا کہ یہ تجارب اگر وہ دوسروں کو دکھائیں تو روپیہ کما سکتے ہیں، اور دو لیکچر انہیں تیار کر کے دئے، جن میں اُن تجربات کی وضاحت اور تشریح کی گئی تھی، وہ تیار ہوگئے، اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک اعلیٰ درجے کا بکس بنوالیا، اس میں ایسی تمام چیزیں آگئیں جو میں نے معمولی طور پر اپنے استعمال کے لئے بنائی تھیں، اور جو اب آلات سازوں نے بہت عمدہ طور پر بنا کر دی تھیں ان کے لیکچروں میں کافی لوگ شریک ہوئے اور مطمئن ہوکر گئے، کچھ عرصے کے بعد وہ ان چیزوں کی نمائش کرتے ہوئے نوآبادیوں کے

ہر بڑے شہر میں پہنچے ، اور کچھ روپیہ بھی جمع کر لیا ۔ ویسٹ انڈیا میں تجربے کرنے میں کچھ دشواری پیش آئی ، کیونکہ وہاں کی ہوا میں عام طور پر رطوبت زیادہ رہتی تھی ۔

مسٹر کولنسن کے عطیے نے ہمیں ان کا ممنون کر دیا تھا ، مجھے مناسب معلوم ہوا کہ ان کے ٹیوب کے استعمال سے میں نے جو کامیابی حاصل کی ہے ، اس سے انہیں مطلع کر دوں ، میں نے انہیں متعدد خط لکھ کر اپنے تجربوں کی تفصیل سے مطلع کر دیا ، انہوں نے رائل سوسائٹی میں ان مقالوں کو پڑھا ، جہاں پہلے پہل انہیں کسی قابل نہیں سمجھا گیا تھا ، جو مقالے میں نے مسٹر کنر سلے کے لئے لکھے تھے ، جو برق و روشنی کی یکسانیت کے موضوع پر تھے ، میں نے ڈاکٹر میکائیل کو بھیجے جو میرے دوست ، اور رائل سوسائٹی کے ممبر تھے ، انہوں نے مجھے لکھا کہ آپ کے مقالے پڑھے گئے ، لیکن مبصرین اور نقادوں نے ان کا جی کھول کے مذاق اڑایا ، یہ مقالے ڈاکٹر فورتھر گل (FORTHER GULL) کو بھی دکھائے گئے انہیں یہ بہت قیمتی اور وزنی نظر آئے ، ان کے مشورے سے یہ سوسائٹی کے مطبوعات کے طور پر شائع کر دئے گئے ، بعد ازاں مسٹر کولنسن نے اپنے GENTELMAN'S MAGAZINE میں بھی شائع کرنے پر بطور ایک ضمیمے کے جداگانہ طور پر شائع کرنے کا مشورہ دیا ، ڈاکٹر فورتھ گل نے مقدمہ لکھا ، یہ خوب چلے اور ان کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے ۔

ان مقالات کا لندن میں جب غلغلہ ہوا ، اس سے پہلے اس کی ایک

کاپی کاؤنٹ ڈی بفن (Count De Buffon) کے ہاتھ میں پڑ گئی، جو فرانس کے مشہور اور یگانے ہوئے فلسفی تھے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ یورپ کے مسلم الثبوت فلسفی تسلیم کئے جاتے تھے، انہوں نے مسٹر ڈیلیبارڈ Dalibard کے ساتھ مل کر ان کا فرنچ میں ترجمہ کیا، اور پیرس سے ان کی اشاعت ہوئی، اس اشاعت نے ایبے نولٹ Abbe Nollet کو برافروختہ کر دیا جو نیچرل فلاسفی کے ماہر تسلیم کئے جاتے تھے، اور شاہی خاندان میں ان کی بڑی مان تھی، انہوں نے کامیابی اور قابلیت کے ساتھ کئی تجربے بھی کئے تھے، انہوں نے برق پر ایک نظریہ شائع کیا تھا، جو بہت زیادہ مقبول ہوا تھا، وہ یقین نہ کر سکے کہ اس طرح کی چیز امریکہ سے شائع ہو سکتی ہے، انہوں نے کہا ان کے دشمنوں نے پیرس سے اس کا چربہ اڑایا ہے، تاکہ ان کی عظمت و شہرت کو نقصان پہنچائیں، آخر کار بڑی مشکل سے انہیں یقین دلایا گیا کہ فرینکلن نام کا ایک شخص واقعی امریکہ میں موجود ہے اور یہ اسی کی کاوش ہے، اور جو فلاڈلفیا میں رہتا ہے، پہلے تو انہیں یقین نہیں آیا، پھر انہوں نے ایک مجموعۂ خطوط شائع کیا، جس میں زیادہ تر تخاطب مجھ سے تھا، انہوں نے اپنے نظریے کا دفاع کیا تھا، اور میرے تجارب کی تردید کی تھی۔!،

ایک مرتبہ میں نے ایبے کو جواب دیا، لیکن یہ سوچ کر کہ میری تحریر مشتمل ہوگی، تجارب کی توضیح و تشریح پر، جسے بآسانی کوئی شخص بھی دوہرا سکتا، اور تصدیق کر سکتا ہے، اور اگر ایسا نہ ہوا تو دفاع بیکار ہوگا، اس طرح یہ مباحثہ دو ایسے شخصوں کے درمیان محدود ہو کر رہ جاتے گا جو الگ الگ زبانوں میں اپنی اپنی

کہہ رہے ہیں، علاوہ ازیں ترجمے کی غلطیاں اور ان کے باعث غلط فہمیاں بھی ممکن ہیں، نیز ایک دوسرے کے مفہوم میں مغالطہ بھی ہوسکتا ہے، چنانچہ میں نے طے کیا کہ بجائے اس جدل و بحث میں وقت ضائع کرنے کے نئے تجارب میں اپنا وقت کیوں نہ صرف کروں، چنانچہ میں نے پھر مسٹر ایبے کو کچھ نہیں لکھا، اور اس سے مجھے کچھ نقصان بھی نہیں پہنچا، کیونکہ میرے دوست مسٹر لے رے LEROY نے جو رائل اکیڈمی آف سائنس کے ممبر تھے میرا مقدمہ اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور مسٹر ایبے کے اعتراضات کا جواب خوب خوب دیا، میری کتاب کا ترجمہ اطالوی زبان میں بھی ہوا، جرمن میں بھی، اور لاطینی میں بھی، اور اس میں جو فلسفہ پیش کیا گیا تھا، اسے عالمگیر طور پر قبول کرلیا گیا، یورپ کے فلاسفہ نے بھی ایبے کے نظریے پر اسے ترجیح دی، اور قبول کرلیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے نظریے کا موجد اور مقلد وہی اکیلا اور تنہا رہ گیا، سوا موسیو بی ——— کے، جو پیرس کے رہنے والے تھے، اور مسٹر ایبے کی آنکھ بند کرکے پیروی کرتے تھے۔

میری کتاب کو جس چیز نے فوری شہرت بخشی وہ اس کے مجوزہ تجربات کی کامیابی تھی جس کا مظاہرہ مسرز ڈالیبنارڈ اور ڈی لار مارلے نے بادلوں سے بجلی کا اخراج کرکے کیا، اس سے عوامی انہماک اور دلچسپی میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا، ایم ڈی لار جو تجرباتی فلسفے کے آلات وادوات اپنے ساتھ رکھتے تھے، اور سائنس کی اس شاخ میں کئی لیکچر دے چکے تھے، اپنے ذمے یہ کام لیا کہ فلاڈلفیائی تجربات PHILADELPHIA EXPRIMENTS کا اعادہ کریں، اور جب

ان کا مظاہرہ بادشاہ فرانس اور اس کے دربار کے سامنے ہوا تو پیرس کے تماشا پسند لوگ انہیں دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے، اس بڑے تجربے کی تفصیل بیان کرنا میں نہیں چاہتا، نہ اس مسرت بے پایاں کا اظہار کرنا چاہتا ہوں جو میرے ایک مزید نئے تجربے کا نتیجہ تھی جو مذکورہ بالا تجربے کا اعادہ ایک پتنگ کی صورت میں کرنے سے ہوئی تھی، یہ دونوں چیزیں ۶ تاریخ برقیات میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہیں۔

ڈاکٹر رائٹ WRIGHT ایک انگریز معالج اور ڈاکٹر جب پیرس میں تھے تو ایک دوست کو لکھا کہ میرے تجربات۔ کو ممالک غیر میں میرے تجربات کو حد درجہ عزت اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اور اس بات پر حیرت کا اظہار کیا تھا کہ میری تحریروں پر لندن میں کچھ زیادہ توجہ نہیں کی گئی، یہ ڈاکٹر صاحب رائل سوسائٹی کے ممبر بھی تھے، سوسائٹی نے اس کے بعد، مجموعہ مکاتیب پر، جو اس کے سامنے پڑھے گئے غور وفکر شروع کیا، اور مشہور ڈاکٹر واٹسن نے ان کا ایک خلاصہ تیار کر دیا، یہ سب چیزیں بعد ازاں میں نے انگلستان روانہ کر دیں جو مذکورہ موضوع سے متعلق تھیں، اور وہ توصیفی تحریریں بھی تھیں جو مصنف کے لئے لکھی گئی تھیں، یہ خلاصہ وہاں کے مطبوعات میں شامل کر لیا گیا، اور لندن میں سوسائٹی کے چند ممبروں نے خاص طور پر بے حد مخلص اور شریف طینت ڈاکٹر کانٹن نے بادل سے بجلی نکال کر تجربات کی تصدیق کر دی، اور ممبران سوسائٹی کو اس تجربے کی صورت سے مطلع کر دیا، اب ان حضرات کا سلوک میرے ساتھ کسی حد تک تبدیل ہو گیا، میری طرف سے کوئی درخواست پیش ہوئے بغیر انہوں

نے مجھے سوسائٹی کی ممبری کا اعزاز بخشا، اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ مقررہ چندے سے بھی مجھے مستثنیٰ کر دیا، جو ۲۵ گنی تھا، ساتھ ہی ساتھ اپنے جملہ مطبوعات بھی بغیر کسی قیمت کے مجھے مرحمت کئے، علاوہ ازیں انہوں نے سر گوڈفرے کوپلے Sir Godfrey Copley کا طلائی تمغہ بھی، (۱۷۵۳) مجھے عطا کیا، اس موقع پر صدر نے ایک نہایت معرکہ آرا تقریر بھی کی، جن کا اسم گرامی لارڈ میکلسفیلڈ (Macclesfield) تھا، غرض وہاں میری زیادہ سے زیادہ عزت افزائی ہوئی۔!

ہمارے نئے گورنر کیپٹن ڈینی یہ طلائی تمغہ لے کر رائل سوسائٹی کی طرف سے اس استفہامیہ میں جو میرے اعزاز میں دیا گیا تھا۔ مجھے دینے کیلئے آئے انہوں نے خود بھی میرے بارے میں عزت اور احترام کے کلمات ارشاد فرمانے یہ بھی فرمایا کہ وہ میری شخصیت سے بہت دنوں سے واقف ہیں، ڈنر کے بعد، جب شراب کا دور شروع ہوا، وہ مجھے ایک دوسرے کمرے میں لے گئے، اور مجھے مطلع کیا کہ ان کے انگلستان کے دوستوں نے مشورہ دیا ہے کہ مجھ سے دوستانہ تعلقات وہ استوار کریں، کیونکہ میں ہی وہ شخص ہوں جو دیانت اور صداقت کے ساتھ انہیں مشورے دے سکتا ہوں، اور بہت موثر طور پر ان کے انتظامی معاملات کو آسان بنانے میں حصہ لے سکتا ہوں، لہذا انہوں نے مجھ سے مفاہمانہ مراسم قائم کرنے کی خواہش کا اظہار کیا، اور مجھ سے استدعا کی کہ اس بات کو غلط نہ سمجھوں کہ ہر موقعہ پر اپنے امکان بھر اور طاقت بھر ہر خدمت کے لئے تیار ہیں، انہوں نے مالکان زمین کے

اُن خدمات کی تعریف بھی کی جو صوبے کی بہتری کے لئے انہوں نے انجام دئے تھے جس سے ہم سب بہرہ مند ہوں گے، اور آپ خاص طور پر، اگر اپوزیشن نے وہ طریقہ ترک کر دیا، جس پر وہ عامل رہتی چلی آئی ہے، اور ہم آہنگی ان کے اور عوام کے درمیان پیدا ہو گئی، اور یہ کام آپ کے سوا کوئی بھی عمدہ اور بہتر طور سے انجام نہیں دے سکتا شراب سے شغل کرنے والوں نے جب یہ دیکھا کہ ہم میز پر اب تک واپس نہیں آئے تو انہوں نے ایک قرابہ مڈیرا شراب کا ہمیں بھیج دیا، جس سے گورنر نے تھوڑا سا شغل کیا، اور اپنے مواعید اور حسن ظن کا اظہار کرتا رہا،

اس کو جواب دیتے ہوئے، اصل مقصد کے بارے میں، میں نے کہا :

"خدا کا شکر ہے کہ میرے حالات ایسے ہیں کہ میں مالکان زمین کے لطف و کرم کا جویا نہیں ہوں، اور اسمبلی کا ممبر ہونے کی حیثیت سے میں ایسا کر بھی نہیں سکتا، نیز مالکان زمین سے مجھے کوئی دشمنی نہیں ہے، اور یہ کہ عوامی بھلائی کی جب بھی آپ کوئی تجویز پیش کرینگے، مجھ سے بڑھ کر اس کا مداح اور نقیب کوئی نہیں ہوگا، پچھلے دنوں جب میں مخالفت کرتا رہا ہوں، وہ اسی جذبے کے ماتحت تھی، کہ مالکان زمین کے لئے جو رعایتیں تجویز کی جاتی ہیں وہ عوام کو نقصان پہنچانے کا موجب ہوتی ہیں، یہ کہ میں آپ کا حد درجہ ممنون ہوں کہ آپ میرے لئے اتنے اچھے خیالات رکھتے ہیں اور میں اپنے بس بھر آپ کے لئے دشواریوں کے بجائے آسانیاں ہی پیدا کرنے کی کوشش کروں گا، ساتھ ہی ساتھ میں امید رکھتا ہوں کہ آپ اپنے پیش رو

کی طرح وہ اذیت رساں ہدایات نہیں لائے ہوں گے، جنہوں نے حالات کو ابتر بنا دیا،

اس موقع پر گورنر نے کوئی صفائی نہیں دی، لیکن جب وہ اسمبلی کے سامنے اپنے منصب کے ساتھ آیا تو پھر وہی صورت پیدا ہو گئی، اور تلخیوں کی تجدید کا آغاز ہو گیا، اور میں بھی حسب سابق مخالفت میں پیش پیش رہنے لگا، لیکن ہمارے مابین کوئی ذاتی دشمنی نہیں پیدا ہوئی، ہم اکثر اکٹھے وقت گزارتے، وہ ایک صاحب علم آدمی تھا، ساری دنیا دیکھے ہوئے تھا، بہت دلچسپ اور طرار شخص تھا، اور باتیں تو خوب ہی کرتا تھا، اسی نے سب سے پہلے مجھے یہ اطلاع دی کہ میرا پرانا دوست جیمس رالف زندہ ہے، وہ انگلستان کے بہترین سیاسی مقالہ نگاروں میں شمار ہوتا ہے، پرنس فیڈرک اور بادشاہ سلامت کے مابین تنازعہ کے وقت اس کے خدمات حاصل کئے گئے، اور اب اسے تین سو پونڈ سالانہ پنشن ملتی ہے، البتہ شاعر کی حیثیت سے وہ کوئی مرتبہ نہیں حاصل کر سکا، پوپ نے اس کی شاعری پر کڑی نکتہ چینی DUNCIAD میں کی ہے، پھر بھی اس کے نغمے دوسروں سے کم نہیں ہیں،

اسمبلی نے آخر کار یہ محسوس کر کے کہ ملکیت زمین کے سلسلے میں ملک معظم کی خدمت کی طرف سے جو ہدایات گورنروں کو ملتی ہیں وہ نہ صرف عوامی مفاد کے خلاف ہیں، بلکہ ان سے خود حکومت کو بھی نقصان پہنچتا ہے، فیصلہ کیا

کہ ملک معظم کی خدمت میں ایک عرضداشت اس صورت کے خلاف پیش کی جائے ، مجھے اپنا ایجنٹ مقرر کر کے انگلستان جانے کی ہدایت کی کہ میں خود ہی یہ درخواست پیش کروں اور اس کی تائید میں دلائل پیش کروں ، ایوان نے ایک بل گورنر کو منظوری کے لئے بھیجا ، جس میں ساٹھ ہزار پونڈ کی رقم بادشاہ سلامت کے مصارف کے لئے منظور کی گئی تھی ، جس میں سے دس ہزار جنرل لارڈ لوڈن LODOUN کے لئے مخصوص کی گئی تھی ، گورنر نے اس بل کو حسب ہدایات منظور کرنے سے انکار کر دیا۔

پیکوئٹ جہاز پر میں کیپٹن مورس کے ساتھ نیو یارک سے شریک سفر ہونے پر رضامند ہو گیا ، میرا سامان جہاز پر اس وقت لادا جا چکا تھا جب لارڈ لوڈن نے فلاڈلفیا میں قدم رنجہ فرمایا ، انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ اس لئے آئے ہیں ، کہ گورنر اور اسمبلی کے مابین کوئی مفاہمت کی راہ پیدا کر سکیں ، ان دونوں کے اختلاف سے ملک معظم کی حکومت اور فوج کو کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچنا چاہیئے ، چنانچہ انہوں نے مجھ سے اور گورنر سے ملاقات کا انتظام کیا ، ہم ملے ، اور ہم نے صورت احوال پر گفتگو کی ، اسمبلی کی تائید میں وہ تمام باتیں میں نے کہیں جواب بھی میرے سیاسی کاغذات میں مل سکتی ہیں ، اور اسمبلی کی کارروائیوں میں بھی شائع ہو چکی ہیں ، گورنر نے اپنے ہدایت نامے کی تائید میں گفتگو کی ، اور کہا یہ وہ معاہدہ ہے جس پر عمل کرنے کا وہ پابند ہے ، وہ اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا ، اگر کرے تو خود اپنے پاؤں پر اپنے ہاتھ سے کلہاڑی مارے گا ،

البتہ اگر لارڈ لوڈرن کا مشورہ ہو تو وہ ایسا کر بھی سکتا ہے، بز لارڈ شپ نے ایسا کرنا مناسب نہ سمجھا، اگرچہ ایک مرتبہ میں یہ خیال کرنے لگا تھا کہ شاید وہ ایسا مشورہ دینے کو تیار ہو جائیں، بلکہ آخر میں تو وہ یہاں تک اتر آئے کہ مجھی کو مشورہ دینے لگے کہ اسمبلی کو راہ راست پر لاؤں، اور اگر ایسا نہ ہوا تو شاہی فوج ہماری سرحد کی حفاظت نہیں کرے گی، اور اگر ہم نے دفاع کے لئے مطلوبہ رقم منظور نہ کی تو ہم دشمن کے رحم و کرم پر ہوں گے،

میں نے ایوان کو اس صورت احوال سے مطلع کر دیا، میں نے چند تجویزیں پیش کیں جن میں اعلان کیا گیا تھا کہ ہم اپنے حقوق سے دست بردار نہیں ہو سکتے، البتہ ان پر عمل درآمد اس لئے ملتوی کرتے ہیں کہ ہمیں ایسا کرنے پر مجبور کیا گیا ہے، اس زیادتی کے خلاف ہم احتجاج کرنا بھی ضروری خیال کرتے ہیں، چنانچہ مطالبۂ زر والا بل واپس لے لیا گیا، اور ایک دوسرا حسب دل خواہ بل پیش کر دیا گیا، اس بل کو گورنر نے منظور کر دیا، اور اب میں انگلستان جانے کے لئے آزاد تھا اسی اثنا میں پیکوٹ روانہ ہو گیا، اور میرا سامان بھی اس کے ساتھ چلا گیا، جس سے مجھے نقصان ہوا لیکن اس کی تلافی وہ شکریۂ حسن خدمات تھا جو ہز لارڈ شپ نے میرا ادا کیا،

وہ مجھ سے پہلے نیو یارک روانہ ہو گئے چونکہ پاکوٹ جہازوں کی روانگی انہی کے حکم پر منحصر تھی، اور ابھی دو مزید جہاز اس بیڑے کے یہاں موجود تھے، جن میں

سے ایک کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ بہت جلد روانہ ہو رہا ہے۔ میں نے درخواست کی کہ صحیح وقت بتا دیجئے، تاکہ میں اپنی تاخیر کے باعث اسے کھو نہ دوں انہوں نے جواب دیا،

"وہ سینچر کو روانہ ہو رہا ہے، لیکن اگر تم پیر کو صبح صبح پہنچ جاؤ تو ٹھیک وقت پر پہنچو گے، لیکن دیکھو اس سے زیادہ تاخیر نہ ہو،!"

لیکن بعض اتفاقی مجبوریوں کے باعث میں پیر کی صبح کے بجائے سہ پہر کو پہنچا دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ جہاز جا چکا ہوگا، کیونکہ موسم بالکل ٹھیک تھا، لیکن وہاں جاکر یہ معلوم کر کے میں بہت خوش ہوا کہ وہ کل جائے گا، اب میں سمجھ رہا تھا کہ اب یورپ روانہ ہو رہا ہوں، لیکن یہ میری غلطی تھی کیونکہ میں ہز لارڈ شپ کے اطوار و عادات سے ناواقف محض تھا، جس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ فیصلہ کرنا جانتے ہی نہیں تھے، میں چند دلچسپ مثالیں پیش کرنا چاہتا ہوں، آغاز اپریل میں، نیویارک میں پہنچا، میرا خیال تھا کہ جون کے آخر تک ہمارا جہاز روانہ ہو جائے گا، بندرگاہ پر دو جہاز موجود تھے، جو ایک عرصے سے کھڑے ہوئے تھے، لیکن جنرل کے حکم کے انتظار میں تھے، اس لئے لنگر نہیں کھول سکتے تھے، اور ہر روز "کل" روانہ ہونے کے لئے تیار رہتے تھے، اسی اثنا میں ایک جہاز اور آگیا، یہ بھی روک لیا گیا، اور قبل اس کے کہ ہم روانہ ہوں ایک اور آگیا، ہمارے جہازوں کو جلد از جلد روانہ ہو جانا چاہئے تھا، مسافر حد درجہ

پریشان اور بے قرار ہو رہے تھے، تاجر اس لئے ہراساں تھے کہ وہ جنگی زمانہ ہونے کے باعث اپنی چیزوں کا بیمہ کرا چکے تھے، لیکن ان کے اضطراب کا نتیجہ کچھ نہ نکلا، ہز لارڈ شپ کے خطوط جو اس جہاز پر جانے والے تھے، اب تک مکمل نہیں ہوئے تھے، جو بھی ان کی خدمت میں جاتا یہی دیکھتا کہ وہ اپنی ڈسک پر بیٹھے ہیں، قلم ہاتھ میں ہے اور ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے،

ایک روز صبح صبح میں بھی سلام کرنے حاضر ہوا تو دیکھتا کیا ہوں کہ فلاڈلفیا کا ایک پیغام رساں اینس گورنر ودینی کی طرف سے جہاز کا مطالبہ جنرل کے لئے لے کر آیا ہے، اس نے چند خطوط مجھے دئے جو میرے دوستوں نے بھیجے تھے، اس نے مجھے بتادیا کہ وہ فلاں دن جا رہا ہے اور فلاں جگہ ٹھہرا ہے، جواب لکھ کر میں اسے وہاں پہنچا دوں، اس نے کہا مجھے حکم ملا ہے کہ کل نو بجے صبح گورنر کے نام جنرل کا جواب لے کر روانہ ہو جاؤں، میں نے روز معینہ پر اپنے خطوط اسے دے دئے، پندرہ دن کے بعد، اسی جگہ پر اس سے ملاقات ہوئی، میں نے کہا،

"اینس تم تو بہت جلد واپس آگئے، !"

اس نے جواب دیا،

"میں گیا ہی کب تھا؟"

میں نے پوچھا،

"یہ کیسے؟"

اس نے جواب دیا،

"گزشتہ دو ہفتوں سے ہر روز مجھے حاضر ہونے کا حکم دیا جاتا ہے، کہ بزلارڈ شپ خط عنایت فرمائیں گے، لیکن وہ اب تک لکھا نہیں جاسکا، !"

میں نے کہا، :

"یہ کیسے ممکن ہے، وہ تو بہت بڑے انشاپرداز ہیں، ! کیونکہ میں نے انہیں ہیشہ لکھتے پڑھتے ہی دیکھا ہے، !"

اس نے جواب دیا،

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن جنرل صاحب کی مثال سنیٹ جارج کی ہے

وہ ہمیشہ گھوڑے کی پیٹھ پر لکھنے کا ارادہ کرتے تھے، اور گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا،!"

پیام رساں اینس کی یہ بات کچھ ٹھیک ہی تھی، کیونکہ انگلستان میں مسٹر پٹ pitt نے مجھے بتایا کہ جنرل کی برطرفی کے اسباب میں ایک بڑا سبب یہ بھی تھا، کہ وزیر متعلقہ کو انہوں نے کبھی کوئی تحریر نہیں بھیجی، اور وہ یہ کبھی نہ جان سکے کہ ہز لارڈشپ کیا کر رہے ہیں،!"

جہاز کی روانگی کے متعلق ہر روز کی امید اور یاس نے عجیب کیفیت پیدا کر دی تھی، تینوں جہازوں کے بارے میں یہی بتایا جاتا تھا کہ بس اتوار کو روانہ کر رہے ہیں، مسافر اسی میں عافیت سمجھتے تھے کہ جہاز سے نہ اتریں، نہ جانے کس وقت چل پڑے اور وہ رہ جائیں، ہمیں جہاز پر چھ ہفتے ہو گئے تھے، ہمارا اسٹور ختم ہوتا جا رہا تھا، اور نیا سامان فراہم کرنے کی جگہ نہیں، آخر کار یہ بیڑہ روانہ ہوا، جنرل صاحب اور ان کی فوج جہاز پر سوار ہو گئی۔ لیکن یہ اب لوئس برگ جا رہا تھا، تاکہ قلعہ کا محاصرہ کرکے اسے ختم کر لیں، ہمارے جہاز کو حکم ملا کہ وہ بیڑے سے الگ ہو جائے، اور انگلستان جائے، باقی دو جہازوں کو وہ ہالی فیکس لے گئے، جہاں کچھ عرصہ انہوں نے قیام کیا، اور لوگوں کو قلعہ شیم پر قبضہ کرنے کے گر بتائے، لیکن اس خیال پر بھی قائم نہ رہے، پھر لوئس برگ کی فتح کا خیال آیا اور یہ جہازوں کو نیویارک مع اپنی پوری فوج کے لوٹا لائے، ساتھ ساتھ جو مسافر

نسوار تھے وہ بھی گئے، اور آئے، ان کی عدم موجودگی میں فرنچ فوج اور وحشیوں کے دستوں نے فورٹ جارج پر قبضہ کر لیا جو صوبے کی سرحد پر واقع تھا، اور ہتھیار ڈلوانے کے بعد بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا،

بعد میں کیپٹن بونل Bonnel سے میری لندن میں ملاقات ہوئی، انہوں نے کہا جنرل نے جب انہیں ایک مہینہ روکے رکھا، تو انہوں نے بزلارڈشپ کی خدمت میں درخواست گزاری کہ جہاز میں کچھ خرابی ہو گئی ہے جو اس کی تیز رفتاری پر اثر انداز ہوئی، لہذا اجازت مرحمت ہو کہ اس کی تہ کو صاف کر لیا جائے، پوچھا گیا اس کام میں کتنا وقت صرف ہو گا، کیپٹن نے جواب دیا،

" تین دن، !"

بز لارڈشپ نے فرمایا، :

" اگر یہ کام تم ایک دن میں کر سکتے، ہو تو خیر، میں اجازت دے دوں گا، بصورت دیگر اجازت نہیں دے سکتا، کیونکہ ہر حالت میں تمہیں پرسوں روانہ ہو جانا چاہیئے، !"

کیپٹن نے پھر اجازت لئے بغیر جہاز سمندر میں ڈال دیا، گو اس کے بعد،

پھر اسے روکا گیا، اور کامل تین ماہ تک جنبش بھی نہ کرنے دی گئی۔

لندن میں ہوٹل کے ایک مسافر سے بھی میری ملاقات ہوئی، وہ بڑلارڈشپ کے خلاف اتنا بھرا ہوا تھا کہ ان پر ہرجانے کا مقدمہ چلانے کا فیصلہ کر چکا تھا، آیا اس نے یہ کیا یا نہیں، اس کا پتہ نہیں چل سکا،

مجموعی حیثیت سے مجھے سخت حیرت ہوتی ہے کہ ایسا نکما شخص اتنی بڑی ذمے داری پر، اور اتنی بڑی فوج کی کمان پر کیسے مامور کیا گیا، لیکن دنیا کا اب تجربہ کر لینے کے بعد اب حیرت نہیں ہوتی، میرے خیال میں جنرل شرلے کو اگر یہ کام تفویض کیا جاتا تو وہ بخوبی اس سے عہدہ برآ ہو سکتے تھے، اور جنرل لوڈون سے کہیں بہتر ثابت ہوتے جو اپنی فضول خرچی، نکمے پن، اور لغویت کے باعث ہماری قوم کے لئے بہت زیادہ باعث ننگ ثابت ہوتے، اس شخص نے نہ صرف فوج سے کوئی کام نہیں لیا، بلکہ ہماری تجارت کو بھی بڑا نقصان پہنچایا،

میرا خیال ہے ایک ایسے شخص سے نجات پاکر جو فوج سے کوئی کام لینا نہیں جانتا تھا، شرلے بہت خوش ہوا ہوگا، میں اس تفریحی دعوت میں شریک ہوا تھا، جو لارڈ لوڈون کو نیویارک کے شہریوں کی طرف سے دی گئی تھی، جب انہوں نے فوج کی کمان سنبھالی تھی، شرلے کو اگرچہ اس کے حق سے محروم کر کے یہ جنرل صاحب آئے تھے، مگر وہ بھی شریک ہوا تھا، اتفاق کی بات اسے جو کرسی ملی وہ نیچی تھی، میں

نے کہا، :

"جناب والا آپ کو تو یہ بہت ہی نیچی کرسی ملی ہے، !"

اس نے جواب دیا :

" کوئی بات نہیں ،میرے لئے نیچی نشست بہت آرام دہ ہے، !"

جب میں نیو یارک میں رکا ہوا تھا، مجھے وہ سارا حساب جو جنرل براڈک سے متعلق تھا مل گیا تھا، لیکن کچھ لوگوں کا باقی رہ گیا تھا، بہر حال یہ حساب میں نے لارڈ ڈُون کی سند سے میں نے پیش کیا کہ اس کی ادائیگی جلد کر دی جائے، انہوں نے اسے چیک کرنے کا حکم دیا، ایک ایک واؤچر اچھی طرح دیکھ چکنے کے بعد افسر متعلقہ نے رپورٹ دی، حساب بالکل ٹھیک ہے رقم ادا کر دی جائے، جنرل صاحب نے بھی یہ کہا تھا کہ حساب چیک ہونے کے بعد حساب فوراً بیباق کرا دیں گے، لیکن برابر ٹال مٹول ہوتی رہی، میری ہر مرتبہ کی گزارش پر یہ کہہ دیا جاتا ہاں ادائیگی جلد کر دی جائے گی، آخر کار میری ادائیگی کے عین وقت جنرل صاحب نے فرمایا :

" خوب اچھی طرح غور کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے حساب کو

دولت کمانے کے وسائل میں، اس طرح کے کام بھی ہوا کرتے ہیں، جہاں تک میرے بقایا کا تعلق ہے، میں اب تک کچھ بھی وصول نہیں کر سکا ہوں، اور معاملہ ہنوز روز اول کی حد تک ہے۔

ہماری روانگی سے پیشتر جہاز کے کپتان صاحب خوب شیخی مار رہے تھے کہ ان کا جہاز تو پانی پر، بڑی سبک روی اور تیزی سے چلتا ہے: لیکن بدقسمتی سے جب ہم سمندر میں پہنچے تو وہ اتنا آہستہ خرام ثابت ہوا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، لیکن کپتان صاحب نے ذرا بھی شرم یا ندامت محسوس نہیں کی، اسی طرح کی کئی پریشانیوں کے بعد، جب ایک دوسرے جہاز کے قریب ہم پہنچے، جس کا حال بھی وہی تھا جو ہمارا تھا، اس وقت دفعتہً کپتان صاحب نے حکم دیا کہ ہم سب جہاز کے عقبی حصے میں چلے جائیں، اور جہاز کے پرچم اسٹاف سے جس قدر نزدیک ممکن ہو کھڑے رہیں، ہم مسافروں کی تعداد تقریباً چالیس تھی، اس اثنا میں کہ ہم وہاں کھڑے تھے، جہاز نے اپنی رفتار کی اصلاح کر لی، اور بہت جلد قریبی جہاز کو چھوڑ کر آگے بڑھ گیا، اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہمارا کپتان یہ خیال کر رہا تھا کہ جہاز کے آگے والے حصے پر بوجھ زیادہ پڑ رہا ہے، پانی کے تمام پیپے آگے رکھ دئے گئے تھے، ان کے لئے بھی حکم صادر ہوا کہ عقبی حصے میں رکھ دئے جائیں، اس کے بعد جہاز کی حالت درست ہو گئی، اور بہت اچھی رفتار سے چلنے لگا۔

اور اپنے پیش رَو کو حساب خلط ملط نہ ہونے دوں، جب تم انگلستان پہنچو تو بس اتنا کرنا یہ فرد حساب سرکاری خزانے میں پیش کر دینا، فوراً ہی ساری رقم بیباق کر دی جائے گی،!"

میں ابھی ذکر کر چکا ہوں کہ نیویارک میں خواہ مخواہ، بالکل غیر متوقع طور پر جہاز پر رو کے جانے کے باعث مجھے بے انتہا نقصان برداشت کرنا پڑا تھا، یہی وجہ تھی کہ میں چاہتا تھا کہ میرے بلوں کی رقم فوراً ادا کر دی جائے، اور رقم کے حاصل کرنے میں مجھے مزید تکلیف اور تاخیر کا سامنا نہ کرنا پڑے، یہ رقم جو میں نے اپنے پاس سے خرچ کی تھی، اور اپنے خدمات کا کوئی معاوضہ بھی نہیں لیا تھا، میری درخواست پر بز لارڈ شپ نے فرمایا، :

" براہ کرم ہمیں یہ باور کرانے کی کوشش نہ کیجئے کہ آپ نے کچھ نفع نہیں کمایا ہے، ان معاملات کو ہم بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں اور بخوبی جانتے ہیں کہ جو شخص فوج کی رسد مہیا کرتا ہے، وہ جیب بھرنے کے وسائل اور ذرائع سے بہت اچھی طرح آشنا ہوتا ہے،!"

میں نے لاکھ لاکھ یقین دلایا کہ ایسا ہوتا ہوگا، لیکن میرا معاملہ اس کے برعکس ہے، نیز یہ کہ میں نے ایک پائی بھی نہیں مانگی ہے، لیکن صاف ظاہر ہو رہا تھا انہیں میری بات کا یقین نہیں ہے، اس وقت سے میں نے جان لیا ہے کہ بے پایاں

گئے ، جہاز کے کپتان نے اندازہ لگاکر ایک راستہ متعین کرلیا ، جس کے مطابق ہمیں جزائر سسلی کے پاس سے گزرنا تھا لیکن راستے میں ایک مضبوط قسم کی کھائی تھی ، جس سے ملاح دھوکا کھاجایا کرتے تھے ، اسی طرح سر کلاڈڈسلے (SIR Cloadesley) اپنے اسکاڈرن کے ساتھ فرق ہو گئے تھے ، یہی مصیبت اب ہمیں پیش آئی تھی ،

ہم نے ایک نگراں (Match man) جہاز کے سامنے کے حصے پر متعین کررکھا تھا ، اسے تائید کی کہ سامنے دیکھتا رہے ، جب اسے پکارا جاتا وہ نیند میں جواب دے دیتا ، ہمارے بالکل سامنے ایک روشنی نظر آرہی تھی ، جس پر اس کی نظر نہیں پڑی ، کیونکہ وہ آڑ میں آگئی تھی ، لیکن ایک اتفاقی حادثے سے اسے سامنے کردیا یہ اتنی بڑی تھی جیسے بڑی گاڑی کا پہیہ ، یہ آدھی رات کا وقت تھا ، اور ہمارا کپتان بے خبر سورہا تھا ، لیکن کپتان کینیڈی تیزی سے عرشے پر کودا ، اور خطرہ دیکھ کر اس نے جہاز کو گھمانے کا حکم دیا ، یہ اقدام مستولوں کے لئے خطرناک تھا ، لیکن اس نے ہمیں اور ہمارے جہاز کو تباہی سے بچالیا ، کیونکہ ہم سیدھے چٹان کی طرف جارہے تھے ، اس پر روشنی کا مینار نصب تھا ، اس واقعہ کے بعد سے میں مینارۂ روشنی کی افادیت کا زیادہ قائل ہوگیا ، میں نے طے کرلیا کہ اگر زندہ رہا تو امریکہ جاکر اس طرح کے لائٹ ہاؤس بہت سے نصب کراؤں گا ،

صبح ہم اپنے پورٹ کے قریب پہنچ گئے ، لیکن کہر بہت زیادہ تھا جس نے خشکی ہم سے چھپا رکھی تھی ، ۹ بجے کے قریب کہر کا پردہ اس طرح سمندر سے اٹھنا

کپتان نے ہمیں بتایا کہ ایک مرتبہ یہ ۱۳ ناٹس کی رفتار سے جا رہا تھا، اس کے معنی یہ ہوئے کہ ۱۳ میل فی گھنٹہ کی رفتار تھی، عرشۂ جہاز پر ایک مسافر کپتان کینیڈی بھی تھے یہ نیوی کے افسر تھے، انہوں نے بتایا جہاز کا کپتان گپ مار رہا ہے، یہ قطعاً ناممکن ہے کہ کوئی جہاز ۱۳ میل فی گھنٹے کی رفتار سے سمندر میں چل سکے، دو کپتانوں کا یہ اختلاف، کچھ نادر نہیں، جہاز کے متعدد پہلو ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں ایک کپتان اپنی رائے رکھتا ہے، دوسرا اپنی، اور دونوں میں سے ہر ایک جب جہاز چلاتا ہے تو اپنے اصول کے مطابق چلاتا ہے، اور کامیاب بھی ہوتا ہے۔

سمندر میں معمولی جہاز رانی بھی میں نے دیکھی ہے، کپتانوں کے اختلاف رائے سے نہیں بچتی، تاہم میرا خیال ہے کہ تجربات کا ایک ذخیرہ مرتب اور محفوظ رہنا چاہئے سب سے پہلے یہ کہ سبک رفتاری کے لئے ضروری ہے کہ جہاز کا ڈھانچہ قابو میں رکھا جائے، دوسرے یہ کہ جہاز کے مستول صحیح ترین قطر کے مطابق ہوں، نیز یہ کہ ہوا کے مطابق جہاز کی پوزیشن رکھی جائے، اور سب سے آخر میں یہ کہ جو بوجھ ہو وہ ترتیب اور سلیقے سے ہو، یہ تجربات کا زمانہ ہے، میرا خیال ہے اس طرح کے تجارب کا مرتب اور منضبط کرنا حد درجہ مفید ثابت ہوگا، بہر حال ایک زمانہ آئے گا کہ کوئی فلسفی اپنے وقت میں اس اہم ضرورت کی تکمیل کرے گا، جس کی کامیابی کے لئے میں دست بدعا ہوں، !

دشمن نے متعدد مرتبہ ہمارے جہاز کا تعاقب کیا تھا، لیکن ہم ہمیشہ آگے نکل

شروع ہوا جیسے کسی ناٹک گھر کا اٹھایا جاتا ہے، اب فالماؤتھ ہماری نظر کے سامنے تھا، ہم لوگوں کی خوشی کا کیا کہنا، اب ہم دشمن کی زد سے باہر اور ہر طرح کے خطرے سے آزاد تھے۔

میں فوراً ہی لندن روانہ ہوگیا، جہاں میرا بیٹا موجود تھا، راستے میں ذرا دیر کیلئے ہم نے کچھ قابل دید چیزیں دیکھیں، اور لارڈ پمبروک Pumbroke کا ایوان اور باغ دیکھا، اور ولٹن Wilton میں ان کے جمع کردہ عجائب دیکھے، اور ۲۷، جولائی ۱۷۵۷ء کو لندن پہنچ گئے۔

"اس جگہ ولیم ٹمپل فرینکلن اور ان کے وارثوں کی شائع کردہ خود نوشت ختم ہوگئی ہے، اس کے بعد کے واقعات گزشتہ سال "حیات ڈاکٹر فرینکلن" میں شائع ہوتے ہیں، اس سے قبل یہ مواد انگریزی زبان میں شائع نہیں ہوا تھا، !"

بگلو Bigelow کی مرتب کردہ خود نوشت

شائع کردہ ۱۸۶۸ص ۳۵۰، نوٹ

خود نوشت کا غیر مطبوعہ حصّہ

"جیسے ہی میرے قیام کا انتظام مسٹر چارلس نے کیا، میں مسٹر فاتھرگل سے ملنے

روانہ ہوگیا، جن سے میرا اچھی طرح تعارف کرایا جا چکا تھا، اور میری تحریروں کے سلسلے میں ان کے مشورے بھی مجھے حاصل کرنا تھے، جس کی مجھے ہدایت کی گئی تھی انہیں حکومت سے کچھ شکایت تھی، ان کا خیال تھا کہ ملکیت کا معاملہ پہلے ذاتی طور پر طے کر لینا چاہیئے، جو بعض دوستوں کی مداخلت اور کوشش سے آبرومندانہ طور پر طے ہو جائے گا، اس کے بعد میں اپنے پرانے دوست مسٹر پیٹر کولنسن سے ملنے گیا، انہوں نے مجھے بتایا کہ جان ہنبری Hanbury جو ورجینا کا مشہور تاجر ہے مجھ سے ملنے کا متمنی ہے، اس نے تاکید کی ہے کہ جیسے ہی میں آؤں اسے اطلاع دی جاتے، وہ مجھے اپنے ساتھ لارڈ کار گرانولس Lord Granvilles کے ہاں لے جائے گا، جو صدر کونسل تھے، اور مجھ سے جلد از جلد ملنا چاہتے تھے، میں نے دوسرے دن صبح جانے پر آمادگی ظاہر کی۔ پروگرام کے مطابق مسٹر ہنبری تشریف لائے اور اپنی سواری میں مجھے اس شریف آدمی کے پاس لے گئے جس نے میرا پرتپاک استقبال کیا، اور امریکہ کے موجودہ حالات سے متعلق چند سوالات کرنے کے بعد، انہوں نے کہا، :

"تم امریکی لوگ اپنے دستور کے بارے میں غلط تصورات رکھتے ہو، تمہارا خیال ہے کہ بادشاہ سلامت کی طرف سے گورنروں کو جو ہدایات ملتے ہیں وہ قانون نہیں ہیں اور اپنے کو اس امر کا مجاز خیال کرتے ہو کہ خواہ ان کی تعمیل کرو یا نہ کرو، اس کی تمہیں آزادی ہے، لیکن انہیں فاضل جج ان تیار کراتے ہیں، پھر ان سے کونسل میں بحث مباحثہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد بادشاہ سلامت دستخط کرتے ہیں، لہٰذا ان کی

حیثیت قانون کی ہے، کیونکہ بادشاہ سلامت ہی نو آبادیات و مستعمرات کے قانون ساز ہیں، میں نے بیز لارڈشپ سے کہا یہ فلسفہ میرے لئے بالکل نیا ہے، میں نے تو چارٹر کے مطابق جو ہمیں عطا ہوا تھا یہ رائے قائم کی تھی کہ قانون سازی کا کام اسمبلیوں کا ہے۔ البتہ شاہی منظوری کے لئے برائے دستخط حضور ان کے سامنے ہمارے منظور کردہ قوانین پیش کئے جائیں گے، لیکن ایک مرتبہ ایسا ہو جائے تو بادشاہ سلامت نہ ان میں تبدیلی کر سکتے ہیں نہ منسوخ کر سکتے ہیں، اور چونکہ اسمبلیاں بغیر شاہی منظوری کے کوئی قانون نہیں بنا سکتیں، لہذا بادشاہ سلامت بھی بغیر اسمبلیوں کے قانون سازی نہیں کر سکتے، بزلارڈشپ نے مجھے یقین دلایا کہ میں مکمل طور پر بتلائے غلط فہمی ہوں، لیکن میرا یہ خیال نہیں تھا، بہر حال اس گفتگو سے مجھے یہ انتباہ ہو گیا کہ درباری اصحاب کا طرز فکر اس سلسلے میں کیا ہے، جیسے ہی میں اپنی قیام گاہ پر آیا، یہ تفصیل میں نے لکھ لی، مجھے یاد ہے کہ بیس سال پہلے وزارت کی طرف سے جو بل پیش ہوا، اس کی ایک دفعہ میں یہ تجویز کیا گیا تھا کہ ملک معظم کے ہدایات کو قانون تصور کیا جائے۔ لیکن یہ دفعہ پارلیمنٹ نے مسترد کر دی تھی، جس پر ہم اور دوسرے حریت پسند بہت خوش ہوتے تھے، ۱۷۶۵ء تک ہم بھی سمجھتے رہے کہ پارلیمنٹ نے یہ مطلق العنانی بادشاہ سلامت کے لئے روا نہیں رکھی ہے، بلکہ اس سلسلے میں سارے اختیارات اپنے پاس رکھے ہیں۔

چند روز کے بعد ڈاکٹر فارتھر گل نے مالکان زمین سے بات چیت کرنے کے بعد مجھے بتایا کہ وہ لوگ مجھ سے اسپرنگ گارڈن میں مسٹر ٹی پین کے مکان

پر ملنے کو تیار ہیں، گفتگو کا آغاز اس طرح ہوا کہ ہر پارٹی "معقول" چیزیں تسلیم کرنے کو تیار تھی، لیکن میرا خیال ہے کہ "معقول" کیا ہے۔ اس کے متعلق ہر پارٹی اپنا اپنا مفہوم مدنظر رکھے ہوئے تھی، ہم نے متعدد اختلافی امور پر اس کے بعد گفتگو کی طرفین نے اپنے اپنے موقف کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کی، نتیجۃً معالیت کی ساری امیدیں جاتی رہیں، بہرحال آخر میں یہ طے ہوا کہ اپنی خاص خاص شکایتیں میں لکھ کر دے دوں، جن پر انہوں نے غور کرنے کا وعدہ کیا، میں نے اس ارشاد کی تعمیل کر دی، لیکن مالکان زمین نے میری یہ تحریر اپنے سالسیٹر کو دے دی، جن کا اسم گرامی جان فرڈی نینس پیرس تھا، جو ان کے قانونی معاون کے طور پر ان کے مقدمات، ملکیت زمین سے متعلق، میری لینڈ کے چلایا کرتے تھے۔ لارڈ بالٹی مور Baltimore جن کی عمر ۷۰ برس کی ہو چکی تھی، وہ شخص تھے جو اسمبلی کے جواب میں ان حضرات کے تمام کاغذات اور جوابات تیار کیا کرتے تھے، یہ قانونی نقطۂ نظر سے کمزور، اور اظہار بیان کے اعتبار سے ناقص تھے، وہ مجھ سے خار کھائے بیٹھے تھے، جب کبھی ہم ملتے یہ مخاصمت ظاہر ہو کر رہتی، میں نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا جو مالکان زمین نے پیش کی تھی کہ لارڈ صاحب موصوف اور ہیں شکایات پر باہمی ملاقات میں غور کریں، اور صاف کہہ دیا کہ بات ہو سکتی ہے تو صرف مالکان زمین سے، ان لوگوں نے موصوف کے مشورے سے یہ کاغذات اٹرنی اور سالیسٹر جنرل کے حوالے کر دئے کہ وہ رائے دیں، چند روز کا یہ کام ایک سال میں بھی وہ نہیں کر سکے، انہوں نے مجھ سے کوئی رابطہ نہیں پیدا کیا۔ بلکہ پیرس کا تیار کیا ہوا مسودہ اسمبلی کو بھیج دیا، جس میں استدعا کی گئی تھی کہ مجھ جیسے ناکارہ آدمی

کے بجائے اس کو دوسرا موزوں آدمی اس کام کے لئے بھیجا جائے ۔

میرا جرم یہ تھا کہ میں نے اپنی تحریروں میں ان حضرات کو پنسلوینیا صوبے کا مطلق اور مکمل مالک نہ تسلیم کیا تھا، نہ اس خطاب سے انہیں مخاطب کیا تھا،

اسی اثنا میں اسمبلی نے ایک قانون پاس کر دیا جس کی رو سے، تمام زمینوں پر ٹیکس لگانا منظور کر لیا، اور گورنر ڈین کی رضا مندی بھی حاصل کر لی، اختلاف و نزاع کا سب سے اہم مسئلہ یہی تھا، اس بل کے سلسلے میں شاہی پیام کا جواب ہی نہیں دیا گیا تھا،

یہ بل جب منظور ہو کر آیا تو مسٹر پیرس کے مشورے سے مالکان زمین نے کوشش کی کہ شاہی مہر اس پر نہ لگ سکے، چنانچہ انہوں نے "کنگ ان کونسل" کے سامنے عرض داشت پیش کر دی،

فریقین نے کونسل میں اپنی طرف سے بڑے وکیل پیش کئے، ہر ایک نے دوسرے فریق کے خلاف جو کچھ بھی کہا جا سکتا تھا کہا، مالکان زمین کو یہ اندیشہ تھا کہ وہ تباہ ہو جائیں گے، اگر ٹیکس کا قانون مسترد نہ کیا گیا، ہمارا کہنا یہ تھا کہ عوام برباد ہو جائیں گے، اگر یہ اختصاص قائم رہا، اور چند لوگوں کو لوٹ کی کھلی اجازت دے دی گئی۔ اس موقع پر لارڈ مینسفیلڈ (lord mans field) جو "کنگ

ان کونسل" کے ایک ممبر تھے اٹھے، اور کلرک کے چیمبر میں فریق کی مخالف کے وکلاء کے ساتھ لے گئے، یہ وکلاء مجھ سے اپیل کر رہے پوچھ رہے تھے کہ کیا واقعی میری یہ رائے ہے کہ اس ایکٹ کے نفاذ سے مملوکہ زمینوں کو نقصان نہیں پہنچے گا، جواب تک مجلس سے مستثنیٰ رہی ہیں، میں نے جواب دیا، میری قطعی رائے یہی ہے، انہوں نے کہا، پھر کیا تم اس کی تحریری نوشت دینے کو تیار ہو، میں نے کہا "قطعاً نہیں، !" تب انہوں نے پیرس کو بلایا، اور کچھ دیر کی بحث و تمحیص کے بعد، بزلارڈشپ کی تجویز فریقین نے قبول کر لی، ایک مسودہ اسی وقت تیار کر لیا گیا، جس پر میں نے دستخط کر دئیے، میرے ساتھ مسٹر چارلس نے بھی دستخط ثبت کر دئیے، جو مالکان زمین کے عام معاملات کے ایجنٹ بھی تھے، جب لارڈ ڈینسفیلڈ کونسل میں واپس گئے، تو آخری طور پر یہ قانون منظور کر لیا گیا، چند تبدیلیوں کی سفارش ضرور کی گئی، ہم نے کہا ٹھیک ہے، انہیں بھی ایک قانون کی صورت میں منظور کر لیا جائے، لیکن اسمبلی نے اسے ضروری نہیں سمجھا کیونکہ ایک سال کا ٹیکس اس حکم سے پہلے قانوناً واجب ہو چکا تھا، اسمبلی نے ایک کمیٹی اس غرض سے مقرر کی کہ وہ ٹیکس کی تشخیص کرنے والے آفیسروں کے طرز کار کی جانچ کرے، اس کمیٹی میں مالکان زمین کے بعض دوست احباب بھی شامل کر لئے گئے، مکمل تشخیص کے بعد، اس کمیٹی نے یہ رائے ظاہر کی کہ ٹیکس کی تشخیص بالکل درست ہوئی ہے اور اس میں کسی طرح کی زیادتی روا نہیں رکھی گئی ہے۔

میری واپسی پر اسمبلی نے صلۂ حسن خدمات کے طور پر میرا شکریہ ادا کیا،

لیکن مالکان زمین گورنر ڈینی سے بہت خفا تھے کہ اس نے اسمبلی کے منظور کئے ہوئے قانون کی توثیق کر کے یہ کھڑاگ کیوں ——— کھڑا کیا اور اسے دھمکی دی کہ اس پر مقدمہ چلائیں گے کہ جن ہدایات پر عمل پیرا ہونے کا اس نے عہد کیا تھا، ان سے کیوں منحرف ہوگیا، اس نے جنرل کے کہنے سے استعفاء دے دیا، اور ملک معظم کی سبک ملازمت سے علیحدگی اختیار کر لی، عدالت پر اس کا بہت گہرا اثر تھا، لہذا یہ دھمکیاں کارگر نہیں ہوئیں، اور مالکان زمین کی یہ ہمت نہیں ہوئی کہ اس پر مقدمہ چلا سکیں۔!"

محمدؔ علی اکیڈمی کے اُردو مطبوعات

مسلمانوں کے شعور ملی، اور ادبیات عالم کا خزانہ

۱۔ علی برادران . . . . ۱۵،۰۰

۲۔ حکیم الامت (مولانا عبدالماجد دریابادی) . ۱۵،۰۰

۳۔ اوراق گم گشتہ . . . . . . ۴۰،۰۰

۴۔ بنجامن فرینکلن کی آپ بیتی . . . . ۱۰،۰۰

محمدؔ علی اکیڈمی ——— ٹیگور پارک لاہور